پیرس کی سنہری راتیں
اے حمید

اہتمام :۔ غالب پبلشرز' لاہور

ناشر :۔ الفیصل ناشران وتاجران کتب' غزنی سٹریٹ' اردو بازار' لاہور

قیمت :۔ 150روپے صرف

بہت پیارے دوست

عنایت الٰہی ملک کے نام

پیرس شہر بارش میں بھیگ رہا تھا۔

یہ پیرس کی بارش تھی۔ میں اس بارش کو دیکھنے پیرس آیا تھا۔ میں اس بارش کو پیرس کے بھیگتے گلی کوچوں' بازاروں' باغوں' پارکوں' درختوں اور قبرستانوں میں دیکھنا چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ پرانے پیرس کے اس ریستوران میں بیٹھ کر کھڑکی کے دھندلے شیشے میں سے بارش کو دیکھوں جس ریستوران میں فرانس کے عظیم ادیب' شاعر' فلسفی اور مصور بیٹھا کرتے تھے۔ میں اونچے اونچے درختوں میں گھرے ہوئے اس پتھریلے فٹ پاتھ پر بارش میں بھیگنا چاہتا تھا جس فٹ پاتھ پر پال گوگین' وان گو اور ایمیل زولا بارش میں بھیگتے اپنے اپنے گھروں کو جایا کرتے تھے۔

لیکن ابھی مجھے پرانے پیرس کا کچھ پتہ تھا اور نہ ماڈرن پیرس ہی سے کوئی شناسائی تھی۔ میں تھوڑی دیر پہلے لندن کی ایک فلائیٹ سے پیرس کے ایئرپورٹ پر اترا تھا۔ ٹریولنگ بیگ میرے کندھے سے لٹکا ہوا تھا۔ میں نے جیکٹ جینز اور جوگر شوز پہنے ہوئے تھے۔ میری جیکٹ کی ایک جیب میں میرا پاکستانی پاسپورٹ تھا اور دوسری جیب میں فرانسیسی کرنسی کے کچھ فرانک نوٹوں کی شکل میں موجود تھے۔ یہ وہ فرانک تھے جو میرے لندن کے پاکستانی دوست فیروز نے مجھے لندن کے ہیتھرو ایئرپورٹ پر ہی پندرہ پاؤنڈ کے عوض بدلوا کر دے دیئے تھے اور کہا تھا:۔

”بھائی میں تمہیں پندرہ پاؤنڈ ہی دے سکتا تھا۔ اس کو قرض مت سمجھنا۔ لیکن خدا کے لئے میری دو باتیں یاد رکھنا۔ ایک تو یہ کہ واپس لندن میرے پاس نہ آنا۔ دوسری بات یہ کہ اگر کہیں پیرس میں کوئی گڑبڑ ہوگئی اور ویزے کی مدت سے زیادہ دیر ٹھہرنے پر پکڑے گئے تو میرا نام نہ لینا۔ میں تمہاری عادتوں سے واقف ہوں۔ ٹھیک ہے تم میرے پرانے یار ہو مگر میں مجبور ہوں۔ لندن میں ہم سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر مجبور ہوتے ہیں۔ میں نے تمہیں جس آدمی کے نام خط دیا ہے' اس کے پاس چار چھ روز سے زیادہ مت ٹھہرنا۔ پیرس یہاں کے مقابلے میں زیادہ مہنگا شہر ہے۔ اتنی دیر میں وہاں کوئی چھوٹا موٹا کام تلاش کر کے اپنی کوئی الگ جگہ کرائے پر لے لینا۔“

میرے پاکستان دوست فیروز نے پیرس میں اپنے جس دوست کے نام خط دیا تھا' وہ کوئی انڈر ٹیکر یعنی گورکن تھا۔ فرانسیسی نژاد تھا اور کسی زمانے میں لندن میں فیروز کے ساتھ ایک ہی فیکٹری میں کام کیا کرتا تھا۔ فیروز نے اس شخص پر دو چار ایسے احسان کئے تھے کہ فیروز کو یقین تھا کہ وہ مجھے چار چھ روز کے لئے اپنے پاس ضرور رکھ لے گا۔

اس گورکن کا نام شارل تھا اور پرانے پیرس شہر کے علاقے میں دریائے سین پر پوائنٹ نوف کے پل کے پار کین ڈی سیگرے والے قبرستان میں رہتا تھا۔ یہ سارا ایڈریس فیروز نے مجھے لکھ کر دے دیا تھا اور زبانی بھی سمجھا دیا تھا۔ جب میں ہیتھرو ایئر پورٹ پر پیرس کی فلائیٹ پکڑنے کے لئے ٹرانزٹ لاؤنج کی طرف جانے لگا تو میرے بچپن کے یار فیروز نے مجھے ہاتھ جوڑ کر کہا:۔

"تم خانہ بدوش قسم کے بے فکرے آدمی ہو۔۔۔ خدا کے لئے ویزے میں جتنی مدت تمہیں دی گئی ہے' اس سے زیادہ پیرس میں قیام نہ کرنا۔ تمہارے پاس پاکستان تک کا واپسی کا ایئر ٹکٹ بھی موجود ہے۔ مدت ختم ہو جائے تو پیرس کے ایئرپورٹ سے ہی براستہ قاہرہ کراچی پہنچ جانا۔۔۔"

میں نے اسے تسلی دی تھی کہ تم فکر نہ کرو یار میں کوئی پاگل ہوں کہ پیرس میں ویزے کی مدت سے زیادہ ٹھہروں گا۔ یہ کہ میں تو تین ماہ ختم ہونے سے پہلے ہی پاکستان پرواز کر جاؤں گا۔

"اور تم فکر نہ کرو۔ تمہارے پاس نہیں آؤں گا۔ تم لندن میں خوش۔ میں پاکستان میں خوش۔"

یہ تو میں نے اپنے دوست کو اوپر اوپر سے کہہ کر مطمئن کر دیا تھا۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ میں فیصلہ کر کے پیرس آیا تھا کہ یورپ کے اس عروس البلاد میں کم از کم دو سال ضرور گذاروں گا اور اس شہر کے بارے میں جتنی الف لیلائی باتیں مشہور ہیں' ان سب کا تجربہ کروں گا۔ اس شہر کے علم و ادب اور فنون لطیفہ کے مراکز بھی دیکھوں گا۔ عجائب گھروں میں بیٹھ کر اولڈ ماسٹرز کی شہرہ آفاق تصویروں کا مشاہدہ بھی کروں گا اور جہاں عظیم مصور پال گوگین اور عظیم مصنف فلابیئر رہا کرتے تھے' وہ جگہیں بھی دیکھوں گا اور جن ریستورانوں میں وہ جا کر کافی پیا کرتے تھے۔ میں بھی وہاں جاؤں گا اور فرانس کی حسین شاموں کی رنگین کیفیتوں میں ڈوب کر معلوم کروں گا کہ آخر پیرس کو حسن و عشق اور عیش و عشرت کا گہوارہ کیوں کہا جاتا ہے۔

یہ میری زبردست خواہش تھی اور جس زمانے میں' میں نے پیرس کا سفر اختیار کیا۔ وہ میری جوانی کے عروج کا زمانہ تھا اور میں ان دنوں اپنی

خواہشات کا غلام ہوا کرتا تھا۔ خاص طور پر نفسانی خواہشات کو تو میں پورا کر کے ہی دم لیتا تھا۔ اگر یہ گناہ کی باتیں ہیں تو یوں سمجھ لیں کہ اس زمانے میں' میں بڑا گناہ گار ہوا کرتا تھا۔ ابھی میری شادی نہیں ہوئی تھی اور میں آوارہ گرد ٹائپ کا بے فکرا نوجوان تھا۔ لاہور میں شراب کا بھی دلدادہ تھا اور طوائفوں سے بھی میری دوستی تھی۔ اب مجھے ایک ایسا شہر مل رہا تھا جہاں میرے ذوق فنون لطیفہ کی ہی تسکین کا وافر سامان ہی موجود نہیں تھا بلکہ میری عیش پرستیوں کو بھی ایک وسیع میدان مل رہا تھا تو میرا دماغ "خراب" تھا کہ میں پیرس میں آ کر تین ماہ بعد لاہور کی شور مچاتی گرد اڑاتی سڑکوں پر واپس چلا جاتا۔ لاہور اپنی جگہ پر لیکن پیرس' پیرس ہی ہے۔

میں نے تو پیرس کے شہر میں اس طرح چھلانگ لگادی تھی' جس طرح لڑکے گرمیوں میں نہر کے پل سے نہر میں چھلانگ لگایا کرتے ہیں۔ میں پیرس کی رنگینیوں کو صرف قریب ہی سے دیکھنا نہیں چاہتا تھا بلکہ ان رنگینیوں کا ایک حصہ بن جانا چاہتا تھا۔ آگے جو ہو سو ہو۔

پیرس میں بارش ہو رہی تھی اور میں ایئر پورٹ کے باہر پارکنگ لاٹ کے وسیع و عریض احاطے کے سامنے شیڈ میں کھڑا پیرس کی بارش کو دیکھ رہا تھا۔ سگریٹ میرے ہاتھ میں سلگ رہا تھا۔ ہیتھرو ایئر پورٹ پر میں نے بیئر کا جو ایک مگ پیا تھا' اس کا نشہ ابھی تک میری آنکھوں میں تھا۔ بیئر کا میں شروع سے ہی گرویدہ رہا تھا۔

میرا مزاج لڑکپن سے عاشقانہ تھا۔

سڑک پر سے بڑی خوبصورت اور مختلف رنگوں والی گاڑیاں بارش میں بھیگتی گذر رہی تھیں۔ ایئر پورٹ سے باہر آ کر مسافر گاڑیوں اور ٹیکسیوں

میں پیرس شہر میں اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو رہے تھے۔ اس وقت دن کے بارہ سوا بارہ بجے کا وقت تھا۔ چونکہ گرمیوں کا موسم تھا' اس لئے یہاں ابھی صبح کا وقت ہی تھا۔ میرے پاس ایک ٹیکسی آکر رک گئی۔ ڈرائیور نے کھڑکی میں سے سر نکال کر فرانسیسی میں کچھ کہا۔ میں نے کہا:۔

"کین ڈی سیگرے سینڈی۔"

وہ حیران سا ہو کر میرا منہ تکنے لگا۔ میں نے انگریزی میں کہا۔

"میں لندن سے آیا ہوں۔ کین ڈی سیگرے سینڈری کے ساتھ میرا دوست انڈر ٹیکر رہتا ہے۔ مجھے اس کے پاس جانا ہے۔"

ٹیکسی ڈرائیور کا رنگ نیگروز کی طرح کالا تھا مگر نقش حبشیوں والے نہیں تھے۔ وہ انگریزی جانتا تھا۔ کہنے لگا۔

"پلیز گٹ ان۔"

میں ٹیکسی میں بیٹھ گیا اور ٹیکسی بارش میں بھیگتی چل پڑی۔ معلوم ہوا کہ ٹیکسی ڈرائیور سوڈانی مسلمان ہے۔ وہ اپنے سوڈانی لہجے میں انگریزی بولے جا رہا تھا اور میں گاڑی کے بند شیشے میں سے سڑک کے کنارے کھڑے درختوں اور عمارتوں کو بارش میں بھیگتے دیکھ رہا تھا۔ پیرس اور لندن میں جو مجھے پہلا فرق محسوس ہوا وہ یہ تھا کہ پیرس میں لندن کی طرح ٹریفک کا زور شور نہیں تھا۔ یہاں کچھ سکون سا تھا۔ سڑکیں زیادہ کشادہ اور عمارتیں لندن کی عمارتوں کی طرح فلک بوس نہیں تھیں۔

ٹیکسی پیرس کی بڑی سڑک سے نکل کر ایک دوسری سڑک پر آکر مڑ گئی۔ یہاں دونوں جانب ہرے بھرے پارک اور باغ بارش میں دھل کر بے حد ہرے بھرے لگ رہے تھے۔ فٹ پاتھ پر مجھے کچھ عورتیں اور مرد چھتریاں

لگائے تیز تیز جاتے نظر آئے۔ یہاں پیرس شہر کی جدید ترین خوبصورت عمارتیں دکھائی دیں۔ ہم شہر کے ماڈرن علاقے میں سے گزر رہے تھے۔ ٹیکسی ڈرائیور نے بتایا کہ کین ڈی سیگرے کا قبرستان پرانے پیرس میں واقع ہے۔ یہ بات مجھے فیروز نے بھی بتادی تھی۔ ٹیکسی ڈرائیور مجھے کسی گائیڈ کی طرح بتانے لگا۔

"پرانا شہر رومن زمانے کا شہر ہے۔ اصل میں پہلے پرانا پیرس ہی ہوا کرتا تھا۔ اس کے اردگرد نیا شہر بن گیا ہے۔ پرانے پیرس کے پاس جاکر دریائے سین دو شاخوں میں بٹ جاتا ہے۔ دریا کی ان دو شاخوں کے درمیان پرانا پیرس واقع ہے۔۔۔۔"

میرا اس کی باتوں کی طرف زیادہ دھیان نہیں تھا۔ میں ابر آلود پیرس کی عمارتوں' فٹ پاتھ پر چلتی خوبصورت لڑکیوں اور درختوں کو دیکھنے میں مصروف تھا۔ سوڈانی ٹیکسی ڈرائیور کی باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال رہا تھا۔ دریائے سین کا پل آگیا۔

ٹیکسی ڈرائیور نے گاڑی پل کے اوپر ڈالتے ہوئے کہا۔

"یہ دریا کی ایک شاخ ہے۔ دوسری شاخ پرانے پیرس کی دوسری طرف بہہ رہی ہے۔ اب ہم پرانے شہر میں داخل ہو رہے ہیں۔"

پل عبور کرنے کے بعد میں نے پہلی تبدیلی جو دیکھی وہ یہ تھی کہ یہاں زیادہ تر عمارتیں پرانی تھیں۔ ٹیکسی ڈرائیور کہنے لگا۔

"یہ بادشاہ لوئی کے زمانے کی عمارتیں ہیں۔"

اسکا مطلب تھا کہ یہ پندرھویں سولھویں صدی عیسوی کی عمارتیں تھیں۔ ان سب کا طرز تعمیر رومن تھا۔ ایک جانب مجھے بہت بڑے گرجا گھر کا

مخروطی مینار نظر آیا۔ میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے اسکے بارے میں پوچھا تو وہ بولا۔

"یہ پیرس کا مشہور اور پرانا گرجا نوترے ڈیم ہے۔"

مجھے بے اختیار فرانسیسی مصنف وکٹر ہیوگو کا مشہور کردار ہنچ بیک آف نوترے ڈیم یاد آ گیا۔ یہ کتاب بھی میں نے انگریزی ترجمے میں پڑھ رکھی تھی اور اسکی فلم بھی دیکھی ہوئی تھی جس میں ہنچ بیک کا کردار مشہور انگریزی اداکار چارلز لامنٹن نے کیا تھا۔ ہم جس سڑک پر جا رہے تھے اس کی دونوں جانب سفیدے کے ہرے بھرے درخت تھے۔

ٹیکسی ڈرائیور کہہ رہا تھا۔

"ہم دریا کے جس پل پر سے گزر کر آئے ہیں اس کا نام پوائنٹ نوف ہے۔"

میں نے اس سے پوچھا۔

"جہاں مجھے جانا ہے وہ جگہ کتنی دور ہے؟"

ٹیکسی ڈرائیور ہنسنے لگا۔ بولا۔

"وہ جگہ دریا کے اسی کنارے پر ہے۔ جس پر ہم جا رہے ہیں۔"

اس نے گاڑی ایک چھوٹی سڑک پر موڑ دی۔ یہاں سے جو علاقہ شروع ہوا اس پر ایک عجیب قسم کی ویرانی اور اداسی چھائی ہوئی تھی۔ بارش میں درخت بالکل ساکت کھڑے تھے۔ سڑک کی دونوں جانب گھاس اگ رہی تھی جسے کاٹا نہیں گیا تھا۔ ایک جانب درختوں کے درمیان سے کسی پرانی عمارت کی اونچی دیوار نظر آ رہی تھی جس کی منڈیر پر ایک درخت اگا ہوا تھا۔ سڑک خاموش اور خالی خالی تھی۔

ٹیکسی ڈرائیور نے گاڑی کی رفتار آہستہ کرلی تھی۔ کہنے لگا۔

"موسیو! ہم کین ڈی سیگرے کے قبرستان کے احاطے میں داخل ہو گئے ہیں۔"

اس سڑک کی ویرانی کا اداسی کا راز میری سمجھ میں آگیا تھا۔ ڈرائیور نے مجھ سے پوچھا کہ جس شارل نامی انڈر ٹیکر یعنی گورکن کے پاس مجھے جانا ہے۔ اسکا گھر کس جگہ پر ہے۔

میں نے کہا۔

"بھائی یہ تو مجھے بھی معلوم نہیں ہے۔ یہاں کسی سے پوچھ لو۔"

ٹیکسی ڈرائیور دائیں بائیں دیکھنے لگا۔

"موسیو! یہاں تو کوئی آدمی دکھائی نہیں دیتا۔ کس سے پوچھیں؟ ویسے کین ڈی سیگرے کا قبرستان یہی ہے۔"

بارش اب ہلکی ہلکی رم جھم کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ سامنے قبرستان کا گیٹ آگیا جس کی گوتھک طرز کی محراب کے اوپر صلیب لگی ہوئی تھی۔ ایک کالے رنگ کی گاڑی گیٹ میں سے نکل کر ہمارے قریب سے گزر گئی۔ اس کی کھڑکیوں کے شیشے بند تھے۔ اندر مجھے ایک عورت سیاہ لباس میں بیٹھی نظر آئی تھی۔

ٹیکسی ڈرائیوز نے گاڑی گیٹ کی طرف پارکنگ میں لے جاکر کھڑی کردی۔ پارکنگ کی باڑھ کے پیچھے ایک کاٹج تھا جس کی سرخ ڈھلوان چھت کی ایک جانب پھولدار بیل بارش میں بھیگ رہی تھی۔ سوڈانی ڈرائیور نے کہا۔

"میرا خیال ہے انڈر ٹیکر یہیں رہتا ہے۔ مجھے تم فارغ کردو۔"

میں نے اسکے جتنے فرانک بنتے تھے، دیئے اور وہ چلا گیا۔ میں آہستہ آہستہ چلتا کاٹج کے احاطے کے پاس آکر رک گیا۔ چھوٹے سے احاطے میں ایک جانب پرانے تابوت ایک دوسرے کے اوپر پڑے بارش میں بھیگ رہے تھے۔ لوہے کی تین کرسیاں اور میز سفیدے کے درخت کے نیچے رکھی تھیں جن کا سفید رنگ پھیکا ہو گیا ہوا تھا۔ ایک عورت کاٹج کا دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ ادھیڑ عمر کی گول مٹول سی عورت تھی۔ سر پر سفید سارومال بندھا تھا۔ گریبان میں ایپرن ڈال رکھا تھا۔ ہاتھ میں تسلا تھا۔ اس نے ایک طرف پودوں میں پانی پھینکا تو اسکی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ ایک اجنبی کو احاطے کے گیٹ میں دیکھ کر اسکے چہرے نے کسی قسم کے ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔ ایک بیزار سی نظر مجھ پر ڈالی اور اپنے شوہر شارل کا نام لے کر فرانسیسی میں کچھ کہا اور اندر چلی گئی۔

دوسرے لمحے اسی عمر کا ایک دبلا پتلا آدمی اپنے دونوں ہاتھ پتلون سے رگڑتا ہوا باہر آ گیا۔ میری طرف دیکھا اور پاس آکر فرنچ میں کچھ پوچھا۔ مجھے میرے لندن کے دوست فیروز نے بتا دیا تھا کہ شارل انگریزی زبان بول اور سمجھ لیتا ہے۔ میں نے اسے انگریزی میں بتایا کہ میں لندن سے آیا ہوں اور مجھے فیروز نے بھیجا ہے۔ مجھے شارل سے ملنا ہے۔ اس دبلے پتلے آدمی کے چہرے پر بھی ایک دائمی افسردگی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے اوپر سے نیچے تک مجھے دیکھا اور بولا۔

"میں ہی شارل ہوں۔ اندر آجاؤ۔"

وہ مجھے کاٹج کے اندر لے گیا چھوٹا سا ٹنگ کمرہ تھا جس میں پرانا میلا کچیلا صوفہ دیوار کے ساتھ لگا تھا۔ ایک بیضوی میز پر چینی اور تام چینی کے کچھ برتن پڑے تھے۔ کونے میں چھوٹا سا کچن تھا جس کا دروازہ کھلا اور مجھے وہی

وہی عورت جو پہلے باہر نکل تھی، چولہے پر کچھ پکاتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ کمرے کی فضامیں گوبھی اور کافی کی ملی جلی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ یعنی کبھی گوبھی کی خوشبو آجاتی اور کبھی کافی کی خوشبو آجاتی۔ میں صوفے پر اپنا سفری تھیلا رکھ کر بیٹھ گیا اور جیب سے اس کے نام لکھا ہوا فیروز کا رقع نکال کر دکھایا۔ شارل رقعہ پڑھنے لگا۔ اسکا چہرہ ایسے ساکت تھا جیسے وہ کچھ پڑھ نہیں رہا بلکہ سادہ کاغذ کو دیکھ رہا ہے۔ رقعے کو تہہ کر کے اپنی چیک قمیض کی جیب میں ڈالا اور بولا۔

"مجھے مسٹر فیروز نے تمہارے بارے میں ٹیلی فون کر کے بتا دیا تھا۔ تم نے ناشتہ کیا ہے؟"

میں نے بتایا کہ ابھی نہیں کیا۔ شارل نے بجھا ہوا سگار ایش ٹرے سے اٹھا کر سلگایا اور اپنی بیوی کو آواز دے کر فرنچ میں کچھ کہا۔ بیوی نے کوئی جواب نہ دیا۔ کونے والی چھوٹی سی میز پر کچھ بوتلیں اور پلاسٹک کا ڈول رکھا ہوا تھا۔ شارل ایک بوتل کھول کر اس میں سے کسی دوائی کے قطرے ڈالنے لگا۔ میری طرف دیکھے بغیر بولا:

"ہم میت پر چھڑکنے کے لئے پرفیوم خود ہی گھر پر بناتے ہیں۔ بازار میں یہ پرفیوم بڑا مہنگا ملتا ہے، یہ غریب میت کے لئے ہوتا ہے۔ امیر لوگ تو اپنے مردے کے لئے بڑا قیمتی پرفیوم خرید کر دے دیتے ہیں۔"

کمرے کی فضامیں جڑی بوٹیوں سے تیار کئے گئے غریبانہ پرفیوم کی بو بھی شامل ہو گئی۔

شارل کی بیوی نے بادل نخواستہ میز پر ناشتہ لگا دیا تھا۔ گھر میں تیار کئے گئے پھولے ہوئے چھوٹے چھوٹے بند تھے۔ ساتھ ٹھنڈے گوشت کے

ٹکڑے بھی تھے۔ میں نے شارل سے پوچھا کہ یہ سور کا یا جھٹکے کا گوشت تو نہیں ہے۔ وہ بولا :۔

"تم نہ کھاؤ۔ یہ سور کا گوشت ہے۔"

میں نے لندن کے ایئرپورٹ سے امریکی سگرٹوں کا ایک پیکٹ خرید لیا تھا۔ امریکی سگریٹ بڑے سخت ہوتے ہیں۔ میں کبھی کبھی یہ سخت سگریٹ بھی پیتا ہوں۔ میں نے جیب سے پیکٹ نکال کر امریکی سگریٹ سلگایا اور ہم موسم کی باتیں کرنے لگے۔ اتنے میں کچن میں سے شارل کی بیوی نے آواز دے کر فرانسیسی زبان میں کوئی بات کی۔ شارل نے بھی کوئی جواب دے دیا۔ وہ میری طرف متوجہ ہو کر بولا :

"میری بیوی تک تمہارے امریکی سگریٹ کا دھواں پہنچ گیا ہے۔ وہ پوچھ رہی ہے کہ یہ امریکی سگریٹ تم پی رہے ہو۔ میں نے اسے کہا کہ نہیں، مہمان پی رہا ہے۔ مجھے اجازت دو کہ میں اس میں سے ایک سگریٹ اسے کچن میں دے آؤں۔"

میں نے پیکٹ اس کے آگے کر دیا۔ شارل نے اس میں سے ایک سگریٹ نکالا اور کچن میں جا کر اپنی بیوی کو دے دیا۔ واپس میرے پاس آ کر کافی پیتے ہوئے بولا :

"میری بیوی تمہارا شکریہ ادا کر رہی ہے۔"

میں نے کہا :۔ "کوئی بات نہیں۔"

شارل نے مجھ سے پوچھا :

"تم کتنے دن یہاں رہو گے۔۔ تاکہ میں اتنے دنوں کا مزید راشن منگوا لوں۔"

میں نے کہا "تمہارے اور میرے مشترکہ دوست فیروز نے کہا تھا کہ شارل کے پاس چار چھ دنوں سے زیادہ نہ ٹھہرنا۔ میرا ارادہ بھی اتنے دن ہی ٹھہرنے کا ہے لیکن اس دوران مجھے شہر میں کوئی چھوٹا موٹا کام مل گیا تو میں فوراً یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

شارل کہنے لگا:۔ "پیرس میں لندن کے مقابلے میں کام ملنا اتنا آسان نہیں ہے۔ یہاں بڑی بیروزگاری پھیلی ہوئی ہے۔ روز بے روزگار مزدوروں کے جلوس نکلتے ہیں۔ تم فکر نہ کرو۔ میں تمہارے لئے کام تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔ تم بھی کوشش کرنا۔"

میں نے کہا:۔ "مجھے تم گائیڈ کرنا کہ کس جگہ کام مل سکتا ہے۔"

شارل نے سگار ہونٹوں سے الگ کرتے ہوئے کہا:

"میں بتا دوں گا۔"

شام کا اندھیرا ابھی پوری طرح نہیں پھیلا تھا کہ ایک میت تدفین کے لئے آ گئی۔ میت ایمبولینس والوں کی گاڑی میں رکھی تھی۔ پیچھے چار پانچ گاڑیاں تھے۔ شارل کہنے لگا:

"یہ ایک ریستوران کے مالک کی میت ہے۔ تمہارے آنے سے پہلے میں ان کے ہاں جاکر میت کا کفن تیار کر آیا تھا۔ کیا تم تدفین دیکھو گے؟ آؤ، میرے ساتھ۔"

شارل نے دو آدمیوں سے مل کر تابوت کو ایمبولینس میں سے نکالا۔ میت کے لواحقین سیاہ ماتمی لباس میں سوٹ بوٹ پہنے ہوئے تھے۔ عورتوں نے بھی سیاہ فراک اور سیاہ ہیٹ پہنے ہوئے تھے۔ سب کے چہرے سنجیدہ تھے۔ قبر پہلے سے تیار تھی۔ تابوت کو قبر کے پاس رکھ دیا گیا۔ مرنے والے کے ایک

رشتے دار نے اس کی خوبیوں کو یاد کر کے ایک مختصر سی تقریر کی۔ اس کے بعد پادری صاحب نے بائبل کھول کر پڑھی۔ تابوت کھلا تھا۔ میت بھی سوٹ بوٹ میں تھی۔ ٹائی لگی ہوئی تھی۔ پادری صاحب نے میت پر مقدس پانی چھڑ کا۔ سب نے میت کا آخری دیدار کیا۔ تابوت بند کر کے رسیوں کی مدد سے قبر میں اتار دیا گیا۔ شارل کے دو ملازم پھاوڑے سے قبر میں مٹی ڈالنے لگے۔ مرنے والے کے کچھ رشتے دار اور دوست بھی تھوڑی مٹی اٹھا کر قبر میں ڈالنے لگے۔ کچھ لوگ مرنے والے کی بیوہ سے اظہار تعزیت کر کے گاڑیوں میں بیٹھ کر چلے گئے۔ میت کے لواحقین وہیں کھڑے رہے۔ جب قبر تیار ہو گئی اور سرہانے کی جانب پتھر کی صلیب نصب کر دی گئی تو وہ لوگ بھی آنسو پونچھتے چلے گئے۔ میں شارل کے پاس کھڑا تھا۔ اس نے قبر کے چاروں طرف چل کر اسکا معائنہ کیا۔ فرانسیسی زبان میں اپنے دونوں ملازموں کو کچھ ہدایات دیں اور مجھے ساتھ لے کر واپس کاٹج کی طرف چلا۔

یہ قبرستان بھی یورپ کے دوسرے شہروں کے قبرستانوں کی طرح بڑا صاف ستھرا اور سرسبز تھا۔ قبریں بڑی ترتیب سے بنی ہوئی تھیں۔ کسی قبر پر بچے کا مجسمہ تھا، تو کسی قبر پر پروں والی عورت کا مجسمہ لگا ہوا تھا۔ بعض قبروں پر پتھر کے گلدانوں میں گلاب کے پھول سج رہے تھے۔ جگہ جگہ اونچے گھنے درخت سایہ کئے ہوئے تھے۔ مجھے قبرستانوں کی خاموشی بڑی اچھی لگتی ہے۔ یورپ کے قبرستان تو مجھے ہمیشہ بڑے رومانٹک لگے ہیں۔ اپنے وطن میں بھی میرا معمول رہا ہے کہ ہفتے میں ایک دن قبرستان ضرور جاتا ہوں اور جا کر مرنے والوں کی روحوں کو ثواب پہنچانے کے لئے فاتحہ پڑھتا ہوں۔ اور پھر قبرستان کے کسی درخت کے نیچے یا کسی بھی قبر کے پاس بیٹھ جاتا ہوں اور

درختوں پر چڑیوں کو ادھر ادھر چہچہاتے اور قبروں پر اگے ہوئے سوکھے گھاس کو تکتا رہتا ہوں۔ دل میں بہت سے خیال آتے ہیں کہ یہ لوگ جو یہاں ابدی نیند سو رہے ہیں کیسی کیسی زندگی بسر کرتے ہوں گے۔ ان کے قہقہے دوستوں کی محفلوں میں گونجتے ہوں گے' ان کی مائیں' بہنیں' بیویاں' بچے ان سے کس قدر پیار کرتے ہوں گے۔ یہ بھی انہیں دیکھ کر کس قدر خوش ہوتے ہوں گے۔ اب یہ زمین کے نیچے خاموش پڑے ہیں۔ اس قسم کے خیالات سے میرے دل پر ایک افسردگی سی چھا جاتی۔ اس افسردگی میں موت کے خوف کی بجائے ایک قسم کی رومانیت کا احساس ہوتا۔ بس مجھے یہ رومانوی افسردگی پسند تھی اور یہی چیز مجھے قبرستانوں میں لے جاتی تھی۔ اور جو قبرستان کسی باغ کی طرح سرسبز اور خوبصورت ہو' وہاں تو میرا بڑا دل لگتا ہے۔ لندن کے ویسٹ منسٹر' ایبے' کے قبرستان میں اکثر جا کر بیٹھ جاتا تھا۔ چنانچہ مجھے شارل انڈر ٹیکر کا قبرستان بھی بڑا اچھا لگا۔

رات کو میرے لئے کاٹج کے ساتھ ہی جو ایک لکڑی کا کھوکھا سا بنا ہوا تھا' وہاں ایک کیمپ کارٹ ڈال دی گئی۔ شارل نے کہا:۔

"آئی ایم سوری! میں تمہیں سونے کے لئے یہی جگہ پیش کر سکتا ہوں۔"

خدا کا شکر ہے کہ بستر کی چادریں اور تکیہ صاف ستھرا تھا۔ یورپ میں یہ جولائی کا موسم تھا۔ رات کو ٹھنڈ ہو گئی۔ میں کمبل اوپر کر کے سو گیا۔

دوسرے دن شارل نے مجھے روزگار کے دفتر کا پتہ لکھ کر دیا۔ بس کا نمبر بھی بتایا اور کہا:۔

"وہاں تمہیں شاید کوئی کام مل جائے۔ اگرچہ اس کی امید کم ہے۔"

میں قبرستان سے نکل کر بڑی سڑک پر آکر بس سٹاپ پر کھڑا ہو گیا۔
جب اس نمبر کی بس آئی جو مجھے شارل نے بتایا تھا تو میں اس میں بیٹھ گیا۔ بڑی
آرام دہ صاف ستھری بس تھی۔ ہر عمر کی گوری فرنچ عورتیں مرد بس میں بیٹھے
تھے۔ ایک دو نیگرو بھی نظر آئے۔ میں ایک لڑکی کی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔
اس لڑکی نے کھلے گریبان کی ٹی شرٹ اور جینز پہنی ہوئی تھی۔ لڑکی میری
طرف دیکھ کر ذرا سی مسکرائی۔ میں بھی ذرا سا مسکرایا۔ لڑکی کھڑکی میں سے
باہر دیکھنے لگی۔ یورپ میں یہ ایک معمول کی بات ہوتی ہے۔ شروع شروع میں
ترقی پذیر ملکوں کے نوجوان یہاں آکر جب ایک لڑکی کو اپنی طرف مسکراتے
ہوئے دیکھتے ہیں تو وہ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ لڑکی ان کے ساتھ پھنس گئی ہے۔ اس
خیال کو ذہن میں رکھ کر جب وہ ذرا آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں تو لڑکی
ان کی پٹائی کر دیتی ہے۔ میں اس راز سے واقف تھا۔ چنانچہ میں خاموشی سے
سیٹ پر بیٹھا رہا۔

بس پرانے پیرس شہر کے بازاروں میں داخل ہو گئی تھی۔ جس سٹاپ
کا نام مجھے شارل نے بتایا تھا' میں وہاں اتر گیا اور پتھروں کو جوڑ کر بنائے ہوئے
فٹ پاتھ پر ایک طرف چل پڑا۔ بڑی مشکل سے ایک انگریزی جاننے والا
آدمی ملا۔ اس سے دفتر روزگار کا پوچھا اور وہاں پہنچ گیا۔ یہ سارا علاقہ کچھ اتنا
صاف ستھرا نہیں تھا۔ گلیوں میں بچے فٹ بال کھیل رہے تھے۔ ادھر ادھر کاغذ
اڑتے پھرتے تھے۔ پرانی طرز کے بنے ہوئے مکانوں کی گیلریوں میں کپڑے
سکھانے کے لئے لٹکے ہوئے تھے۔ بارش رات کو ہی رک گئی تھی۔

روزگار کا دفتر بھی مجھے گندا سا لگا۔ ایک گنجا آدمی کھڑکی کے پیچھے بڑا
سا رجسٹر کھولے بیٹھا تھا۔ بے روزگاروں کی قطار لگی تھی۔ میں بھی قطار میں

کھڑا ہو گیا۔ جب میری باری آئی تو گنجے آدمی نے میری طرف دیکھے بغیر فرانسیسی زبان میں کچھ پوچھا۔ میں نے انگریزی میں کہا کہ میں فرانسیسی نہیں بول سکتا۔ لندن سے پیرس کی سیرو سیاحت کو آیا ہوں۔ چاہتا ہوں جتنے دن یہاں رہنا ہے' یہاں کوئی کام مل جائے۔ تاکہ میرا خرچہ نکل آئے۔ وہ آدمی انگریزی جانتا تھا۔ کہنے لگا:

"ابھی کوئی کام نہیں ہے۔ ایک مہینے بعد آنا' آگے سے ہٹ جاؤ۔"

میں ایک طرف ہٹ گیا۔ میری جگہ دوسرا آدمی آکر کھڑا ہو گیا۔ اس شخص نے بڑے روکھے پن سے مجھے صاف انکار کر دیا تھا۔ خیر یورپ کے لوگوں کی کاروباری سرد مہری میرے لئے کوئی اجنبی شے نہیں تھی۔ لندن میں' میں اسکا عادی ہو چکا تھا۔ خاموشی سے فٹ پاتھ پر ایک طرف چلنے لگا۔ پرانے پیرس کی گلیاں اور بازار اور جھکے ہوئے چھجوں اور گیلریوں والے پرانے مکان دیکھ کر مجھے اٹلی اور سپین کے گلی کوچے یاد آگئے۔ سپین کے گلی کوچوں اور پرانے پیرس کے گلی کوچوں میں صرف ایک فرق تھا کہ یہاں پیرس کے مکانوں کے ستون رومن طرز کے بھاری اور موٹے تھے' جبکہ سپین کے گلی کوچوں اور عمارات کے ستون ستواں اور پتلے تھے۔ پیرس پر یونانی اور رومن طرز تعمیر کا زیادہ اثر تھا۔ اسکی وجہ یہی تھی کہ رومیوں نے کئی سو سال تک یہاں حکومت کی تھی اور یورپ کا یہ سارا علاقہ ان کے قبضے میں رہ چکا تھا۔ رومیوں سے پہلے یہاں یونانیوں کی حکومت تھی۔ جب یونانیوں کی حکومت کمزور ہوئی اور رومن ایمپائر عروج پر آئی تو یہ علاقہ رومیوں کے قبضے میں چلا گیا۔

میں پرانے پیرس کی گلیوں اور بازاروں کی سیر کرتا دریائے سین کی طرف نکل گیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آگے دریا آجائے گا۔ یہ دریائے سین کی دوسری شاخ تھی۔ پرانے پیرس کو دریائے سین سے نکلنے والی دو شاخوں نے اپنی آغوش میں لے رکھا ہے۔ سین کا دریا کوئی ہمارے دریائے چناب' جہلم یا راوی کی طرح نہیں ہے کہ جدھر منہ اٹھا' بڑھنے لگا اور پھیلتا ہی چلا گیا۔ دریائے سین کا پاٹ بہت چھوٹا ہے اور اونچے پختہ کناروں کے اندر ایک کشادہ ندی کی طرح بہتا ہے۔ جس میں موٹر کشتیاں' سٹیمر اور دریائی بسیں چلتی ہیں۔ دریا کے دونوں کناروں پر سفیدے کے درختوں کی قطاریں دور تک چلی گئی ہیں۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بیٹھنے کے لئے بنچ رکھے ہوئے ہیں۔

مجھے کوئی خبر نہیں تھی کہ پرانے پیرس شہر کی ایک گلی میں سے نکلوں گا تو سامنے دریا کا کنارا آجائے گا۔ دریا کو دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ یہ وہ دریا ہے جس کی تعریف میں فرانس کے ادیبوں نے خاص طور پر کتابوں' افسانوں اور شعروں میں کی ہے۔ فرانس کے مصوروں نے اسے اپنے کینوس پر پینٹ کیا ہے اور اسے بہار خزاں اور موسم سرما کی برف باری میں دکھایا ہے۔ دریائے سین بھی اپنی لہروں میں دریائے راوی کی طرح سینکڑوں برس کی تاریخ کے ورثے کو چھپائے بہہ رہا ہے۔ میں کچھ دیر دریا کے کنارے پر درختوں کے نیچے ٹہلتا رہا۔ دریا کے پہلو میں ایک خوشنما پارک تھا جہاں ابر آلود دن کی ٹھنڈی خوشگوار روشنی میں سبزہ اور زیادہ سرسبز ہو گیا تھا۔ جگہ جگہ پھولوں کے قطعے بنے ہوئے تھے۔ بڑے بوڑھے پارک کے بنچوں پر پرانے ہیٹ سروں پر جمائے بیٹھے پائپ پیتے ہوئے

ایک دوسرے سے محو گفتگو تھے۔ کچھ بچے کھیل رہے تھے۔ پارک کی دوسری روش پر چند ایک مرد اور خواتین سیاح نیکریں پہنے تھیلے لٹکائے سروں پر تنکوں کے ہیٹ رکھے بے فکری سے سیر کر رہے تھے۔ مجھے یہ نظارہ بے حد اچھا لگا۔

میں بھی ایک درخت کے نیچے خالی بنچ پر بیٹھ گیا۔ دور درختوں اور عمارتوں کے بیچ میں سے نوترے ڈیم کے گرجاگھر کا گنبد نظر آرہا تھا۔ میں نے سگریٹ سلگالیا اور سوچنے لگا کہ اگر ہفتے کے اندر اندر مجھے پیرس میں کوئی کام نہ مل سکا تو پھر کیا کروں گا۔ شارل کے مکان سے تو مجھے بہرحال نکل جانا پڑے گا۔ پھر کہاں جاؤں گا۔ یہ پاکستان نہیں ہے کہ جہاں آدمی مہمان بن کر مہینہ مہینہ بھر گذار سکتا ہے۔ یہاں بھی لندن' اٹلی اور یورپ کے دوسرے شہروں کی طرح زندگی مشین کی طرح چلتی ہے۔ ہر آدمی بمشکل اپنا بوجھ سنبھال کر چل رہا ہے۔ کسی دوسرے کا بوجھ اٹھانے کا یہاں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی لئے مجھے شارل نے آتے ہی صاف لفظوں میں پوچھ لیا تھا کہ میں کتنے دن اس کے پاس ٹھہروں گا۔ اور یہ کہ وہ چھ سات روز تک ہی مجھے اپنے ہاں ٹھہرا سکے گا۔ یہ بھی اس کی بڑی خاص عنایت تھی کہ وہ چھ سات روز تک میرا خرچہ برداشت کرلے گا۔

میں نے سوچا کہ اگر کہیں کام نہ ملا تو میں بندرگاہ پر جاکر جہازوں پر سامان لادنے کا کام کرنا شروع کردوں گا۔ اس قسم کی مزدوری تو مل ہی جائے گی' خواہ ایک دو مہینے کے لئے ہی سہی۔ میں انہی پریشان کردینے والے خیالات میں گم بنچ پر بیٹھا سگریٹ پھونک رہا تھا کہ ایک نوجوان لڑکی میرے بنچ کے دوسرے کنارے پر آکر بیٹھ گئی۔ میں نے اسے ایک نظر دیکھا۔ اس نے

نائیلون کی باریک براؤن جرابیں گھٹنوں سے اوپر تک پہنی ہوئی تھیں۔ پاؤں میں سرخ رنگ کی گرگابی تھی۔ اوپر صرف ایک تنگ سی نیکر پہن رکھی تھی اور نیکر کے اوپر بغیر آستین کے کھلے گریبان والی سلک کی قمیض تھی۔ گولڈن بال سرخ ربن سے بندھے ہوئے تھے۔ کانوں میں سرخ پتھر کے بندے اور گلے میں سنہری نیکلس تھا جو اس کے کھلے گریبان سے ذرا اوپر تک آیا ہوا تھا۔ ناخنوں پر سنہری نیل پالش چمک رہا تھا۔ سرخ پرس اس کے بازو سے لٹکا ہوا تھا۔ وہ سگریٹ پی رہی تھی۔ وہ کافی میک اپ کیئے ہوئے تھی۔

میری شاطر نگاہوں نے چند ثانیوں میں اس کے پورے جسم کا جائزہ لے لیا۔ اس کے بعد میں دوسری طرف دیکھنے لگا۔ کیونکہ یہاں عورتوں کو گھور گھور کر دیکھنا اور دیکھتے ہی چلے جانا انتہائی معیوب سمجھا جاتا ہے اور یہاں کی کوئی طوائف بھی اس حرکت کو پسند نہیں کرتی۔ لڑکی کا رنگ گورا اور سرخ تھا۔ وہ نوجوان تھی اور خوبصورت بھی لگ رہی تھی۔ ویسے تو مجھے اس زمانے میں اس عمر کی ہر عورت خوبصورت لگتی تھی مگر اس لڑکی کی شخصیت اور چہرے کے نقوش میں ایک قسم کی جاذبیت تھی۔ بہرحال میں نے چند لمحے اس کے بارے میں تھوڑا سا سوچا اور اس کے بعد پھر اپنے خیالوں میں کھو گیا۔ کیونکہ اس قسم کے تیز میک اپ اور نیم عریاں لباسوں والی لڑکیاں تو پیرس میں ہر جگہ نظر آجاتی تھیں۔ اب یاد آیا۔ اس لڑکی نے بڑا تیز قسم کا کوئی پرفیوم لگایا ہوا تھا۔ اس کی طرف سے کبھی کبھی تیز خوشبو کا جھونکا بھی آجاتا تھا۔ وہ چیونگم چبا رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ ایک بار اس نے بھی میری طرف دیکھا اور پھر اپنے دھیان میں چیونگم چبانے اور سگریٹ کے کش لگانے لگی۔

میں سمجھ گیا کہ وہ یہاں کسی کا انتظار کر رہی ہے۔ پارک کی دوسری جانب سرخ بسیں اور گاڑیاں جاتی نظر آ رہی تھیں۔ آسمان پر اسی طرح بادل چھائے ہوئے تھے۔ بوندا باندی کل رات کی رکی ہوئی تھی۔ اچانک اس لڑکی نے فرانسیسی زبان میں مجھ سے کوئی بات کی۔ میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا اور انگریزی میں کہا:

"میں فرنچ زبان نہیں سمجھتا۔"

وہ کھسک کر میرے قریب آگئی اور مسکراتے ہوئے انگریزی میں مجھ سے پوچھا:

"موسیو کیا تم ایشیائی ہو۔"

میں نے کہا: "ہاں میں پاکستانی ہوں۔ لندن سے پیرس کی سیر و سیاحت کو آیا ہوں۔"

وہ خوش ہو کر بولی:

"تم ٹورسٹ ہو؟"

اور پھر بڑی گرمجوشی سے میرے ساتھ ہاتھ ملا کر بولی:

"موسیو! میں بڑی اچھی گائیڈ ہوں۔ میں نے تم سے فرنچ میں یہی پوچھا تھا کہ کیا تم ٹورسٹ ہو۔ موسیو! تم مجھے پچاس فرانک دے دینا۔ ٹیکسی بس کا خرچہ تمہارا ہو گا' میں تمہیں پرانے پیرس میں سینٹ لوئی کا محل دکھاؤں گی۔ تمہیں کین ڈی سگرے کا محل بھی دکھاؤں گی جہاں وہ قید خانہ ہے کہ جس میں میری اینٹی لوئی کو انقلاب فرانس میں قید کیا گیا تھا۔"

وہ ایک تربیت یافتہ گائیڈ کی طرح مجھ سے گفتگو کر رہی تھی۔ اور میری حریص نظریں اس کے سراپا کا جائزہ لے رہی تھیں۔ کیا کرتا' ان دنوں

میرا مزاج ہی گناہ گاروں جیسا تھا' گناہ کرتا تھا' توبہ کرتا تھا۔ پھر گناہ کرتا تھا' پھر خضوع و خشوع سے توبہ کرنے لگتا تھا۔ اس وقت مجھ پر گناہ کی شیطانیت سوار تھی۔ میں نے اسی وقت دماغ میں حساب لگایا کہ میری جیب میں کتنے فرانک ہیں اور اگر میں اسے پچاس فرانک دے دوں اور کرایہ وغیرہ کے بھی اس میں سے پچاس فرانک کاٹ لئے جائیں تو میرے پاس کتنے فرانک باقی بچیں گے۔ شیطان نے کہا۔ پاگل ہوگئے ہو' یہ حساب کتاب کرنے کا وقت نہیں ہے۔ یہ عمل کرنے کا وقت ہے۔ یہ گھڑی پھر نصیب نہ ہوگی۔ فرانک تو آتے جاتے رہیں گے۔ میں نے شیطان سے فوراً کہا۔۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔۔ چنانچہ میں نے اسی وقت جیب میں ہاتھ ڈالا۔ ایک کمینے تماش بین کی طرح جیب کے اندر ہی اندر انگلیوں سے پچاس فرانک کا نوٹ نکال کر اس لڑکی کو دے دیا اور کہا:

"یلو پچاس فرانک اور مجھے پیرس کی سیر کراؤ۔"

پچاس فرانک لے کر اس نے جلدی سے اپنے پرس میں رکھے' سگریٹ کو پھینک کر پاؤں سے مسلا۔ پرس کاندھے پر ڈالا اور اپنی شرٹ کو نیچے کھینچتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ بڑی خوش تھی۔ کہنے لگی:

"آؤ۔ میرے ساتھ آؤ۔"

اب میں نے دیکھا کہ اسکا قد سرو کا بوٹا تھا۔ بالکل فرانسیسی اداکارہ برجی باردت کی طرح لگ رہی تھی۔ انگریزی اسے زیادہ نہیں آتی تھی مگر اپنا مقصد بیان کر دیتی تھی۔ انگریزی مجھے بھی زیادہ نہیں آتی تھی اور میں بھی اپنا مقصد بیان کر دیتا تھا۔ اور اب تو ہمیں ایک دوسرے کو اپنا مقصد بیان کرنے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ ہم دونوں ایک دوسرے کا مقصد بخوبی سمجھ

گئے تھے۔ چلتے چلتے میں نے کنکھیوں سے اسکی طرف دیکھا۔ اس کی چال لاپروا اور لاابالی دوشیزاؤں والی تھی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی مگر گورکن شارل کے نیم مردہ ماحول سے تو نجات ملی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں تابوت میں سے نکل کر پیرس کی رنگین فضاؤں میں آگیا ہوں۔ اس حسین دوشیزہ کے ساتھ چلتے ہوئے مجھے یقین ہو رہا تھا کہ میں واقعی پیرس میں ہوں۔

وہ چلتے ہوئے انگریزی میں مجھے پیرس کے بارے میں بتاتی بھی جارہی تھی کہ یہاں رات کو فلاں علاقے میں مت جانا۔ وہاں غنڈے تمہیں لوٹ لیں گے۔ تمہارے پاس کچھ نہ نکلا تو تمہیں چاقو مار کر بھاگ جائیں گے۔ ہم دریائے سین کے ایک چھوٹے سے پل پر آئے تو وہ ایک ماہر گائیڈ کی طرح ایک طرف اشارہ کر کے بولی:

"دریائے سین پر اس قسم کے بے شمار پل بنے ہوئے ہیں۔ پیرس کا یہ پرانا شہر ہی اصل پیرس ہے۔ اسے رومنوں نے آباد کیا تھا۔ لوئی فورٹینتھ کے عہد میں پیرس شہر اپنے عروج پر تھا۔"

میں نے اس سے پال گوگین اور فرانسیسی شاعر باڈلیئر کے بارے میں پوچھا کہ یہاں وہ کس جگہ رہا کرتے تھے۔ اس نے سگریٹ سلگا کر دھواں اڑاتے ہوئے میری طرف آنکھیں جھپکا کر دیکھا اور پوچھا:

"یہ کون تھے؟ اچھا اچھا وہ جو پینٹر تھا' گوگاں گوگاں۔۔ ہاں ہاں۔ خدا جانے وہ کہاں رہتا تھا۔ یہ تو سو سال پہلے کی بات ہے۔"

اس نے مجھے امریکی سگریٹ پیتے دیکھ لیا تھا۔ اپنا سگریٹ دریا میں پھینک کر بولی:

"مجھے اپنا امریکی سگریٹ دو۔ فرانس کے سگریٹ بڑے پھیکے ہوتے ہیں۔"

میں نے امریکی سگریٹ کا پیکٹ کھول کر اس کے آگے کیا۔ اس نے پیکٹ ہاتھ میں لے لیا۔ ایک سگریٹ نکال کر سلگایا۔ ایک سگریٹ مجھے سلگا کر دیا اور باقی پیکٹ اپنی نیکر کی جیب میں ٹھونستے ہوئے بولی:

"تم دوسرا پیکٹ خرید لینا۔"

اب ہم پرانے پیرس کے جس علاقے میں آ گئے تھے' وہاں کی عمارتیں زیادہ تر سولہویں اور ستارہویں صدی کی تھیں۔ کوئی عمارت پرانا محل لگتا تھا۔ اور کوئی کسی قلعے کا حصہ معلوم ہوتی تھی۔ میں نے اس لڑکی سے پوچھا:

"تم نے ابھی تک مجھے اپنا نام ہی نہیں بتایا۔"

وہ کھڑی ہو کر میری طرف دیکھ کر زور سے ہنسی۔ بولی:

"میرا نام بلانشے ہے۔ ماریا بلانشے۔ میرے ماں باپ فرانس کے رہنے والے تھے۔ میں فرانس کی ایک کاؤنٹی ڈی فارینی میں پیدا ہوئی تھی۔ تمہارا نام کیا ہے۔ تم نے بھی مجھے اپنا نام نہیں بتایا۔"

میں نے اپنا اصلی نام بتانے کی بجائے اسے ایک فرضی نام بتاتے ہوئے کہا:۔"میرا نام یعقوب ہے۔"

اس نے میرا نام دو تین بار دہراتے ہوئے کہا:

"جاکوب۔ جیکب۔ میں تمہیں جیکی کہوں تو تم برا تو نہیں مانو گے؟"

میں نے کہا:۔"اس میں برا ماننے والی کونسی بات ہے۔"

ہم دونوں ایک پرانی عمارت کے پاس فٹ پاتھ پر کھڑے کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ سڑک پر بہت کم ٹریفک تھی۔ فٹ پاتھ پر بھی کوئی کوئی آدمی ہی گذرتا تھا۔ اس نے ہنستے ہوئے میرے ساتھ ہاتھ ملایا۔

"ویری گڈ۔ موسیو جیکی! جیکی!"

اس نے ایک ہلکا سا نقرئی قہقہہ لگایا۔ شیطان نے مجھے چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا تھا۔ اس لڑکی کے قہقہے میں ہی گھنٹیوں کی مترنم آواز نہیں تھی بلکہ اس کے دانت بھی بڑے خوبصورت تھے۔ تھوڑی سی عیاشی میں بہت زیادہ خوش ہو جانے والے میرے ایسے نوجوان کی خدمت میں پیرس کا شہر جو کچھ پیش کر سکتا تھا' اس نے پیش کر دیا تھا۔ مجھے اور کیا چاہیے تھا۔ باقی وائن کی کسر رہ گئی تھی اور پیرس مین اسکا بھی ایک دریائے سین بہہ رہا تھا۔

ہم آگے چل پڑے۔ میں نے ایک پرانی عمارت کی طرف اشارہ کر کے اس سے پوچھا:

"یہ عمارت کیا ہے؟"

بلانشے نے سر اٹھا کر عمارت کو دیکھا۔ ہونٹوں کو تھوڑا سا سکیڑا اور بولی:

"فارگٹ اٹ۔ خدا جانے کس احمق نے یہ محل یا قلعہ بنایا ہو گا۔ چلو کسی جگہ بیٹھ کر تھوڑا کھاتے پیتے ہیں۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ مگر بل تم ادا کرو گے۔"

میں نے کہا:۔ "لیکن بل زیادہ نہیں ہونا چاہئے' میں ایک غریب ٹورسٹ ہوں۔"

بلانشے بڑی ادا سے مسکرائی۔ ہم مشرقی نوجوانوں کو ایک تو عورتوں کی اداؤں نے مار دیا ہوا ہے۔ ہمیں ہر عورت میں ادائیں ہی ادائیں دکھائی دیتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری عورتیں بے چاری اللہ میاں کی گائیاں ہیں۔ بنیادی طور پر اتنی شریف ہوتی ہیں کہ ہمیں بڑی مشکل سے ان میں ادائیں تلاش کرنی پڑتی ہیں۔ حالانکہ اس کے مقابلے میں یورپ کی عورتوں میں ادائیں نظر نہیں آتیں۔ لیکن یقین کریں جب وہ کوئی ادا دکھاتی ہیں تو آدمی، خاص طور پر نوجوان آدمی جامے سے باہر ہو جاتا ہے۔ میں آپ کو آگے چل کر بتاؤں گا کہ اس فرانسیسی دوشیزہ بلانشے نے مجھے اس بارے میں کیا کیا معلومات بہم پہنچائیں۔

کہنے لگی :۔ ''نو پرابلم موسیو! ہم کیفے دوجاں میں چلتے ہیں۔''

کیفے دوجاں پرانے پیرس کی ایک خاموش اور ویران سی گلی میں تھا۔ باہر نیلے رنگ کا ایک چھوٹا سا چوکور بورڈ لگا تھا جس پر سولھویں صدی کے رومن رسم الخط میں صرف ''دوجاں'' لکھا تھا۔ کیفے کا پہلا دروازہ جالی دار تھا ۔دوسرا دروازہ شیشے کا تھا۔ شیشے کا دروازہ کھول کر ہم اندر داخل ہوئے تو مغربی موسیقی کی دھیمی رومانوی لہروں نے ہمارا خیر مقدم کیا۔ کیفے کی فضا ٹھنڈی ٹھنڈی تھی۔ اندر ائر کنڈیشنر چل رہے تھے۔ پیرس کی مختلف قسم کے پرفیومز اور کلونوں کی خوشبوؤں، تمباکو کی بو اور وائن اور وسکی کی بو سے فضا بوجھل اور آلودہ ہو رہی تھی۔ لیکن مجھے یہ بوجھل فضا اچھی لگی۔ اس فضا میں پہنچتے ہی میں اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا۔ ادھر ادھر میزوں کے گرد لڑکے لڑکیاں بیٹھے بیئر پی رہے تھے اور کھا پی رہے تھے۔ کاؤنٹر شیشے کی طرح چمک رہا تھا۔ کونے میں کرسٹل کے گلاس الٹے رکھے ہوئے تھے۔ ایک موٹا

سرخ و سفید فرانسیسی ایپرن باندھے گاہکوں کے لئے مشروب تیار کرنے میں مصروف تھا۔ پیچھے الماری میں انواع و اقسام کے یورپ کے بہترین مشروب کی بوتلیں جھلک رہی تھیں۔ ہم ایک نیم روشن کونے والی ٹیبل کے گرد بیٹھ گئے۔ ہماری ٹیبل سے کوئی دس فٹ کے فاصلے پر دوسری ٹیبل پر بیٹھا جوڑا ادھر ادھر سے بے نیاز راز و نیاز کر رہا تھا۔ میرے لئے یہ منظر اب اتنا ہیجان خیز نہیں رہا تھا۔ اٹلی، سپین اور لندن کے شہروں میں، میں جگہ جگہ ایسے منظر بلکہ اس سے بھی زیادہ ہیجان خیز منظر مکانوں کے دروازوں اور گلیوں کے کونوں اور پارک کے بنچوں پر دیکھ چکا تھا۔ اس وقت میری ساری توجہ اپنی گائیڈ بلانشے کی طرف تھی، جو میرے لئے اس وقت پیرس کی حسین راتوں کی تمام رنگینیوں کا مرکز تھی۔ جہاں ہم بیٹھے تھے، وہاں روشنی بہت کم تھی۔ اندھیرا اندھیرا سا تھا۔ کیفے میں ویسے بھی اندھیرا اندھیرا سا چھایا ہوا تھا۔ خوشبوؤں اور موسیقی کی لہروں میں یہ بالکل ایک خواب کا سا منظر تھا۔ حالانکہ یہ پیرس کا ایک سستا قسم کا کیفے تھا۔ بلانشے نے میز پر سے رنگین کارڈ اٹھا کر اسے پڑھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:

"تم کیا پسند کرو گے؟"

اتنے میں ویٹر آ گیا۔

"یس مادام۔"

وہ فرانسیسی زبان میں بلانشے سے پوچھنے لگا کہ وہ کیا پسند کریں گی۔ میں نے بلانشے سے انگریزی میں کہا:

"میرے لئے فش فنگرز منگوالو۔"

ویٹر میری طرف دیکھ کر مسکرایا:

"موسیو انگلش!"

میں نے کہا:۔"نو۔۔۔موسیو' پاکستانی۔"

بلانشے نے فرنچ میں اسے کچھ آرڈر دیا۔ ویٹر بار بار سر جھٹکتے ہوئے چلا گیا۔ بلانشے نے جیب سے میرے والا سگریٹ کا پیکٹ اور اپنا سرخ لائیٹر نکال کر میز پر رکھ دیا۔ اس میں سے ایک سگریٹ نکال کر سلگایا اور پیکٹ میری طرف بڑھا کر بولی:

"کیا تم نہیں پیو گے جیکی؟"

میں نے بھی ایک سگریٹ سلگا لیا۔ یہاں ہم نے بیئر کا ایک ایک گلاس پیا۔ اپنی پسند کے سنیکس کھائے۔ بل زیادہ نہیں تھا۔ کیفے دوجاں سے نکلے تو بلانشے نے کہا:

"یہاں سے ہم ڈی سیگرے کے محل کا قید خانہ دیکھنے چلیں گے جو انقلاب فرانس کی یادگار ہے۔"

مگر میں پیرس کا وہ عجائب گھر دیکھنے کو بے تاب تھا جہاں دنیا کے بڑے مصوروں اور سنگ تراشوں کے شاہکار موجود ہیں، جس عجائب گھر یا میوزیم کا نام "لو" میں نے کتابوں میں بھی پڑھا تھا اور اس کی بڑی شہرت بھی سن رکھی تھی۔

بلانشے نے کوئی اعتراض نہ کیا۔

ہم وہاں سے دریائے سین کے ڈی سیگرے والے پل پر سے گذر کر دریا کے بڑے کنارے پر چلنے لگے۔ بلانشے مجھے پیرس کے اس مشہور دریا کی تاریخ بھی بتاتی جا رہی تھی۔۔۔

"اس دریا نے تاریخ کے بڑے اتار چڑھاؤ دیکھے ہیں' اس دریا نے پہلے یونانی فوجوں کو اور اس کے بعد رومن فوجوں کو اپنے کناروں پر مارچ کرتے پیرس شہر میں داخل ہوتے دیکھا ہے۔ سیکنڈ ورلڈ وار میں جرمن فوجیں بھی فاتحانہ انداز میں اسی دریا کے پلوں پر سے گذر کر پیرس میں داخل ہوئی تھیں۔"

میں نے بلانشے سے کہا کہ فرانس کے لوگ بڑے بہادر ہیں۔ انہوں نے مزاحمتی تحریک کی شکل میں دوسری جنگ عظیم میں بے مثال قربانیاں دی ہیں۔ بلانشے اپنے اہل وطن کی تعریف سن کر بڑی خوش ہوئی۔ کہنے لگی:

"میں ان دنوں ابھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ مگر میری ماما ڈیڈی مجھے جنگ کی بڑی باتیں سنایا کرتے تھے۔ یہاں کے مزاحمتی گروپ کے بہادروں کی ایک یادگار بھی بنائی ہوئی ہے۔ میں تمہیں وہاں بھی لے چلوں گی۔"

ہم اب ماڈرن پیرس میں داخل ہو رہے تھے۔ پیرس کا مشہور زمانہ ای فل ٹاور تو شہر کے ہر علاقے سے دکھائی دیتا ہے۔ یہاں اس کا رخ بڑا نمایاں تھا۔ میں نے ای فل ٹاور پر چڑھ کر اس کے اوپر والے کیفے میں کافی پینے کی خواہش کا اظہار کیا تو بلانشے نے مسکرا کر کہا:

"جیکی ڈیئر! تم ایک دن میں سارا پیرس نہیں دیکھ سکتے۔ اگر تم مجھے میری فیس ادا کرتے رہے تو میں تمہارے ساتھ رہوں گی اور تمہیں سارا پیرس دکھاؤں گی۔"

ایک چوک سے ہم سیڑھیاں اتر کر زمین دوز ریلوے ٹرین کے پلیٹ فارم پر آگئے۔ یہاں سے ہم ٹیوب ٹرین میں بیٹھ گئے۔ لندن کے مقابلے میں پیرس کی زمین کے اندر چلنے والی ٹرینیں زیادہ صاف ستھری تھیں۔

مسافروں میں لمبے لمبے بالوں والے آرٹسٹ ٹائپ کے کچھ نوجوان اور لڑکیاں بھی بیٹھی تھیں۔ لڑکیوں نے صرف بنیانیں اور نیکریں پہنی ہوئی تھیں۔ اس زمین دوز ٹرین نے ہمیں دریائے سین کے شمالی کنارے پر پہنچادیا۔ پیرس کے مشہور میوزیم "لو" کی بلند و بالا قدیم طرز کی پر شکوہ عمارت ہمارے سامنے تھی۔ بلانشے کہنے لگی:

"مڈل ایجز (قرون وسطیٰ) میں یہ عمارت ایک شاہی محل تھا۔ انقلاب فرانس کے بعد اسے میوزیم میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔"

ہم بھی دوسرے سیاحوں کے ساتھ ٹکٹ لے کر میوزیم میں داخل ہوگئے۔ بلانشے نے کہا تھا کہ پیرس ایک دن میں نہیں دیکھا جاتا۔ میں کہوں گا کہ "لو" میوزیم جہاں دنیا بھر کے مصوروں اور سنگ تراشوں کے شاہکار رکھے ہیں، کو دیکھنے کے لئے بھی ایک دن ناکافی ہے۔ اس کے لئے کم از کم ایک ماہ چاہئے۔ ڈاکومنٹری فلموں میں، میں اس میوزیم میں لگی ہوئی کلاسیکی تصویروں اور مجسموں کو کئی بار دیکھ چکا تھا۔ مگر آج اسے آمنے سامنے دیکھنے کا موقع مل گیا تھا۔ دنیا کا کوئی ایسا بڑا مصور اور سنگ تراش نہیں تھا جس کے دو تین شاہکار اس عجائب گھر میں موجود نہ ہوں۔

جہاں مونالیزا کی پینٹنگ سجی ہوئی تھی، اس کے اردگرد فولادی زنجیر کا جنگلہ بنادیا گیا تھا۔ ایک مسلح گارڈ وہاں چوبیس گھنٹے پہرہ دیتا تھا۔ کسی سیاح کو اس پینٹنگ کی فوٹو لینے کی اجازت نہیں تھی۔ کیونکہ فوٹو کیمرے کے فلیش کی چمک اور روشنی سے تصویر کے رنگوں میں فرق آجانے کا خدشہ تھا۔ سیاح اور مقامی لوگ جنگلے کے ساتھ لگے حیرت کی نگاہوں سے اٹلی کے شہرہ آفاق مصور کی اس مشہور زمانہ تخلیق کو دیکھ رہے تھے۔ میں بھی بت بنا کھڑا تھا۔ مونالیزا

کے ہونٹوں پر ایک ایسی مسکراہٹ تھی جو تبسم اور مسکراہٹ کے درمیان کی حالت تھی۔ ایک عجیب نازک سی کیفیت کو مصور نے کمال خوبی اور مہارت سے کینوس پر منتقل کر دیا تھا۔ لگتا تھا کہ مونا لیزا ابھی مسکرا دے گی۔

اس کے بعد میں نے بلانشے کے ساتھ اٹلی اور فرانس کے دوسرے کلاسیکل مصوروں کے شاہکار بھی دیکھے۔ میں یہ دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا کہ ان لوگوں کے عزائم کے ساتھ خدا کی توفیق شامل تھی، ورنہ کوئی انسان خدا کی مدد کے بغیر اس قسم کی تصویریں پینٹ نہیں کر سکتا۔ پال گوگین مجھے بہت پسند تھا۔ اس کی تصویریں بھی دیکھیں۔ بڑے بڑے کینوس کے پردوں پر جیسے جنت کے باغات کا نقشہ کھینچ دیا گیا تھا۔ خاص طور پر پال گوگین کی وہ تصویریں بے حد پر کشش تھیں جو اس نے جزیرہ تہہ ٹی میں جانے کے بعد وہاں بنائیں۔

اس تاریخی عجائب گھر کو دیکھنے کی میری حسرتیں بھی پوری ہو رہی تھیں۔ ہم ڈیڑھ دو گھنٹے تک اس میوزیم میں رہے لیکن دل نہ بھرا۔ بلانشے نے کہا کہ پھر کسی روز آ کر عجائب گھر کے دوسرے حصے بھی دیکھ لیں گے۔ چنانچہ ہم میوزیم سے واپس ہوئے۔ وہاں سے قریب ہی ایک جگہ تالاب بنا ہوا تھا۔ اس کے اردگرد ایک عمارت نظر آئی۔ میں نے بلانشے سے اس عمارت کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا:

"اس عمارت کا نام کنگارڈ ہے۔ انقلاب فرانس کے بعد اسی عمارت میں عوامی عدالت لگتی تھی۔"

ہم آہستہ آہستہ چلتے اس تاریخی عمارت کے پاس آ گئے۔ یہاں آٹھ مجسمے لگے تھے۔ بلانشے نے کہا:

"یہ آٹھ مجسمے فرانس کے آٹھ بڑے شہروں کی علامت ہیں۔"

قریب ہی ایک اونچی لاٹھ بنی ہوئی تھی۔ بلانشے نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"یہ وہ جگہ ہے جہاں انقلاب کے بعد فرانس کے بادشاہ اور ملکہ میری انیٹنوٹی کے ساتھ دوسرے کئی شاہی خاندان کے لوگوں کے سر گلوٹین میں دے کر کاٹے گئے تھے۔"

انقلاب فرانس کے بارے میں آپ کو بھی معلوم ہو گا کہ یہ انقلاب اٹھارہویں صدی کے اواخر میں برپا ہوا تھا اور اسی انقلاب نے یورپ کے دوسرے ممالک کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اس کے بعد فرانس میں جمہوریت کا دور شروع ہوا۔

یہاں سے ہم نے ٹیکسی لی اور آرک آف ٹرانف پہنچ گئے۔ یہ عمارت یادگار فتح کے طور پر مشہور ہے اور ای فل ٹاور کے بعد اسے بھی پیرس شہر کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ یہ ایک محراب دار عمارت ہے۔ نپولین نے اپنی فتوحات کی یاد میں انیسویں صدی کے شروع میں اس عمارت کی تعمیر کا آغاز کیا تھا۔ بعد میں لوئی فلپس نے اسے مکمل کرایا۔ اسی جگہ گمنام فوجی سپاہی کا تابوت بھی ہے۔ جس کے سرہانے کی جانب ہر وقت آگ روشن رہتی ہے۔ یہ فرانس کے ان سپاہیوں کی یاد میں ہے جو دوسری جنگ عظیم میں ہلاک ہوئے۔ اس کے اردگرد لوہے کا جنگلہ بنا ہوا ہے اور پھولوں کی کیاریاں ہیں۔ یہاں سے پیرس کے مختلف علاقوں کی جانب گیارہ سڑکیں نکلتی ہیں۔ ان سڑکوں کی دونوں جانب ایک ہی وضع قطع کے درخت اگے ہوئے ہیں جو سرو کے

درختوں کی طرح بالکل سیدھا اوپر کو چلے گئے ہیں۔ ان درختوں کے پیچھے شہر کی عالی شان ماڈرن عمارتیں ہیں۔

بلانشے نے مجھ سے پوچھا:

"تم تھک تو نہیں گئے؟"

میں نے کہا:۔ "پیرس شہر میں کوئی نہیں تھکتا۔ میں بالکل تازہ دم ہوں۔"

بلانشے مسکرانے لگی:

"چلو پھر تمہیں شیلٹ کا محل بھی دکھاتی ہوں۔"

اس محل کو دیکھنے کے لئے ہم دوبارہ دریائے سین کے جنوبی کنارے کی طرف آ گئے۔ یہاں شیلٹ کے محل کی پر شکوہ عمارت کھڑی تھی۔ یہ عمارت سفید پتھروں سے تعمیر کی گئی ہے۔ اس عمارت کے ایک حصے میں میوزیم بھی ہے جہاں مشہور مصوروں کی تصویریں لگی ہیں۔ بلانشے نے کہا:

"پیرس میں یو این او کی جو میٹنگیں ہوتی ہیں' وہ اسی عمارت میں ہوتی ہیں۔"

شیلٹ پیلس کے بالکل سامنے ایفل ٹاور تھا۔ ہم اسے دیکھنے کے لئے چل دیئے۔ یہ مینار کہا جاتا ہے کہ دنیا کا بلند ترین مینار ہے۔ یہ خالص لوہے اور فولاد سے بنایا گیا ہے۔ اس کی بلندی تقریباً ایک ہزار فٹ ہے۔ اس کی چوٹی پر چاروں طرف ایک گیلری بنی ہوئی ہے۔ اوپر تک لفٹ جاتی ہے۔ گیلری میں کھڑے ہو کر ہم نے نیچے دریائے سین کے پل گرجا گھر' باغات اور ماچس کی ڈبیوں کی طرح سرخ چھتوں والے مکانوں اور ہائی رائز عمارتوں کا نظارہ کیا۔

یہاں ہوا خوب چل رہی تھی۔ بلانشے نے اپنے بال کھول دیئے ہوئے تھے جو ہوا میں اڑ رہے تھے۔ یہاں سب سے اوپر والی منزل پر ایک ریستوران بنا ہوا ہے۔ ہم نے اس ریستوران میں بیٹھ کر کافی پی۔ جب ہم ای فل ٹاور سے نیچے اترے تو دن کی روشنی میں سرشام کی سرخی شامل ہونے لگی تھی۔ یہ وہ سرخی تھی جو یورپ کے شہروں میں دیر تک مغربی افق پر دکھائی دیتی رہتی ہے۔ اسے انگریزی میں Twilight کہتے ہیں۔ ہمارے پاکستان میں اس سرشام کی دیرپا سرخی کا نظارہ کراچی شہر میں باآسانی کیا جاسکتا ہے۔

ای فل ٹاور سے نیچے اترنے کے بعد مجھے واقعی تھکن سی محسوس ہونے لگی تھی۔ بلانشے بھی تھکی تھکی سی لگ رہی تھی۔ اس نے مجھ سے پوچھا:

"اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارا کیا پروگرام ہے۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی:

"میں تو اپنے اپارٹمنٹ میں جاکر نہاؤں گی۔ پھر سو جاؤں گی۔"

میں نے کہا:۔ "میں بھی پھر اپنے قبرستان واپس جاتا ہوں۔"

ہم فٹ پاتھ پر سفیدے کے درختوں کے نیچے چل رہے تھے۔ بلانشے نے سگریٹ کا دھواں اڑاتے ہوئے کہا:

"اگر تم مجھے سو فرانک دے سکتے ہو تو تم رات میرے اپارٹمنٹ میں گذار دینا۔ کیا خیال ہے؟"

چلتے چلتے میں نے محسوس کیا کہ میرے اندر ایک افراتفری سی مچ گئی ہے۔۔۔!

میں منافقت سے کام نہیں لوں گا۔

اس وقت میرے جذبات کی جو کیفیت تھی، وہ میں آپ سے بالکل نہیں چھپاؤں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ بلانشے نے مجھے جو دعوت دی تھی، میں کسی قیمت پر اسے ٹھکرانا نہیں چاہتا تھا۔ میرے پاس اس وقت ڈیڑھ دو سو کے قریب فرانک موجود تھے۔ ایک لمحے کے لئے میرے ضمیر نے مجھے مشورہ دیا کہ یہ گناہ ہے، یہ کام مت کرنا۔ میں نے اپنے ضمیر سے مخاطب ہو کر کہا:

"تم ہر جگہ بیچ میں نہ آؤ۔ مجھے بتاؤ اگر میری جگہ تم ہوتے تو کیا کرتے۔ اگر میں تمہارا ضمیر ہوتا تو میں تمہیں کبھی ایسا مشورہ نہ دیتا۔"

ضمیر تو روح کی پاکیزہ آواز ہوتی ہے۔ اسکا کام تو انسان کو صرف ایک بار گناہ کے قریب جانے سے روکنا ہے۔ آگے انسان کو اختیار ہے کہ جو چاہے، کرے۔ چاہے اپنے ضمیر کا کہا مان کر جنت کے راستے پر چلے، چاہے اپنے ضمیر کی آواز کو دبا کر اپنے لئے دوزخ کی راہ چن لے۔۔۔ یہ Choice Freedom Of خدا نے انسان کو دے رکھی ہے۔ میں نے بھی یہی کیا۔ ضمیر کی آواز کو دبا دیا اور آنکھیں بند کر کے دوزخ کی راہ پر چل پڑا۔ میں نے بلانشے سے کہا:

"ٹھیک ہے بلانشے، میں تمہیں سو فرانک دے دوں گا۔"

وہ خوش ہو کر ہنس پڑی۔۔

"تم بڑے بدمعاش ہو جیکی، شکل سے بڑے بھولے بھالے لگتے ہو۔ آؤ میرے ساتھ۔"

ہم ایک چوک سے زیر زمین سٹیشن پر اتر کر ٹیوب ٹرین میں بیٹھ گئے۔ زمین دوز ٹرینیں پیرس شہر کے ہر علاقے میں جاتی ہیں۔ زمین کے اندر ہی اندر ٹرین کئی مقامات پر رکی۔ ایک جگہ زمین سے باہر بھی نکل آئی۔ اس کے بعد دوبارہ زمین کے اندر چلی گئی۔

جب ہم ایک جگہ ٹرین سے اتر کر سیڑھیاں چڑھنے کے بعد زمین سے باہر نکلے تو شام کی سرخی زیادہ گہری ہو گئی تھی۔ پیرس کی روشنیاں جگمگانے لگی تھیں۔ جس طرف نظر اٹھاؤ، نیون سائن جل بجھ رہے تھے۔ اس علاقے میں عمارتیں پرانی پرانی سی لگیں۔ میں نے بلانشے سے پوچھا:

"یہ پیرس کا کونسا علاقہ ہے؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولی:

"جیکی ڈیئر! ہم واپس پرانے پیرس میں آ گئے ہیں۔"

ایک سڑک کراس کر کے ہم دوسری طرف آ گئے۔ یہاں سے ایک چھوٹی سڑک پر چلنے لگے۔ یہ سڑک آگے جا کر ایک گلی کے ساتھ مل گئی۔ بلانشے کہہ رہی تھی:

"اس گلی کے آخر میں میری اپارٹمنٹ بلڈنگ ہے۔"

اس گلی میں داخل ہونے کے لئے ہمیں ایک سرنگ نما دروازے میں سے گذرنا پڑا۔ یہاں مکان ایک دوسرے کے اوپر جھکے ہوئے تھے۔ کچھ مکانوں میں روشنی تھی۔ باقی مکانوں پر اندھیرا چھا رہا تھا۔ کہیں کہیں سے

انگریزی موسیقی کی آواز آجاتی۔ لیمپ پوسٹ روشن تھے مگر ان کی روشنی بڑی دھندلی تھی۔ گلی کا فرش آڑی ترچھی اینٹوں کو جوڑ کر بنایا گیا تھا۔ ساری گلی خالی پڑی تھی۔ ایک جگہ سے ایک بلی کی میاؤں کی آواز بھی آئی۔ بلانشے ایک پرانی عمارت کی ڈیوڑھی میں داخل ہوگئی۔ کہنے لگی:

"میں چار سال سے اسی بلڈنگ میں رہ رہی ہوں' لینڈ لیڈی بڑی جابر عورت ہے۔ ایک بار میں نے کرایہ دینے میں دیر کر دی۔ اس نے میرا اٹیچی کیس باہر رکھ کر اپارٹمنٹ پر تالا لگا دیا۔ اس سے سستی اور مناسب جگہ مجھے پیرس میں اور کہیں نہیں مل سکتی۔"

ہم باتیں کرتے لفٹ میں سوار ہوگئے۔ یہ پرانی طرز کی لوہے کے قینچی دار دروازے والی لفٹ تھی۔ بلڈنگ بھی پرانی تھی۔ اونچی چھت تھی۔ لفٹ کے اوپر جانے کی گڑگڑاہٹ صاف سنائی دے رہی تھی۔ ساتھ ساتھ لوہے کا زینہ بھی اوپر کی منزلوں کو جاتا تھا۔ بلانشے نے تیسری منزل کا بٹن دبایا تھا۔ تیسری منزل کے ایک کمرے کا تالا کھولنے کے بعد بلانشے نے کمرے میں داخل ہوتے ہی بتی جلادی۔ کمرہ کسی کباڑیئے کی دکان معلوم ہو رہا تھا۔ چیزیں بے ترتیبی سے بکھری پڑی تھیں۔ پلنگ پر میلے کچیلے کپڑوں کا ڈھیر پڑا تھا۔ میں پلنگ کے کنارے بیٹھ گیا۔ بلانشے یہ کہتی ہوئی سائیڈ والے چھوٹے سے کمرے میں گھس گئی۔

"جہاں جگہ نظر آئے' بیٹھ جاؤ۔"

اس نے ساتھ والے کمرے کی بتی جلائی تو میں نے دیکھا کہ وہ ایک تنگ سا کمرہ تھا جس میں ایک پرانی سنگار میز پر میک اپ کا سامان بکھرا پڑا تھا۔ اس کمرے کا نہ تو کوئی دروازہ تھا اور نہ پردہ ہی پڑا تھا۔ بلانشے نے اپنا پرس

سنگار میز پر پھینک دیا۔ کرسی پر بیٹھ کر بوٹ اتار کر پرے اچھال دیئے۔ میں پلنگ کی پٹی پر اس رخ بیٹھا تھا کہ مجھے بلانشے سامنے نظر آرہی تھی۔ وہ اٹھ کر قمیض اتارنے لگی تو اس نے میری طرف دیکھ کر کہا:

''کیا تم منہ دوسری طرف نہیں کرو گے؟''

میں نے بادل نخواستہ منہ دوسری طرف کر لیا۔ شیطان برابر میرا ساتھ نبھا رہا تھا۔ جس طرف میں نے منہ کیا تھا' اس طرف دیوار پر ایک شیشہ لگا ہوا تھا۔ یعنی آئینہ لگا ہوا تھا۔ اس آئینے میں بلانشے کا پورا عکس نظر آرہا تھا۔ میری آنکھیں اسی آئینے پر جمی ہوئی تھیں۔ بلانشے سنگار میز کے آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ پھر اس نے کرسی پر سے بڑا سا تولیہ اٹھا کر اپنے جسم کے گرد لپیٹ لیا۔ آخر میں نے پوچھا:

''منہ سیدھا کر لوں؟''

''ہاں کر لو۔''

میں نے منہ سیدھا کر لیا۔ کہنے لگی:

''میں شاور لینے جاتی ہوں۔ تم بھی اگر چاہو تو شاور لے لینا۔''

اس چھوٹے سے کمرے کے اندر ہی ایک طرف غسل خانہ تھا۔ بلانشے کوئی فرانسیسی گیت گنگناتی ہوئی باتھ روم میں گھس گئی۔ میں کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ ویسا ہی اپارٹمنٹ تھا جیسا اس قسم کی عورتوں کا ہوا کرتا ہے۔ اس قسم کی عورتوں کے کمرے میں سپین' اٹلی اور لندن میں دیکھ چکا تھا۔ میں نے سگریٹ سلگا لیا۔ ایش ٹرے تلاش کرنے لگا مگر ایش ٹرے کہیں نہ ملا۔ اٹھ کر میز پر سے ایک خالی پیالی لی اور پلنگ پر اپنے قریب رکھ لی۔ باتھ روم

میں سے شاور میں سے پانی کے گرنے اور بلانشے کے کسی کسی وقت گنگنانے کی آواز آ رہی تھی۔

میں نے جیب سے فرانک نکالے اور گننے لگا۔ بلانشے کو دو سو فرانک دینے کے بعد میرے پاس جیب میں ساٹھ فرانک بچتے تھے۔ ستر اسی فرانک میں شارل کے قبرستان والے اپنے ٹھکانے پر کیمپ کارٹ کے سرہانے تلے رکھ آیا تھا۔ سوچنے لگا یہ ختم ہو گئے تو کیا کروں گا۔ پیرس ایسے شہر میں یہ رقم کچھ بھی نہیں تھی۔ ان سے تو میں بمشکل دو دن نکال سکتا تھا۔ سوچنے لگا اگر دو ایک دنوں میں کہیں کام نہ ملا تو کیا کروں گا؟ میرے پاس تو واپس لندن اپنے دوست کے پاس جانے کا کرایہ بھی نہیں تھا۔ دل نے کہا۔۔ پیارے اب جو ہو سو ہو' مرجانا مگر پیرس نہ چھوڑنا' آئے ہو تو پیرس کے اندر باہر کا پورا سروے کر کے ہی جانا۔ تمہارے پاس پیرس سے کراچی تک کا جو پی آئی اے کا ٹکٹ ہے' اسے بھی بیچ ڈالو۔ جو ہو گا' دیکھا جائے گا۔ پھر خیال آیا کہ اگر اس کے باوجود یہاں کوئی کام نہ ملا تو پھر تو بالکل ہی مارا جاؤں گا۔ نہ ادھر کا رہوں گا' نہ ادھر کا رہوں گا۔ پیرس میں کام ملنا اس لئے بھی مشکل معلوم ہوتا تھا کہ زبان کا مسئلہ تھا۔ مجھے فرانسیسی زبان نہیں آتی تھی۔

میں ان پریشان کن خیالات میں الجھا ہوا تھا کہ باتھ روم کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ میں نے اس طرف دیکھا۔ بلانشے بڑا تولیہ بدن کے ساتھ لپیٹے چھوٹے تولیے سے بالوں کو جھاڑتی خشک کرتی باتھ روم سے باہر آ رہی تھی۔ اس نے بلند آواز میں کہا:

"جیکی! اب تم نہالو۔"

میں نے سگریٹ پیالی میں بجھا دیا۔ نہانے کو بالکل جی نہیں کرتا تھا مگر بادل نخواستہ میں بھی باتھ روم میں گھس گیا۔ باتھ روم کی فضا شیمپو کی خوشبو سے مہک رہی تھی۔ نہا کر نکلا۔ کپڑے پہنے۔ اس دوران بلانشے کمرے میں بکھری ہوئی چیزوں کو جتنا ٹھیک کر سکتی تھی، ٹھیک کر کے ترتیب سے لگا چکی تھی۔ اس نے گلابی رنگ کا لمبا گون پہن رکھا تھا۔ میز پر موم بتی روشن تھی۔ میں باہر نکلا تو اس نے خوش ہو کر کہا:

"جیکی! آ جاؤ۔ مجھے بڑی بھوک لگی ہے۔"

وہ کچن میں کچھ تل رہی تھی۔ میں میز کے پاس کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ کچن سے تلے ہوئے گوشت کے قتلے پیرس کی خاص موٹی ڈبل روٹی کے ٹکڑے، سلاد اور ابلی ہوئی مچھلی پلیٹ میں بھر کر لے آئی۔ فریج میں سے اُس نے برف نکال کر دو گلاسوں میں ڈالی۔ پھر اپنے لئے وائن اور میرے لئے ڈبہ کھول کر گلاس میں بیئر ڈال کر بالوں کو پیچھے جھٹکتی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔ ہم کھانا کھانے لگے۔ ہم باتیں بھی کر رہے تھے۔ میں نے اسے کہا:

"بلانشے، تمہاری وجہ سے پیرس میں میرا بڑا دل لگ گیا ہے۔ لیکن یہاں رہنے کے لئے مجھے کوئی کام ملنا بہت ضروری ہے۔ تم تو مجھ سے زیادہ جانتی ہو کہ یہاں پیسوں کے بغیر کوئی نہیں رہ سکتا۔"

بلانشے نے وائن کے تین چار گھونٹ بھرے اور گلاس میز پر رکھتے ہوئے بولی:

"تم بھی کوشش کرو۔ میں بھی تمہیں کوئی کام دلوانے کی کوشش کروں گی۔"

کھانا ختم کرنے کے بعد ہم دونوں سگریٹ سلگا کر باتیں کرنے لگے۔ پھر اس نے چھوٹے سائز کا ٹیلی ویژن آن کر دیا۔ رقص و موسیقی کا کوئی پروگرام چل رہا تھا۔ میں نے جیب سے دو سو فرانک نکال کر بلانشے کو دیئے اور کہا:

"یہ تم اپنے پاس رکھو۔"

اس نے یہ رقم دوسرے کمرے میں سنگار میز کی دراز میں رکھ دی اور دونوں کمروں کی بتی بجھا کر سرخ رنگ کے بلب کو آن کر دیا۔ کمرہ لال رنگ کی روشنی سے لال ہو گیا۔

اور پھر باتیں کرتے کرتے مجھے نیند آ گئی۔ صبح جب میں سو کر اٹھا تو کمرہ لال انگارہ بنا ہوا تھا۔ رات کو سرخ بتی جلتی چھوڑ کر ہم سو گئے تھے۔ میں نے اٹھ کر لال بتی بجھا کر دوسری بتی جلا دی۔

کمرے میں کوئی کھڑکی وغیرہ بھی نہیں تھی۔ دروازے کے اوپر ایک روشندان تھا جو برآمدے کی راہ داری میں کھلتا تھا۔ اس طرف سے آسمان نظر نہیں آتا تھا۔ صرف کارنس پر رکھے ہوئے ٹائم پیس نے بتایا کہ صبح کے دس بج چکے تھے۔ پیرس اور لندن میں گرمیوں میں صبح بڑی جلدی ہوتی ہے۔ اور رات بڑی دیر سے پڑتی ہے۔ دن بڑے لمبے ہو جاتے ہیں۔

کوئی ایک گھنٹے بعد ہم میز پر بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ یہ سب کچھ بلانشے نے خود بنایا تھا۔ نہانے کے بعد اس نے میرے بالوں میں اصرار کر کے خود کنگھی کی تھی۔ میرے سیاہ بالوں میں کنگھی پھیرتے ہوئے وہ بار بار کہتی جاتی۔

"مجھے تم لوگوں کے سیاہ بال بڑے اچھے لگتے ہیں۔"

میری قمیض اور جرابوں کو دھو کر اس نے خود استری کر دی تھی۔ اب کافی بھی مجھے خود بنا کر دی۔ میں نے کہا:

"میں تو پہلے ہی بیکار ہوں۔ تم مجھے اور بھی بیکار کر دو گی۔"

وہ ہنس کر بولی:

"میں چاہتی ہوں تم ہمیشہ میرے پاس رہو' کوئی کام نہ کرو۔ سارے کام میں کرتی رہوں۔ صرف تمہاری خاطر۔ صرف تمہارے لئے۔"

میں نے خالص مشرقی انداز میں کہا:

"اس کا مطلب ہے تمہیں مجھ سے محبت ہو گئی ہے۔"

بلانشے نے نفی میں سر ہلایا۔ کہنے لگی:

"یہ میں نہیں جانتی۔ جن معنوں میں تم محبت کہہ رہے ہو' وہ محبت یہاں کوئی نہیں جانتا۔ تمہاری محبت گرم علاقوں کی محبت ہے۔ سرد علاقوں کی اپنی محبتیں ہوتی ہیں۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ مجھے تمہارے سیاہ بال اچھے لگتے ہیں۔ مجھے تم باتیں کرتے اچھے لگتے ہو۔ تمہارا اداس اداس مشرقی چہرہ اچھا لگتا ہے۔ اگر تم اسے محبت سمجھتے ہو تو ٹھیک ہے تم سمجھا کرو۔"

ناشتے کے بعد ہم باہر جانے لگے تو میں نے بلانشے سے کہا:

"میرا خیال ہے میں شارل کے قبرستان اس وقت جا کر کیا کروں گا۔ مجھے تم شہر کے کسی بھی روز گار دلانے والے دفتر کے پاس چھوڑ کر چلی جانا۔"

بلانشے اپارٹمنٹ کے دروازے کو بند کرنے کے بعد میرے ساتھ لفٹ میں آ گئی۔ کہنے لگی:

"تم روز گار کے دفتروں کے فضول چکر لگا رہے ہو۔ یہاں سب سے پہلے فرانسیسی باشندوں کو نوکری دی جاتی ہے۔ تمہاری باری نہ جانے کب آئے۔"

میں نے کہا:

"مجھے کوشش تو کر لینے دو۔ اور تم نے جو مجھے کہیں کام دلوانے کا وعدہ کیا ہے' وہ بھی یاد رکھنا اور اس کے لئے تم بھی کوشش کرنا۔"

لفٹ سے نکل کر ہم گلی میں آگئے۔ میں نے بلانشے سے پوچھا:

"اب تم کہاں جاؤ گی؟"

اس نے بڑے سرد لہجے میں جواب دیا:

"تمہیں کیوں بتاؤں؟"

اس نے ٹیکسی روکی۔ ہم ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو کسی علاقے کی طرف چلنے کو کہا۔ میری طرف پلٹ کر کہنے لگی:

"میں تمہیں شانزے لیزے کے دفتر روز گار پر چھوڑ دوں گی۔"

دن کافی چڑھ آیا تھا۔ پیرس شہر کی رونقیں بحال ہو رہی تھیں۔ سڑکوں پر ہر قسم کی ٹریفک بڑی ترتیب اور سلیقے کے ساتھ جا رہی تھی۔ آسمان پر ہلکا ہلکا ابر چھایا ہوا تھا۔ بارش بالکل نہیں ہو رہی تھی۔ کئی علاقوں کی کشادہ سڑکوں اور بلند عمارتوں کے درمیان سے گذرنے کے بعد ٹیکسی ایک سڑک کے کونے پر فٹ پاتھ کے پاس آکر رک گئی۔

بلانشے نے سگریٹ کا دھواں چھوڑتے ہوئے کہا:

"پرسوں شام کے وقت ڈی سگرے والے دریائے سین کے پارک میں آجانا۔ میں تمہیں وہاں ملوں گی۔ اب تم جاؤ۔"

وہ رات والی بلانشے نظر نہیں آرہی تھی۔ اسکا لہجہ سرد ہو گیا تھا۔
لیکن میں نے کوئی خیال نہ کیا۔ فرانسیسی حقیقت پسند ناول نگاروں کی کتابوں
میں، میں نے فرانس کی ایسی عورتوں کے بارے میں بہت کچھ پڑھ رکھا تھا جو
دوہری شخصیت کی مالک ہوتی ہیں۔ جو رات کو کچھ اور ہوتی ہیں اور دن کو کچھ
اور ہوتی ہیں۔ لیکن بلانشے مکمل طور پر ایسی عورت نہیں تھی۔ بس دن کے
وقت ذرا سرد مہر سی ہو گئی تھی۔ میں ٹیکسی سے اتر گیا۔ بلانشے آگے نکل گئی۔

میں نے بڑی بوریت کے ساتھ روز گار کے دفتر کی طرف نگاہ اٹھا کر
دیکھا۔ وہاں بھی بے روز گاروں کی قطار لگی ہوئی تھی۔ میں بھی دل پر جبر کر کے
قطار میں سب سے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ کوئی ایک گھنٹے بعد میری باری آئی۔
کلرک نے فرنچ زبان میں اوپر تلے مجھ پر کوئی سوال کر ڈالے۔ اسکا ایک بھی
سوال میری سمجھ میں نہ آیا۔ صرف اس لہجے سے پتہ چلا کہ وہ سوال پوچھ رہا
ہے۔ جب اسے معلوم ہوا کہ میں فرنچ زبان بالکل ہی نہیں جانتا۔ تو اس نے
رجسٹر پر پنسل رکھتے ہوئے اشارے سے مجھے آگے سے ہٹ جانے کو کہا۔
میں اس سے احتجاج کرنے ہی لگا تھا تو پیچھے والے بے روز گار نے مجھے دھکا
دے کر قطار سے باہر کر دیا اور خود کلرک سے فرانسیسی میں باتیں کرنے لگا۔

مجھے غصہ بھی آیا۔ مایوسی بھی ہوئی۔ مگر کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ سوچا
پیرس میں اس وقت گھومنا پھرنا بیکار ہے۔ واپس شارل کے قبرستان چلتا
ہوں۔ شاید شارل مجھے کام حاصل کرنے کا کوئی راستہ بتا دے۔ بلانشے نے
مجھے ٹیکسی میں سمجھا دیا تھا کہ مجھے کہاں سے میٹرو زمین دوز ٹرین پکڑنی ہو گی اور
کہاں اتر کر کونسے نمبر کی بس لینی ہو گی۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ پہلے ٹیوب ٹرین
میں سفر کیا۔ پھر بس پکڑی جس نے مجھے پرانے پیرس میں شارل والے قبرستان

کے آگے سے جو سڑک گذرتی تھی' وہاں اتار دیا۔ شارل ایک میت کی تدفین میں مصروف تھا۔ اس کی غم زدہ زرد چہرے والی بیوی کچن میں ڈش واشنگ کر رہی تھی۔ اس نے مجھے اور میں نے اسے کچن کی کھڑکی میں سے دیکھ لیا تھا۔ وہ کچن کے پچھلے دروازے میں سے باہر آئی۔ وہ ایپرن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولی:

"موسیو! یوسٹ دس چیئر۔"

وہ اسی طرح مجھ سے انگریزی میں بات کرتی تھی۔ پھر اس نے کافی انگریزی ضائع کرنے کے بعد مجھے بتایا کہ شارل قبرستان میں مصروف ہے' میں سٹنگ روم کی صفائی کرنے والی ہوں' تم یہاں تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ۔ میں باہر شہتوت کے درخت کے پاس سفید روغنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ آسمان ابر آلود ہونے کی وجہ سے فضا مرطوب اور گھٹی گھٹی سی تھی۔ ہوا ابھی نہیں چل رہی تھی۔ میں وہاں بیٹھا اپنے مستقبل کے بارے میں سوچتا رہا۔ یہی خیال بار بار ذہن میں آکر پریشان کر رہا تھا کہ اگر یہاں کوئی جاب نہ ملا تو پیرس سے بوریا بستر گول کرنا پڑے گا۔ میں اتنی جلدی یورپ کے اس حسین ترین اور رنگین ترین شہر کو اور بلانشے ایسی لڑکی کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ پھر میں نے ابھی پوری طرح سے پیرس دیکھا بھی نہیں تھا۔

اتنے میں شارل آگیا۔ آتے ہی اس نے سرد لہجے میں کہا:

"رات کو نہیں آنا تھا تو مجھے فون پر اطلاع کر دینی تھی۔ کسی کو یونہی انتظار میں رکھنا مہذب طریقہ نہیں ہے۔"

وہ بھی لوہے کی سفید کرسی گھسیٹ کر میرے سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے مجھ سے بالکل نہ پوچھا کہ رات میں نے کہاں گذاری۔ میں کہاں تھا' کس

کے پاس تھا۔ یہ لوگ یونہی کسی کے ذاتی معاملات میں دخل نہیں دیتے جو بڑی اچھی بات ہے۔ اس نے صرف یہی پوچھا کہ مجھے کوئی کام ملا یا نہیں۔ جب میں نے اسے بتایا کہ جاب کہیں نہیں مل سکی تو وہ واسکٹ کی جیب سے بجھا ہوا سگار نکال کر سلگاتے ہوئے بولا:

"میں تمہیں پہلے بتا چکا ہوں۔ پیرس میں غیر ملک کے رہنے والوں کو کہیں جاب حاصل کرنے کے لئے کافی دربدری کرنی پڑتی ہے۔ میں تمہیں یہی مشورہ دوں گا کہ تم واپس اپنے وطن چلے جاؤ۔ وہاں جاکر فرانسیسی زبان میں شدبد حاصل کرو اور پھر یہاں آؤ۔ زبان کا مسئلہ یہاں سب سے بڑا مسئلہ بن جاتا ہے۔"

میں نے اسے بتایا کہ میرا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ میں اتنی جلدی پیرس سے واپس نہیں جانا چاہتا۔ میں اس شہر میں کم از کم ویزُے کی مدت تک ضرور رہنا چاہتا ہوں۔ شارل سگار کا دھواں اڑاتے ہوئے بولا:

"پھر تمہیں کافی پیسے لے کر یہاں آنا چاہئے تھا۔ میں تمہیں اتنے دن اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔"

رات کو میں مکان کے کونے والے لکڑی کے کھوکھا نما کمرے میں کیمپ کارٹ پر سونے کے لئے لیٹا تو آسمان پر بجلی چمکنے لگی۔ بادل بھی ہلکے ہلکے گرجنے لگے۔ پھر بارش شروع ہوگئی۔ میں اٹھ کر کھوکھے کا دروازہ بند کرنے لگا کہ بارش کی بوچھاڑ اندر نہ آئے کہ مکان کے باہر جلتے بلب کی روشنی میں مجھے شارل نظر آیا۔ وہ بارش میں بھیگتا ایک سور کو میرے کھوکھے کی طرف لا رہا تھا۔ سور کی موٹی گردن میں رسی بندھی ہوئی تھی۔ شارل اسے کھینچ کر لا رہا تھا۔

میرے کھوکھے میں سور کو گھسیٹ کر اس نے کونے میں باندھا اور بولا:

"سوری موسیو! اس وقت اس کے لئے اور کوئی جگہ نہیں ہے۔ بارش ہو رہی ہے۔ یہ رات تمہارے ساتھ ہی گذارے گا۔۔۔۔"

اور وہ چلا گیا۔ سور کو صرف دور سے دیکھنے پر ہی مجھے بڑی کراہت محسوس ہوتی تھی۔ کہاں یہ کہ وہ میری کیمپ کارٹ کے پاس ہی بندھا خوق خوق کر کے پاؤں چلا رہا تھا۔ کبھی منہ اوپر کر کے مکروہ آواز نکالتا۔ کبھی میری چارپائی کے پاس منہ لاکر سونگھنے لگتا۔ اس کی وجہ سے کھوکھے میں ایک ناگوار بو پھیل گئی تھی۔ میں مجبور تھا۔ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ باہر بارش ہو رہی تھی۔ میں نے دروازہ کھلا ہی رکھا اور کیمپ کارٹ کو کھینچ کر دروازے کے پاس لے آیا۔ بارش سیدھی پڑ رہی تھی۔ اندر بوچھاڑ نہیں آتی تھی۔ اس سے اتنا فرق پڑ گیا کہ مجھے باہر کی تازہ ہوا نصیب ہوئی اور سور کی بدبو سے کسی حد تک نجات مل گئی۔ مگر نیند نہیں آ رہی تھی۔ سور خوق خوق کی آوازیں نکالتا اودھم مچانے لگا تھا۔

میں نے اسے بڑی گندی گالیاں دیں۔ ایک بار اٹھ کر اس کے سر پر دو تین جوتے بھی مارے۔ مگر وہ بھی آخر "سور کا بچہ" تھا۔ کہاں باز آتا۔ تنگ آ کر میں کیمپ کارٹ پر دروازے کے قریب ہو کر بیٹھ گیا اور سگریٹ پیتے ہوئے بارش کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ شارل کے کاٹج کے باہر جو بتی جل رہی تھی، اس کی روشنی میں بارش سورج کی کرنوں کی طرح گرتی نظر آ رہی تھی۔

یہ پیرس کی بارش تھی۔ کہاں میں نے یہ سوچ رکھا تھا کہ پیرس کی بارش کسی خوبصورت سرسبز باغ والے مکان کی کھڑکی میں بیٹھ کر دیکھوں گا اور کہاں یہ کہ مجھے ایک "سور" کے پاس بیٹھ کر بارش کا "نظارہ" کرنا پڑ رہا تھا۔۔۔۔ کبھی مجھے اونگھ آجاتی۔ کبھی سور کی بدبو سے اچانک آنکھ کھل جاتی۔ میرے لئے رات کاٹنا ایک عذاب نظر آرہا تھا۔ میں نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ گھڑی کی چمکیلی سوئیوں نے بتایا کہ رات کا ڈیڑھ بج رہا ہے۔ ابھی رات کا کافی عذاب باقی تھا۔ سور نے اب میری چارپائی کو ٹکریں مارنی شروع کر دیں۔ وہ رسی سے بندھا تھا اور چارپائی کی پائینتی تک ہی آسکتا تھا۔ مگر وہ بڑے زور زور سے پائینتی کو ٹکریں مار رہا تھا۔ میں نے دل میں ایک فیصلہ کر کے ہاتھ دروازے سے باہر نکال کر دیکھا۔ بارش رک گئی تھی۔

میں نے جیکٹ پہنی۔ بوٹ پہنے اور کھوکھے سے نکل کر قبرستان والی دیوار کی طرف چلنے لگا۔ درختوں پر سے بارش کا رکا ہوا پانی ٹپ ٹپ گر رہا تھا۔ قبرستان کے گیٹ پر بلب روشن تھا۔ اس کی روشنی جہاں میں چل رہا تھا' اس دیوار تک بھی آتی تھی۔ میں قبرستان کی شمالی دیوار والے تنگ دروازے سے گذر کر اس سبزہ زار میں داخل ہو گیا جہاں قبروں کا سلسلہ شروع ہوتا تھا۔ قبرستان میں' میں نے ایک ایسی قبر دن کے وقت دیکھ رکھی تھی جس کے اوپر پتھر کی چھت پڑی ہوئی تھی۔ میں یہی سوچ کر ادھر آیا تھا کہ اسی قبر کے پاس چھت کے نیچے بیٹھ کر یا اگر جگہ مل گئی تو لیٹ کر رات گزار لوں گا۔ قبرستانوں سے مجھے کبھی بھی ڈر نہیں لگا تھا۔ اور یہاں کے قبرستان تو بالکل باغ کی طرح ہوتے ہیں۔ سبزہ ہوتا ہے' پھولوں کی کیاریاں لگی ہوتی ہیں۔ قبروں پر پتھر کے گلدانوں میں پھول سجے ہوتے ہیں۔ قبروں کے اوپر خوبصورت

پریوں کے مجسّمے نصب ہوتے ہیں۔ یہاں تو آدمی کو بالکل ڈر نہیں لگتا۔ بالکل ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے کسی مردہ شہر کے خوبصورت مگر ویران باغ میں نکل آیا ہے۔

میں قبروں کے درمیان گیلی گھاس پر چلتا ہوا اس قبر کے پاس آگیا جس کے اوپر چھتری کی طرح چھت پڑی ہوئی تھی۔ یہاں اندھیرا ضرور تھا مگر اندھیرے میں تھوڑا تھوڑا سب کچھ نظر آرہا تھا۔ قبر ایک چوکور سل پر بنی ہوئی تھی۔ قبر کے سرہانے پتھر کے گلدان میں پھول رکھے ہوئے تھے۔ میں نے جھک کر دیکھا سارے پھول مرجھائے ہوئے تھے۔ ان میں سے بڑی اداس سی خوشبو نکل رہی تھی۔ سل بڑی صاف ستھری تھی۔ رات زیادہ خنک نہیں تھی۔ بارش کے بعد پھر حبس ہوگیا تھا۔ اگر ہوا چل رہی ہوتی تو ضرور ٹھنڈ ہوجاتی۔ میں نے سگریٹ سلگایا اور قبر کے اوپر جو کسی پری کا مجسمہ بنا ہوا تھا' اس کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ میں سگریٹ پی کر وہیں سو جانا چاہتا تھا۔ چاروں طرف قبرستان میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کبھی کبھی کسی درخت سے بارش کے رکے ہوئے پانی کی بوندوں کے گرنے کی ٹپ ٹپ کی آواز آجاتی تھی۔ ساری قبریں پختہ تھیں۔ اندھیرے میں ان پر لگی ہوئی صلیبیں ایک دوسری کی طرف جھکی ہوئی نظر آرہی تھیں۔

میں نے اندھیرے میں قبر میں مدفون میت کا نام پڑھنے کی کوشش کی۔ فرانسیسی میں کوئی نام لکھا تھا۔ میں پورا نام نہ پڑھ سکا۔ صرف اتنا معلوم ہوگیا کہ یہ کسی مرد کی قبر ہے۔ میں نے قبر پر آہستہ سے ہاتھ رکھ کر پنجابی میں کہا:

"یار! مجھے معاف کر دینا۔ ہمارے ہاں قبر کے پاس بیٹھ کر سگریٹ پینا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ مگر میرا خیال ہے تم اسے برا نہیں مانو گے۔ بھائی تم جہاں کہیں بھی ہو، خدا تمہیں خوش رکھے۔"

بے چارے مردے کی ہڈیوں نے جو قبر کے اندر تابوت میں پڑی تھیں، مجھے کیا جواب دینا تھا۔ لیکن نفسیاتی طور پر مجھے وہاں بیٹھ کر سگریٹ پینے کا جواز مل گیا۔ مجھے قبرستان ویسے ہی بڑی رومانٹک لگتے ہیں اور جب قبرستان پیرس کا ہو، وقت رات کا ہو اور بارش کے بعد قبروں پر رکھے گلدانوں کے گلاب بھیگے ہوئے ہوں تو یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میں رومانٹک نہ ہوتا۔ اور جب میں رومانٹک موڈ میں ہوتا ہوں تو سگریٹ ضرور سلگا لیتا ہوں۔ اگر اس وقت چائے یا کافی مل جائے تو مجھے اپنا جسم لطیف ہو کر فضا میں تحلیل ہوتا محسوس ہونے لگتا ہے۔ قبرستان میں جا کر مجھے اتنا عبرت کا احساس نہیں ہوتا، جتنی مجھ پر رومانوی افسردگی طاری ہو جاتی ہے۔ بس یہی ایک خیال آتا ہے کہ کیسے کیسے حسین چہرے آسودہ خاک ہیں۔ کیسی کیسی حسین گفتگو کرنے والوں کی زبانیں ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی ہیں۔ کبھی مکانوں کے اندر ان کے قہقہے گونجا کرتے تھے۔ کبھی یہ اپنی محبوباؤں سے ہم آغوش ہوتے تھے۔ مگر آج انہیں خاک نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنی آغوش میں لے لیا ہے۔ اس سے اگر کوئی عبرت حاصل کرتا ہے تو اسے ضرور عبرت حاصل کرنی چاہئے مگر مجھ پر ہمیشہ رومانوی افسردگی طاری ہو جاتی ہے۔ اور پھر میں چاہتا ہوں کہ قبرستان میں بارش شروع ہو جائے۔ میرے سامنے سری لنکا کی دم کی ہوئی چائے ہو، جس کا ایک گھونٹ پی کر میں اعلیٰ ترین سگریٹ سلگاؤں اور بارش میں بھیگتے جنوب مشرقی ایشیا کے بانس اور گل مہر کے جنگلوں میں پہنچ جاؤں۔

مگر میں اپنے وطن کے کسی قبرستان میں نہیں بیٹھا تھا۔ یہ پیرس کا قبرستان تھا۔ یہاں میں جنوب مشرقی ایشیا کے جنگلوں سے بہت دور تھا۔ لیکن میری یہ خواہش ضرور تھی کہ کاش اس وقت مجھے کہیں سے دم کی ہوئی خالص انگلش چائے کی ایک پیالی مل جاتی۔ میں اس کو پی کر سگریٹ سلگا لیتا اور پھر دریائے سین اور دریائے ڈینیوب کے کنارے یونانیوں اور رومیوں کے بنائے ہوئے قدیم قلعوں کی دریا کی طرف جھکی ہوئی سنسان بارہ دریوں اور گیلریوں میں نکل جاتا اور نیچے پہاڑی ڈھلانوں میں دور تک پھیلے ہوئے سیاہ جنگلوں کی طرف سے آنے والی گمشدہ روحوں کی سرگوشیاں سنتا۔ سنسان راہ داریوں میں ان حسین دوشیزاؤں کو یاد کرتا جو آدمی رات کو یہاں سے دبے پاؤں گذر کر اپنے محبوبوں سے ملنے جایا کرتی تھیں۔ ان خوبصورت خیالات نے میرے جسم کو لطیف بنانا شروع کر دیا۔ میرے چہرے پر اپنے آپ ایک ہلکا سا تبسم پھیل گیا۔ میرے تمام احساسات ایک سرمدی مسرت کی کیفیت میں سرشار ہو گئے۔ یہ کیفیت میرے پاکیزہ اور رومانوی خیالات کا قدرتی ثمر تھی۔ ایسا میرے ساتھ ان حالات میں اکثر ہوتا تھا۔ پھر میری نیند غائب ہو گئی۔ مجھے ایسے لگا جیسے میں بڑی گہری نیند سو کر تازہ دم ہو کر ابھی ابھی بیدار ہوا ہوں۔ میں بچوں کی طرح بے اختیار ہنس پڑا۔ مجھے ہنسنا نہیں چاہیئے تھا۔ جو کیفیت مجھ پر طاری تھی، اس کی مسرتوں کو اپنی روح میں جذب کرنا اور اپنے چہرے کو پرسکون رکھنا چاہیئے تھا۔ مگر جیسا کہ آپ میرے سفرناموں کو پڑھ کر میری طبیعت کو جان گئے ہوں گے کہ میں تھوڑی سی خوشی حاصل کر کے ہی بہت خوش ہو جاتا ہوں اور دوسرے یہ کہ میں نفسیاتی طور پر بھی لذت پرست آدمی واقع ہوا ہوں، جو مجھے نہیں ہونا چاہیئے۔ ہنسنے سے میری کیفیت کا اثر کم ہو گیا۔

میں نے آسمان کی طرف چہرہ اٹھاکر دیکھا۔ میں بھول گیا تھا کہ میرے اوپر چھت ہے۔ میں نے دوسرا سگریٹ سلگالیا۔ کیونکہ اب نیند کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جس دنیا میں پہنچ کر میں واپس آیا تھا' وہاں نیند نام کی کوئی شے نہیں ہوتی۔ میں نے قبر کے مجسّمے کے ساتھ ٹیک لگائے لگائے پہلو بدلا تو مجھے ایسی آواز آئی جیسے کوئی بہت خوشی کے موڈ میں تھوڑا سا ہنسا ہو۔ میں بالکل خوف زدہ نہ ہوا۔ قبرستانوں اور ویران قلعوں میں' میں نے اسی قسم کی آوازیں اکثر سنی ہوئی تھیں۔ ویسے بھی میں روحانیات کا آدمی ہوں۔ ان معنوں میں کہ میرا روحوں کی دنیا پر عقیدہ ہے اور میں نے کئی بار روحوں سے ملاقات بھی کی ہے۔ اس وجہ سے قبرستانوں میں اگر دن یا رات کے وقت مجھے اس قسم کی کوئی آواز آئے تو میں بالکل نہیں ڈرتا۔

جب میں نے ہنسی کی ہلکی سی آواز سنی تو سمجھ گیا کہ کوئی روح میرے اردگرد منڈلا رہی ہے۔ میں یہی سمجھا کہ جس قبر پر میں بیٹھا ہوں' یہ اسی شریف آدمی کی روح ہوگی۔ میں نے آہستہ سے کہا:۔ "بھائی! میں تم سے پوچھے بغیر تمہای قبر پر آکر بیٹھ گیا ہوں۔ مجھے معاف کر دینا۔"

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہی ہنسی کی آواز پھر سنائی دی۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ کسی عورت کی ہنسی کی آواز تھی۔ تب میں خاموش رہا۔ چند سیکنڈ بعد پھر وہی آواز آئی۔ میں نے کہا:

"اگر تم کوئی نیک روح ہو تو تمہارا آنا مبارک ہو۔ اگر بد روح ہو تو جدھر سے آئی ہو' ادھر ہی واپس چلی جاؤ۔ کیونکہ میں تم سے خوف زدہ نہیں ہوں گا۔"

اس وقت میرے کان میں کسی عورت کی بڑی دھیمی مگر پر سکون آواز سنائی دی۔ وہ میری زبان میں مجھ سے مخاطب تھی۔ اس نے کہا:

""کیا تم میری قبر پر نہیں آؤ گے؟""

میں نے آہستہ سے پوچھا:

""تمہاری قبر کہاں ہے؟ میں تو اس قبرستان میں اجنبی ہوں۔""

عورت کی روح کی آواز آئی:

""میں بھی اس قبرستان میں اجنبی ہوں۔""

میں دل میں بڑا حیران ہوا کہ یہ روح کیا کہہ رہی ہے۔ قبرستان میں اجنبی ہونے سے اسکا کیا مطلب ہے۔ میں نے دھیمی آواز میں کہا:

""تم قبرستان میں اجنبی کیسے ہو؟ میں کچھ سمجھ نہیں سکا۔""

عورت کی روح خاموش رہی۔ چند لمحوں کے بعد اس کی آواز میں اداسی کی کیفیت تھی۔ اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا:

""تم میری قبر پر آؤ۔ میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گی۔""

میں نے پوچھا:۔ ""تمہاری قبر کہاں ہے۔""

اس نے کہا:

""قبرستان کے جنوبی کونے میں جہاں شہتوت کا درخت ہے۔ اس کے پاس میری قبر ہے۔ وہاں صرف میری ہی ایک قبر ہے۔""

میں نے چہرہ اٹھا کر قبرستان کے جنوب کی طرف نگاہ ڈالی۔ رات کے اندھیرے میں مجھے اس طرف ایک درخت کا ہیولا دکھائی دیا۔ میں نے کہا:

""کیا اسی درخت کے نیچے تمہاری قبر ہے؟""

""ہاں۔""

روح نے ایک آہ بھر کر جواب دیا۔ میں نے اس سے پوچھا:

"مجھے اسکا حق تو نہیں پہنچتا لیکن میں تم سے پوچھنا بھی چاہتا ہوں کہ جب مجھے تمہاری ہنسی کی آواز سنائی دی تھی تو تم بڑی خوش تھیں، لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ تم ایکدم غم زدہ ہو گئی ہو۔ اسکی کیا وجہ ہے؟"

عورت کی روح نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں سمجھا کہ شاید وہ چلی گئی ہے۔ جب دس پندرہ سیکنڈ گذر گئے اور خاموشی چھائی رہی تو میں نے کہا:

"کیا تم موجود ہو؟"

"ہاں"

روح نے اسی طرح ٹھنڈا سانس بھر کر جواب دیا۔ میں نے کوئی سوال نہ کیا۔ بلکہ اپنے پہلے سوال کے جواب کے انتظار میں خاموش رہا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس عورت کی روح کو میں نے جو سوال کیا تھا کہ تم خوش ہو کر اداس کیوں ہو، وہ اسے یاد ہو گا۔ روحوں کی یادداشت بڑی طاقتور ہوتی ہے۔ روح کیسی بھی ہو، وہ اپنی زندگی کی ساری یادداشتیں ساتھ لے کر دوسری دنیا کو جاتی ہے۔ عورت کی روح نے کہا:

"اسکی وجہ تمہیں میری قبر پر آنے کے بعد خود بخود معلوم ہو جائے گی۔"

میں نے اسے یہ نہیں کہا کہ چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ عورت کی روح مجھے دیکھ رہی ہے۔ میں اٹھا اور قبرستان کے جنوبی حصے کی طرف چلنے لگا۔ یہ کونا بالکل ویران تھا۔ یعنی اس جگہ سوائے ایک قبر کے دوسری کوئی قبر نہیں تھی۔ مجھے حیرت سی ضرور ہوئی۔ میں شہتوت کے درخت کے پہلو میں آیا تو اندھیرے میں مجھے زمین پر سے ایک لمبی ڈھیری

ابھری ہوئی دکھائی دی۔ یہ اس عورت کی قبر تھی جس کی روح مجھ سے ہمکلام تھی۔ میں نے آنکھیں سکیڑ کر غور سے دیکھا۔ قبر پر نہ تو کسی پری کا یا بچے کا مجسمہ تھا اور نہ ہی صلیب کا نشان لگا ہوا تھا۔

میں قبر کے پاس خاموش کھڑا تھا کہ مجھے عورت کی روح کی آواز آئی۔۔۔

"یہی میری قبر ہے۔"

قدرتی طور پر اس وقت میرے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوا۔ جو میں نے اس سے پوچھ ہی لیا:۔

"تمہاری قبر پر صلیب کا نشان کیوں نہیں لگایا گیا۔ کیا تم دہریہ عورت ہو۔۔۔؟"

کیونکہ یورپ میں جو لوگ خدا اور مذہب پر یقین نہیں رکھتے اور دہریہ حالت میں مرجاتے ہیں' وہ عام طور پر کہہ جاتے ہیں کہ ہماری قبر پر مذہب کا کوئی نشان نہ لگایا جائے۔ قدرتی طور پر مجھے یہی خیال آیا کہ شاید یہ عورت دہریہ عیسائی عورت تھی۔ روح نے گہرا سانس بھر کر کہا:

"میں نہ تو دہریہ عورت ہوں' نہ عیسائی عورت ہوں۔ میں مسلمان ہوں۔"

یقین کریں میں حیرت زدہ رہ گیا اور اس طرف تکنے لگا جس طرف سے میری سمجھ کے مطابق روح کی آواز آرہی تھی۔ میرے منہ سے بے اختیار نکلا:

"اگر تم مسلمان عورت تھیں تو تمہیں یہاں کیوں دفن کیا گیا؟ یہ تو مسیحیوں کا قبرستان ہے۔"

روح نے کہا:

"اس بارہ دری میں آجاؤ۔ کھڑے کھڑے تم تھک جاؤ گے۔ میں تمہیں بہت کچھ سنانا، بہت کچھ بتانا چاہتی ہوں۔ کیونکہ تم میرے ہم وطن بھی ہو اور مسلمان بھی ہو۔"

اندھیرے میں مجھے قبرستان کی دیوار کے سرے پر ایک چھوٹی سی بارہ دری دکھائی دی جو بارہ دری کے سائے کی طرح لگ رہی تھی۔ میں گیلی گھاس پر آہستہ آہستہ چل کر بارہ دری میں آگیا۔

"یہاں کوئی جگہ دیکھ کر بیٹھ جاؤ۔" عورت کی روح نے کہا۔

وہ یا تو میرے ساتھ ساتھ چل رہی تھی یا مجھ سے پہلے وہاں پہنچ چکی تھی۔ کیونکہ روح اتنی تیز رفتار ہو سکتی ہے کہ آپ اور ہم اسکا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ کہتے ہیں کہ روشنی کی رفتار بھی روح کی رفتار کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

بارہ دری کے ایک ستون کے ساتھ میں ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

مجھے معلوم تھا کہ عورت کی روح مجھے نظر نہیں آئے گی۔ میں صرف اس کی آواز بن سکوں گا۔ وہ صرف اپنی آواز کے ذریعے مجھ سے ہمکلام ہوگی۔ جب میں اطمینان سے بیٹھ گیا تو میں نے کہا:

"اب مجھے بتاؤ کہ تمہیں اس کرسچیئن قبرستان میں کس نے دفن کیا۔ تم اگر میری ہم وطن ہو تو تمہیں معلوم ہو گا کہ میں پاکستان کا رہنے والا ہوں۔ تم پاکستان کے کس شہر کی ہو اور پیرس میں کیسے آئیں اور کیسے تمہارا انتقال ہوا؟"

عورت کی روح کی آواز آئی:

"میری روح ایک سال سے اس قبرستان میں بھٹک رہی ہے۔ میں کسی ایسے انسان کی تلاش میں تھی جو روحوں کی آواز سننے کی صلاحیت اور ہمت رکھتا ہو۔ جس میں اتنی طاقت ہو کہ وہ روح کی آواز سن کر اپنے ہوش و حواس برقرار رکھ سکے۔ مجھے ایسا آدمی سارے ملک میں کوئی نہ ملا۔ جس روز سے تم شارل گورکن کے مکان میں آکر رہ رہے ہو' میں تم سے بات کرنے کے مواقع تلاش کر رہی تھی۔ مجھے تمہارے آتے ہی پتہ چل گیا تھا کہ تم ہی ایک ایسے آدمی ہو جو روحوں کی آواز سن سکتا ہے اور خوف زدہ ہوئے بغیر ان سے باتیں کر سکتا ہے۔ آج رات تم مکان سے نکل کر قبرستان میں آئے تو مجھے موقع مل گیا۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں۔"

میں نے کہا:

"اب مجھے وہ باتیں بتاؤ' جو تم بتانا چاہتی ہو۔"

روح نے کہا:

"میرا نام سلطانہ اختر ہے۔ میں پاکستان میں صوبہ پنجاب کے مشہور شہر وزیر آباد کی رہنے والی ہوں۔ میں ایک محنت کش غریب ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ میں نے وزیر آباد میں ہی ایف اے پاس کیا۔ اس کے بعد میرے ماں باپ نے اپنی برادری کے ایک لڑکے غلام صادق سے میری شادی کر دی۔ غلام صادق ہماری برادری کا نوجوان تھا۔ وہ چھ سات سال سے لندن میں رہتا تھا اور کسی فیکٹری میں ملازم تھا۔ وہ شادی کے بعد مجھے لندن لے آیا۔ شروع کا ایک برس میں نے بڑی ہنسی خوش اپنے خاوند کے ساتھ گزارا۔ اس کا سلوک بھی میرے ساتھ بڑا اچھا رہا۔ لیکن اس کے بعد ایسا ہوا کہ دولت کے لالچ میں اس نے ناجائز منشیات کا دھندا شروع کر دیا۔ اس

سلسلے میں وہ پیرس چلا آیا۔ یہاں آنے کے بعد اس کی دنیا ہی بدل گئی۔ منشیات کے دھندے کی وجہ سے اس کے پاس دولت کی ریل پیل ہوگئی۔ اس نے نئی نئی طوائف قسم کی عورتوں سے تعلقات پیدا کر لئے اور انہیں گھر میں لانے لگا۔ اس دوران میرے ہاں ایک لڑکی بھی پیدا ہوگئی۔ میں نے اسکا نام سعیدہ سلطانہ رکھا۔ لڑکی کی پیدائش کے بعد تو میرے خاوند نے مجھ سے بڑا سلوک شروع کر دیا۔ میں اسے گھر میں عورتیں لانے سے منع کرتی تو وہ شراب پی کر مجھے مارتا پیٹتا۔ اسی طرح پانچ چھ سال گذر گئے۔ میری بیٹی بڑی ہوگئی۔ میں نے اسے ایک سکول میں داخل کرا دیا۔ میں اپنے ماں باپ کو یہی لکھتی کہ میں اپنے خاوند کے ساتھ بڑی خوش ہوں۔ وہ بے چارے پیرس نہیں آسکتے تھے۔ میرا خاوند بھی مجھے میرے ماں باپ کے پاس وزیر آباد نہیں بھیجتا تھا۔ مزید تین سال گذر گئے۔ گھر والے کئی بار لکھتے کہ تم لوگ پاکستان آکر ہمیں ایک بار ہی مل جاؤ۔ ہمیں چاند سی بچی تو دکھادو مگر غلام صادق کاروبار کی مصروفیت کا بہانہ بنا کر لکھ دیتا کہ ابھی نہیں اگلے سال بچی کو لے کر آئیں گے۔ بچی کی عمر نو برس کی ہوگئی تھی کہ غلام صادق نے دو عورتوں کو گھر میں لا کر رکھ لیا۔ میں نے اسے کہا کہ یہ خراب کریکٹر والی عورتیں ہیں۔ گھر میں نیم عریاں پھرتی رہتی ہیں۔ کھلے عام گھر میں بیٹھ کر شراب پیتی ہیں۔ میری بیٹی سعیدہ پر اسکا برا اثر پڑے گا۔ میں یہ نہیں کہتی کہ تم ان کے ساتھ نہ رہو۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ تم ان کو الگ جگہ لے کر دے دو۔ بے شک تم ان کے پاس ہی رہو۔ اس پر میرے خاوند نے میری بیٹی کے سامنے مجھے بڑا مارا۔ بیٹی مجھے بچانے کے لئے آگے آئی تو اس نے اسے بھی پیٹنا شروع کر دیا۔ اس روز میں نے اسے دھمکی دی کہ اگر اس نے میرے ساتھ مزید برا سلوک کیا تو میں

پولیس میں رپورٹ کر دوں گی۔ کہنے لگا: "تم بے شک وزیر آباد چلی جاؤ۔ میں تمہیں تمہارے ماں باپ کے پاس بھجوا دیتا ہوں۔" میں نے کہا: "میں سعیدہ کو ساتھ لے کر جاؤں گی۔" وہ بولا: "نہیں، میرے ساتھ پیرس میں ہی رہے گی۔ میں اس کے طرز عمل سے سمجھ چکی تھی کہ وہ میری بیٹی کو بھی منشیات کے ناجائز کام کی طرف لگانا چاہتا ہے۔ سعیدہ کی عمر اگرچہ بارہ تیرہ برس کی تھی، مگر وہ بڑی ہی خوبصورت اور قد کاٹھ میں جوان نکلی تھی۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ میں اکیلی وزیر آباد جانے پر تیار نہیں ہوں اور یہاں پیرس میں رہ کر بھی سعیدہ کو اپنے سے الگ نہیں کرتی، اسے پارٹیوں میں باپ کے ساتھ نہیں جانے دیتی، گھر پر فضول قسم کے جرائم پیشہ لوگ آتے تھے تو میں سعیدہ کو ان سے نہیں ملنے دیتی، تو میرے خاوند نے مجھے راستے سے ہٹانے کے لئے انتہائی قدم اٹھالیا۔ اسے ایسا کرنا نہیں چاہئے تھا۔ لیکن دولت اور ہوس چھوٹی سطح کے انسان کو اندھا بنا دیتی ہے۔۔۔۔۔ غلام صادق پڑھا لکھا کلچرڈ آدمی نہیں تھا۔ وہ شروع ہی سے جائز ناجائز طریقوں سے دولت کمانے کے چکر میں تھا۔ ایک روز اس نے مجھے سنگترے کا جوس پلایا۔ اس کے پینے سے میری حالت خراب ہو گئی۔ میری بیٹی سعیدہ نے رونا شروع کر دیا۔ وہ بار بار اپنے باپ سے کہتی۔۔۔ ممی کو ہسپتال لے جاؤ، ڈاکٹر کو بلائیں، مگر میرا ظالم بے حس خاوند تو جیسے میری موت کا انتظار ہی کر رہا تھا۔۔۔ جس آدمی نے اسے میرے مارنے کے لئے زہر دیا تھا، اس نے کہا تھا کہ اس کے پینے کے پانچ دس منٹ بعد آدمی مر جاتا ہے اور جسم اور چہرے سے ذرا پتہ نہیں چلتا کہ اس شخص کو زہر دیا گیا تھا۔ چنانچہ وہ سعیدہ کو یہی کہتا رہا۔۔۔ فکر نہ کرو، بیٹی تمہاری ممی ابھی ٹھیک ہو جائے گی۔ اسے دکھانے کے لئے وہ اپنے آپ کو پریشان بھی ظاہر کرتا رہا اور

مجھے طرح طرح کی بے ضرر سی گولیاں بھی کھلاتا رہا۔ لیکن دس بارہ منٹ کے بعد میں مرگئی۔۔۔ مرنے کے ساتھ ہی جب میری روح میرے جسم سے نکل آئی تو مجھ پر سارے راز کھل گئے۔ تم روحانیات کے آدمی ہو۔ تمہیں تو معلوم ہی ہو گا کہ مرنے کے بعد روح پر کئی ایسے حقائق پوشیدہ رہتے ہیں' یا یوں سمجھ لو کہ روح ان حقائق سے آگاہ ہوتی ہے لیکن انہیں اپنے جسم کو ان حقائق سے آگاہ کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔"

سلطانہ کی روح ایک لمحے کے لئے خاموش ہوگئی۔ میں نے اس سے بے چینی سے پوچھا:۔

"پھر کیا ہوا۔۔؟"

"پھر۔۔۔۔ میری موت کے بعد میرے خاوند نے سب کو یہی کہا کہ فوڈ پوائزنگ کی وجہ سے میری موت واقع ہوگئی ہے۔ لیکن اسے خطرہ تھا کہ اگر مسلمانوں کے قبرستان میں مجھے دفن کیا گیا تو وہ لوگ ضرور موت کا سرٹیفکیٹ مانگیں گے اور موت کا سرٹیفکیٹ جاری کرنے والا محکمہ میرا پوسٹ مارٹم بھی کرے گا۔ میرے خاوند کا شارل نامی گورکن واقف تھا۔ جس کے گھر تم ٹھہرے ہوئے ہو۔ اس نے اس کے ساتھ مل کر اور اسے کافی بھاری رقم بطور رشوت دے کر راضی کرلیا اور یوں راتوں رات مجھے اس قبرستان کے ویران کونے میں دفن کر دیا گیا۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ میری دردناک کہانی ہے۔ جو میں تمہیں سنانے کے لئے یہاں لائی ہوں۔۔۔!!!"

میں نے سلطانہ کی روح سے کہا:۔

"مجھے تمہاری کہانی سن کر بڑا دکھ ہوا ہے کہ تم اپنے سنگدل خاوند کے ہاتھوں قتل ہوگئیں۔ لیکن اب تم کیا چاہتی ہو۔ جو ہونا تھا' وہ تو ہو گیا۔ کیا

تم چاہتی ہو کہ مَیں پولیس میں تمہارے خاوند کے خلاف اقدام قتل کے جرم کی رپورٹ درج کرلوں لیکن گواہی کون دے گا؟ کسی روح کی گواہی کو قانون کبھی تسلیم نہیں کرے گا۔"

سلطانہ کی روح نے کہا:

"میرے خاوند نے مجھے زہر دے کر مارا ہے۔ اس میں شک و شبے کی کوئی گنجائش نہیں کہ میرا خاوند میرا قاتل ہے۔ مگر میں اس سے بدلہ نہیں لوں گی۔ اب اسکا معاملہ اسکے اور خدا کے درمیان ہے۔ خدا کا قانون خود اس کو اس کے جرم کی سزا دے گا۔ وہ خدائی قانون سے کبھی نہیں بچ سکے گا۔ اگر دنیا میں بچ گیا تو مرنے کے بعد اپنے جرم کی پوری پوری سزا پائے گا۔"

"پھر تم کیا چاہتی ہو۔۔؟" میں نے سوال کیا۔

سلطانہ کی روح کہنے لگی:

"اب میں تمہیں بتاتی ہوں کہ میں تمہارے پاس کس لئے آئی ہوں اور میں نے تمہیں یہاں کیوں بلایا ہے اور اپنی زندگی کی درد بھری داستان کیوں سنائی ہے۔۔۔ میرے خاوند نے مجھے راستے سے ہٹادیا ہے۔ میں اس کے اور اسکی بیٹی سعیدہ کے درمیان ایک ہی دیوار تھی۔ یہ دیوار گر چکی ہے۔ اب میرا خاوند میری بیٹی کو غلط راہ پر چلانے کی کوشش کرنے لگا ہے۔ اگرچہ بیٹی سعیدہ ایک شریف کردار کی مسلمان لڑکی ہے اور اس نے آج تک کسی ایسی ویسی لڑکی تک سے دوستی نہیں کی لیکن وہ چاروں طرف سے بری سوسائٹی میں گھر چکی ہے اور پھر جب اسکا باپ اسے غلط راستے پر چلانے کی کوشش میں لگا ہو گا تو وہ کب تک اپنے آپ کو بچا سکے گی۔ اسکی خبرگیری کرنے والا تو یہاں

یہاں کوئی بھی نہیں ہے۔ وہ گھریلو قسم کی لڑکی ہے۔ وہ باپ سے الگ ہو کر اکیلی بھی نہیں رہ سکتی۔ میں چاہتی ہوں کہ تم اسے کسی طرح گناہ کی اس دنیا سے نکال کر واپس وزیر آباد میرے ماں باپ کے پاس پہنچا دو۔ تمہارا مجھ پر یہ بہت بڑا احسان ہو گا۔ میں قیامت کے دن خدا کے دربار میں تمہاری بخشش کی دعا کروں گی۔۔۔ کہ خدا مظلوموں کی دعا کبھی رد نہیں کرتا۔۔۔۔"

میں چپ ہو گیا۔ وہ ایک ایسے آدمی کو ایک بہت بھاری ذمہ داری سونپ رہی تھی جسے پیرس میں آئے ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں ہوا تھا۔ اور جو پیرس کے اسرار و رموز سے بھی ناواقف تھا۔ مجھے خاموش دیکھ کر سلطانہ کی روح کہنے لگی:

"میں تمہیں مجبور نہیں کرتی۔ میں تمہیں مجبور کر بھی نہین سکتی۔ لیکن تمہارے سوا میرا یہ کام کوئی دوسرا شخص کر بھی نہیں کر سکتا۔ ایک تو تم میرے ہم مذہب ہو، مسلمان ہو، میرے ہم وطن ہو اور میری، میرے خاوند اور میری بیٹی کی زبان جانتے ہو۔ دوسرے میں روح کی حیثیت سے تم سے ہمکلام ہو سکتی ہوں۔ کوئی دوسرا آدمی مجھے اس ملک میں شاید ہی ملے جو ایک روح کی آواز سننے کی صلاحیت رکھتا ہو اور پھر روح کی آواز سننے کے بعد اسے برداشت کرنے کی بھی ہمت رکھتا ہو۔ لیکن اگر اس کے باوجود تم سمجھتے ہو کہ یہ کام تم نہیں کر سکو گے، تو میں تم سے کوئی گلہ نہیں کروں گی۔"

جب تک سلطانہ کی روح یہ جملے بولتی رہی۔ اس دوران میں سوچتا رہا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ جب اس نے اپنا جملہ ختم کیا تو میں اسکی مدد کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ جب میں نے اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کیا تو وہ بہت خوش ہوئی۔ آپ لوگوں میں شاید بہت کم لوگوں کو پتہ ہو گا کہ جب کوئی روح خوش

ہوتی ہے تو اسکا اظہار کس طرح کرتی ہے۔ دوسری روحوں کے بارے میں تو مجھے زیادہ معلوم نہیں۔ لیکن وزیر آباد کی اس مظلوم روح سلطانہ اختر کے بارے میں، میں آپ کو بتانا چاہوں گا کہ جب وہ میرے فیصلے کو سن کر خوش ہوئی تو میرے چاروں طرف ایک ایسی خوشبو پھیل گئی کہ جو صرف باغ بہشت کے پھولوں کی خوشبو ہی ہو سکتی تھی۔ اس خوشبو کے آگے دنیا کے سارے پھولوں، سارے پرفیومز کی خوشبوئیں ماند پڑ گئیں تھیں۔۔ سلطانہ کی روح کہنے لگی:

"میں تمہیں اپنے خاوند کے اپارٹمنٹ کا پورا ایڈریس بتائے دیتی ہوں اور ہاں ایک اور بات کا ذکر بہت ضروری ہے۔ میری شادی کے زیورات میرے خاوند نے مجھ سے چھین کر لندن میں ہی فروخت کر دیئے تھے۔ مگر میں نے کچھ کر زیور اس وقت سے چھپا کر رکھے ہوئے تھے۔ پیرس میں آکر جب میرے حالات زیادہ خراب ہو گئے اور میرے خاوند نے مجھے مارنا پیٹنا شروع کر دیا تو میں نے ان زیورات کو پیرس کے ایک بینک کے لاکر میں رکھوا دیا تھا۔ یہ زیور میں نے اپنی بیٹی کی شادی کے لئے رکھے ہوئے تھے۔ میں چاہتی ہوں کہ یہ زیور تم وہاں سے نکال کر میری بیٹی کے حوالے کر دو۔ اور وہ یہ زیور ساتھ لے کر وزیر آباد اپنی نانی کے گھر جائے اور یہ زیور اس کی شادی میں اس کے کام آئیں۔"

میں نے اس سے پوچھا:

"لاکر کا نمبر اور بنک کا نام کیا ہے۔ اور اس کی چابی کہاں ہے؟؟"

سلطانہ کی روح نے کہا:

"میرے خاوند کی اپارٹمنٹ بلڈنگ کی لابی کے سامنے ایک چھوٹا سا باغیچہ ہے۔ اس باغیچے کے شروع میں دونوں جانب پام کے بہت بڑے پتھریلے گملے سجاوٹ کے لئے رکھے ہوئے ہیں۔ میں نے لاکر کی چابی اور بینک والوں کا خط اور لاکر کا نمبر وغیرہ پلاسٹک کے لفافہ میں ڈال کر باغیچے میں داخل ہوتے وقت جو بائیں طرف والا گملا ہے' اس کے نیچے اندر کر کے چھپا کر رکھ دی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ابھی تک وہیں ہوگی۔ تم اسے وہاں سے نکال کر بینک میں جانا اور میرے زیورات کا صندوقچہ نکلوا کر اپنے پاس رکھ لینا۔ جب میری بیٹی کو وزیر آباد بھجوانے لگو تو یہ صندوقچہ اس کے حوالے کر دینا۔ میں تمہاری بڑی ممنون ہونگی۔"

اس کے بعد سلطانہ کی روح نے مجھے اس اپارٹمنٹ بلڈنگ کا ایڈریس اور اپنے خاوند کے ڈبل بیڈ روم والے اپارٹمنٹ کا نمبر بتایا' جہاں وہ اپنی بیٹی کے ساتھ رہ رہا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق یہ اپارٹمنٹ بلڈنگ ماڈرن پیرس کے کسی علاقے میں واقع تھی۔

میں نے سلطانہ کی روح کو یقین دلایا کہ میں نے جوذمے داری اپنے کاندھوں پر لی ہے' اسے پوری طرح نبھاؤں گا۔ سلطانہ کی روح نے مجھے دعا دی اور اجازت لیتے ہوئے کہا۔

"اب میں جاتی ہوں۔ تمہیں جب میری ضرورت پڑے گی میں تمہارے پاس آجاؤں گی۔"

سلطانہ اختر کی روح جا چکی تھی۔ قبرستان کے آسمان پر بادلوں کے پیچھے کچھ اس قسم کا ہلکا ہلکا سا اجالا جھلکنے لگا تھا کہ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ صبح کاذب کا وقت شروع ہو چکا ہے۔ میں وہاں سے اٹھ کر واپس اپنے کھوکے کی طرف چلنے لگا۔ قبرستان میں وہی پر سکون خاموشی طاری تھی۔ میں اپنے کھوکھے میں واپس آیا تو سور جاگ اٹھا اور مجھے دیکھ کر خوق خوق کرنے اور کیمپ کارٹ کو ٹکریں مارنے لگا۔ میں نے کیمپ کارٹ کو مزید تھوڑا کھینچ کر دیوار کے ساتھ کر لیا اور اس پر لیٹتے ہی گہری نیند سو گیا۔

صبح آنکھ کھلی تو دیکھا کہ سور کھوکھے کے اندر موجود نہیں تھا۔ شاید میرا میزبان گورکن شارل اسے کھول کر لے گیا تھا۔ کوئی ایک گھنٹہ بعد میں اور شارل ڈبل روٹی' جام اور کافی کا ناشتہ کر رہے تھے۔ اس نے مجھے ایک اور دفتر روزگار کا ایڈریس بتایا اور کہا۔

"وہاں بھی کوشش کر کے دیکھ لو۔ ہو سکتا ہے تمہیں کوئی کام مِل جائے۔"

میں نے شارل کو بالکل نہ بتایا کہ رات کو میری ملاقات اس عورت کی روح سے ہوئی تھی جس کو اس نے قبرستان کے کونے میں دفن کر رکھا ہے۔ اس سے سلطانہ کے خاوند غلام صادق والی اپارٹمنٹ بلڈنگ کے بارے میں بھی کچھ نہ پوچھا۔ ابھی سلطانہ کے خاوند کے گھر جانے کا میرا ارادہ بھی نہیں تھا۔ میں تو سب سے پہلے اپنے نوکری کا مسئلہ حل کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ میرے پاس پیسے ختم ہو رہے تھے۔ شارل نے مجھے جس روزگار والے دفتر کے بارے میں بتایا تھا وہ پیرس شہر کے دوسرے کنارے پر تھا۔ میرے کتنے ہی فرانک بس اور ٹیوب ٹرینوں کے کرایوں پر ہی لگ گئے تھے۔ بہرحال سارے شہر کا چکر کاٹ کر کوئی پون گھنٹے بعد مطلوبہ روزگار کے دفتر پہنچا تو وہاں انتارش نہیں تھا۔ کلرک نے مجھ سے فرنچ میں گفتگو شروع کی تو میں نے اسے انگریزی میں بتایا کہ میں فرنچ زبان سے واقف نہیں ہوں۔ وہ حیران ہو کر بڑی شستہ انگریزی میں بولا۔

"موسیو! پہلے ہماری زبان سیکھیں۔ پھر ہمارے شہر میں نوکری تلاش کریں۔"

میں نے کہا۔

"مجھے کسی پیٹرول سٹیشن پر پیٹرول ڈالنے کی ہی نوکری دے دیں"

وہ کہنے لگا۔

"اس کے لئے بھی فرنچ زبان کا جاننا ضروری ہے۔ تم گاہکوں سے انگریزی میں بات کرو گے تو وہ تمہاری زبان نہیں سمجھیں گے۔"

میں نے یہ دیکھا تھا کہ فرانس کے لوگ زبان کے معاملے میں بھی بڑے متعصب تھے۔ انگریزوں سے تو ان کی پرانی چپقلش چلی آ رہی تھی۔ جو فرانسیسی انگریزی جانتا بھی تھا وہ بھی انگریزی میں بات کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ بہرحال کلرک نے میرا نام رجسٹر میں درج کر لیا اور کہا۔

"اگر تمہارے لئے کوئی جگہ نکلی تو تمہیں اطلاع کر دی جائے گی۔"

یہ محض جھوٹی تسلی ہی تھی۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ مجھے نوکری نہیں ملے گی۔ روزگار دفتر سے نکل کر فٹ پاتھ پر ایک کھمبے سے لگ کر کھڑا ہو گیا اور لوگوں کو آتے جاتے اور گاڑیوں کو گزرتے دیکھنے لگا۔ پیرس کا حسن واقعی سب سے الگ تھا۔ بوڑھی عورتوں نے بھی اس قدر میک اپ کر رکھا تھا کہ دور سے جوان لگتی تھیں۔ نئی نسل کی نوجوان لڑکیوں کی اکثریت میک اپ سے بے نیاز تھی اور لباس سے بھی تقریباً بے نیاز ہو چکی تھیں۔ بغیر آستین کی قمیض، پھٹی ہوئی پتلونیں۔ کندھوں پر جھولتے سنہرے بال۔ یا لڑکوں کی طرح کٹے ہوئے چھوٹے چھوٹے سر کے بال۔ چیونگم منہ کھول کھول کر چباتے ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کرتے گزر جاتیں۔ کسی کو میری طرف دیکھنے کی فرصت اور ضرورت نہیں تھی۔ عورت کیا یورپ کے شہروں میں کوئی مرد بھی سڑک پر چلتے دوسرے مرد کی طرف نہیں دیکھتا۔

سارا دن باقی تھا۔ سوچا واپس قبرستان میں جا کر کیا کروں گا۔ کیوں نہ سلطانہ کے خاوند غلام صادق کے اپارٹمنٹ کا ہی سراغ لگا لیا جائے۔ ایڈریس میرے پاس لکھا ہوا موجود تھا۔ میں نے دو تین آدمیوں کو ایڈریس والا کاغذ دکھا کر پتہ پوچھنے کی کوشش کی مگر ہر کوئی کاغذ پر سرسری نگاہ ڈالتا۔ سر کو نفی میں ہلاتا اور آگے چل دیتا۔ آخر ایک ہپی ٹائپ کا آدمی سامنے سے آتا نظر

میں ہلاتا اور آگے چل دیتا۔ آخر ایک ھپی ٹائپ کا آدمی سامنے سے آتا نظر آیا۔
میں نے اس کو کاغذ دکھا کر انگریزی میں کہا۔

"موسیو! مجھے اس اپارٹمنٹ بلڈنگ میں جانا ہے۔"

علاقے کا نام بھی بتایا۔ یہ ہپی اطالوی تھا مگر پیرس کے چپے چپے سے واقف تھا۔ اس نے مجھے پوری طرح سمجھایا کہ مجھے کہاں سے ٹیوب ٹرین میں سوار ہو کر کہاں اترنا ہو گا اور پھر اس کے بعد بس لے کر کونسے انٹرسیکشن یعنی چوک میں اتر جانا ہو گا۔ میں نے اسکا شکریہ ادا کیا تو وہ سر جھکا کر مسکراتے ہوئے بولا۔

"O-K سینور O-K"

میں وہاں سے چلتا ہوا زمین دوز سٹیشن میں آ گیا۔ جس نمبر کی ٹرین اطالوی ہپی نے بتائی تھی اسی ٹرین کا انتظار کرنے لگا۔ ٹرین آئی تو اس میں سوار ہو گیا۔ اس ٹرین نے کوئی آدھے گھنٹے بعد مجھے میرے مطلوبہ سٹیشن پر پہنچایا۔ یہاں سے میں ٹیوب سٹیشن سے باہر نکل آیا۔ سامنے بس سٹاپ تھا۔ وہاں سے بس میں سوار ہوا اور مطلوبہ انٹرسیکشن کے چوک والے بس سٹاپ پر اتر گیا۔

یہ پیرس کا بڑا خوبصورت اور ماڈرن عمارتوں والا علاقہ تھا۔ بلڈنگیں زیادہ اونچی نہیں تھیں مگر ان کا طرز تعمیر جدید ترین تھا۔ سلطانہ کی روح نے مجھے جس بلڈنگ کا نمبر بتایا تھا اسے تلاش کرنے میں مجھے زیادہ دقت نہیں ہوئی۔ یہ ایک خوبصورت سات آٹھ منزلہ جدید عمارت تھی۔ بلڈنگ کے سامنے گول دائرے میں سبزہ اگا تھا۔ کیاریوں میں پھول کھلے ہوئے تھے۔ ایک جانب پارکنگ میں گاڑیاں کھڑی تھیں۔ شیشے والے دروازے میں سے

لوگ آجا رہے تھے۔ میں بھی لابی میں آگیا۔ ایک طرف دیوار کے ساتھ بورڈ لگا تھا، جس پر بلڈنگ میں رہائش پذیر لوگوں کے نام اپارٹمنٹ نمبر لکھے تھے۔ میں اس میں سلطانہ کے خاوند کا نام تلاش کرنے لگا۔ ایک قطار میں نیچے جاکر غلام صادق لکھا تھا۔ اس کے آگے اپارٹمنٹ کا نمبر درج تھا۔ میں سوچنے لگا کہ مجھے اس وقت سلطانہ کے اس شخص سے ملنا چاہیے کہ نہیں۔ دل نے کہا۔ ابھی مت چلو۔ تھوڑا انتظار کر لو۔ مزید سوچ بچار کر لو۔ چنانچہ میں لابی سے نکل کر بس سٹاپ پر آگیا۔ یہاں سے پھر میری واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ پہلے بس میں سفر کیا۔ پھر زمین دوز ٹرین میں بیٹھا اور اسی جگہ پہنچ گیا جہاں سے چلا تھا۔ یہاں سے شارل کی بتائی ہوئی بس میں سوار ہو گیا۔ پھر زمین دوز ٹرین پکڑی اور پرانے پیرس میں قبرستان والی سڑک پر اتر گیا۔ میرے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں واپس قبرستان میں آکر باقی کا دن گزار دوں۔ کیونکہ میں زیادہ فرانک خرچ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

اس وقت شارل ایک تابوت میں ریشمی سنجاف دار کپڑا لگانے میں مصروف تھا۔ مجھے ایک نظر دیکھا اور دوبارہ کام میں لگ گیا۔ میں کرسی کھینچ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ کہنے لگا۔

"تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تمہیں کام نہیں ملا۔"

میں نے اسے ساری روداد سنادی۔ وہ بولا۔

"میں تمہارے لئے جو کچھ کر سکتا تھا وہ میں نے کر دیا ہے۔ اس سے زیادہ میں تمہاری مدد کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ میں تمہیں اور یہی دو تین دن اپنے پاس رکھ سکتا ہوں۔ اس کے بعد تمہیں اپنی رہائش کا کوئی دوسرا انتظام کرنا ہو گا۔"

یہ شارل کی سرد مہری نہیں تھی۔ یہ یورپ کا مزاج تھا۔ یورپ کا یہ مزاج وہاں رہنے والے لوگوں کے خون میں رچ بس چکا تھا۔ اس لئے مجھے شارل کا صاف صاف جواب دینا برا نہ لگا۔ میں نے کہا۔

"فکر نہ کرو دوست! میں دو ایک دن میں اپنی رہائش کا کوئی دوسرا انتظام کر لوں گا۔ تم نے مجھ پر جو مہربانی کی ہے، میں اسے ہمیشہ یاد رکھوں گا۔۔۔"

شارل نے تابوت میں ایک جگہ کپڑے کو جما کر کیل ٹھوکتے ہوئے کہا۔

"یہ کوئی مہربانی نہیں ہے۔ تمہیں فیروز نے میرے پاس بھیجا تھا۔ فیروز کے مجھ پر بڑے احسان ہیں۔ میرا فرض تھا کہ میں تمہیں ایک ہفتہ اپنے پاس ٹھہراتا۔ اس کے بعد میں مجبور ہوں۔"

وہ دن اور رات میں نے شارل کے ہاں بڑی کوفت کے ساتھ بسر کی۔ بلانشے نے اگلے روز شام کو ملنے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ اب میری امیدوں کا مرکز ایک یہی آوارہ لڑکی رہ گئی تھی۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اس کو ساری صورتحال بتا کر کہوں گا کہ وہ میرے لئے کہیں سے کوئی کام نکالے تاکہ میں کم از کم تین مہینے تو پیرس میں گزار سکوں۔

آدھا دن بھی میں نے شارل کے قبرستان میں گزار دیا۔ دوپہر کے بعد میں یہ کہہ کر وہاں سے نکل پڑا کہ ایک بار پھر نوکری کی تلاش میں جا رہا ہوں۔ بلانشے نے کہا تھا کہ میں شام کو دریائے سین کے ڈی سیگرے والے پارک میں ملوں گی۔ وہاں آ جانا۔ اس علاقے سے میں واقف ہو گیا ہوا تھا۔ چنانچہ میں شام ہونے سے پہلے ہی وہاں پہنچ گیا۔ ابھی بلانشے کے آنے میں کافی

دیر تھی۔ چنانچہ میں ایک چھوٹے سے ریستوران کے باہر فٹ پاتھ پر جو کرسیاں بچھی تھیں، وہاں بیٹھ گیا۔ یہ فٹ پاتھ کیفے فرانس کے بڑے مشہور کیفے ہیں۔ ان کیفوں میں درختوں کے نیچے بیٹھ کر کلاسیکی مصور، دانشور اور شاعر ادیب کافی اور بیئر وغیرہ پیا کرتے تھے۔ ان فٹ پاتھ کے ریستورانوں کا تب سے لے کر اب تک کچھ بھی نہیں بدلا۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ کئی ریستورانوں کی کرسیاں تک اسی زمانے کی ہیں۔

ایک سرخ بالوں والی لڑکی، جس نے ایرن باندھ رکھا تھا اور ہاتھ میں مینو کارڈ تھا میری میز پر آگئی۔ اس نے مسکراتے ہوئے مینو کارڈ میرے سامنے رکھ کر فرانسیسی میں کچھ کہا۔ ظاہر ہے یہی پوچھا ہو گا کہ میں کیا کھانا پینا پسند کروں گا۔ میں نے صرف اتنا کہا۔

"کافی پلیز!"

لڑکی مسکراتی ہوئی واپس چلی گئی۔ دوسری میزوں پر لال لال چہروں والے مرد اور ہر عمر کی عورتیں بیٹھی کافی اور وائن وغیرہ پی رہی تھیں اور باتیں کر رہی تھیں۔ سڑک پر ٹریفک معمولی تھی۔ بڑا رومان پرور ماحول تھا۔ لڑکی ایک چمکیلی گول ٹرے میں میرے لئے کافی لے آئی۔ میں نے کافی لے کر اسی وقت بل ادا کر دیا جو زیادہ نہیں تھا۔ وقت گزارنے کے لئے مجھے بڑی اچھی جگہ مل گئی تھی۔ میں وہاں کوئی ڈیڑھ دو گھنٹے بیٹھا رہا۔ مجھے ریستوران کے کسی آدمی نے کچھ نہ کہا۔ جب دن کی روشنی سنہری ہونے لگی تو میں کیفے سے اٹھا اور فٹ پاتھ پر دریائے سین کی طرف چل پڑا۔ یہ سارا راستہ مجھے معلوم تھا۔ ایک جگہ سے میں نے دریا کا پل عبور کیا اور دوسرے کنارے پر آگیا۔ یہاں سے شمال کی جانب ای فل ٹاور بالکل سامنے دکھائی دے رہا تھا۔

جس طرف میں چل رہا تھا اس کے آگے دریا کا چھوٹا سا پل ڈی سیگرے کا پل تھا۔ پل سے میں دائیں جانب ہو کر پارک میں آ گیا۔ یہ بڑا سرسبز و شاداب چھوٹا سا پارک تھا۔ یہاں بھی جگہ جگہ پھول کھلے ہوئے تھے۔ کچھ جوڑے بانہوں میں بانہیں ڈالے سیر میں مصروف تھے۔ ایک بنچ پر ایک جوڑا ایک دوسرے سے بغل گیر بوس و کنار میں مصروف تھا۔ کوئی اس جوڑے کی طرف دھیان بھی نہیں دے رہا تھا۔ مجھے اپنے وطن کا خیال آ گیا۔ ہمارے شہروں میں اگر کوئی جوڑا اس طرح نظر آ جائے تو وہاں ایک تھرتھری مچ جاتی ہے۔ بوس و کنار تو بڑی دور کی بات ہے اگر لاہور یا گوجرانوالہ کی سڑک پر کوئی عورت اور مرد ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلتے نظر آ جائیں تو پولیس انہیں پکڑ کر لے جاتی ہے اور دوسرے دن اخبار میں خبر چھپ جاتی ہے کہ ایک جوڑا سرِعام بازار میں رنگ رلیاں مناتا ہوا گرفتار ہو گیا۔ ہمارے ہاں تو خاوند اور بیوی بھی ڈر ڈر کے اپنے گھروں میں رنگ رلیاں مناتے ہیں کہ کہیں پولیس نہ آ جائے۔ اور دوسرے دن اخبار میں خبر نہ چھپ جائے کہ میاں بیوی اپنے گھر میں رنگ رلیاں مناتے ہوئے پکڑے گئے۔

میں پارک کے گیٹ سے ذرا دور ایک خالی بنچ پر بیٹھ گیا۔ میں سگریٹ سلگائے بیٹھا بلانشے کا انتظار کرنے لگا۔ اتنے میں ایک نیم عریاں لباس والی لال سرخ لڑکی اور لڑکا آ کر میرے قریب ہی بنچ کے دوسرے کونے میں بیٹھ گئے۔ لڑکی نے صرف جانگیہ اور بلاوز پہن رکھا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے ہم آغوشیاں کرنے لگے۔ ان کے منہ ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح جڑے ہوئے تھے کہ میرا خیال ہے ڈانگیں مار کر بھی جدا نہیں ہو

سکتے تھے۔ لڑکی عجیب عجیب آوازیں نکال رہی تھی۔ سچی بات ہے میری طبیعت
خراب ہونے لگی۔ میں وہاں سے اٹھ کر کچھ فاصلے پر دوسرے بنچ پر چلا گیا۔
شام کی روشنی آسمان پر رک گئی تھی۔ پیرس کی روشنیاں جگ مگ کرنے لگی
تھیں۔ ای فل ٹاور کی روشنیاں بھی جگمگانے لگی تھیں اور وہ ایک بہت بڑا سرو
چراغاں لگ رہا تھا۔ میں ای فل ٹاور کی روشنیوں کو دیکھنے میں مصروف تھا کہ
پیچھے سے کسی نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔
بلانشے سرخ جیکٹ سیاہ نیکر میں ملبوس میری طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔
اس کے جسم سے حسب معمول خوشبو کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ کہنے لگی:

"مجھے دیر تو نہیں ہوگئی؟ تم کب آئے تھے؟"

وہ میرے پاس ہی بنچ پر بیٹھ گئی۔ پارک میں بھی لیمپ روشن ہو گئے
تھے۔ آسمان پر بادل جھکے ہوئے تھے۔ ہم بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ ہوا چلنے
لگی۔ پارک کے درخت ہوا میں لہرانے لگے۔ بلانشے نے کہا:

"چلو' اپارٹمنٹ میں چلتے ہیں۔ میں بہت تھک گئی ہوں۔شاور
لے کر کافی پینا چاہتی ہوں۔"

ہم بس میں بیٹھے اور بلانشے کے علاقے میں پہنچ کر بس سے اتر
گئے۔ ہلکی ہلکی بارش راستے میں ہی شروع ہوگئی تھی۔ بس سے نکلے تو بارش کی
بوندیں ٹپاٹپ ہم پر گرنے لگیں۔ اس قسم کی بارش کی یورپ کے ملکوں میں
کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ ہمارے ہاں تو ذرا سی بارش شروع ہو جائے تو لوگ ادھر
ادھر ہو جاتے ہیں اور بارش سے چھپنے کے لئے جگہ تلاش کرنے لگتے ہیں۔ مگر
لندن اور پیرس کے لوگوں میں خاص طور پر میں نے دیکھا ہے کہ وہ چھوٹی
موٹی بارش میں چلتے چلے جاتے ہیں۔ اول تو جب بارش کا سیزن ہوتا ہے تو یہ

لوگ عام طور پر رین کوٹ پہن کر گھروں سے نکلتے ہیں۔ عورتیں چھوٹی چھتریاں ساتھ رکھ لیتی ہیں۔ مگر نوجوان لڑکیاں ایسا نہیں کرتیں۔ اگر بارش ذرا زیادہ ہو تو وہ اور کچھ نہیں تو اخبار یا اپنا پرس سروں کے اوپر کر لیتی ہیں۔ اگر بارش موسلا دھار ہونے لگے۔ تب وہ بارش سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

بلانشے نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ ایک بار اس نے اپنا سر بھی میرے کاندھے سے لگا دیا۔ قریب سے گذرتے ہوئے کسی نے ہماری طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ اس کے اپارٹمنٹ والی گلی حسب سابق خالی اور سنسان تھی اور بوندا باندی میں بھیگ رہی تھی۔ اوپر ایک اپارٹمنٹ کی کھڑکی میں سے فرنچ اوپیرا میوزک کی تیز آواز آ رہی تھی۔ کوئی عورت اونچی اور باریک آواز میں گا رہی تھی۔ ہم لفٹ میں کھڑے ہو گئے۔ لفٹ آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگی۔ بلانشے نے اپنا سر میرے کاندھے پر رکھا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا:

"آج تم تھکی سی لگتی ہو۔"

وہ سست آواز میں بولی:

"ہاں جیکی ڈیئر! میں بڑی تھک گئی ہوں۔ مجھے ٹرین میں بیٹھ کر تولون جانا پڑ گیا تھا۔"

"وہاں کیا کرنے گئی تھیں؟"

میں نے یونہی پوچھ لیا۔ اس نے میرے سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے یہ تجربہ بھی کیا ہے کہ یورپ کی عورتیں اور مرد قریب ترین

شخص کو بھی اپنے بارے میں ذاتی سوال نہیں کرنے دیتے۔ لفٹ تیسری منزل پر پہنچ کر رک گئی۔

بلانشے واقعی تھکی تھکی سی تھی۔ اپارٹمنٹ کا دروازہ کھول کر وہ اندر چلی گئی۔ ایک مشینی انسان کی طرح اس کا ہاتھ اپنے آپ دائیں جانب بجلی کے بٹن کی طرف اٹھا۔ کمرے کی بتی روشن ہوگئی۔ اس نے اپنا پرس پلنگ پر اچھال دیا۔ جوتے دوسری طرف پھینکے اور یہ کہتے ہوئے باتھ روم کی طرف گئی۔

"جیکی پلیز کافی کے لئے پانی رکھ دو۔"

میں نے کچن میں آکر گیس جلائی اور کافی کے لئے پانی رکھ دیا۔ بلانشے کے اپارٹمنٹ میں بے ترتیبی کا وہی عالم تھا۔ کوئی شے اپنی جگہ پر نہیں تھی۔ پلنگ پر اس کے پرانے بلاؤز اور رنگین جرابیں پڑی تھیں۔ بستر اسی حالت میں تھا جس حالت میں بلانشے نے صبح اٹھتے وقت چھوڑا تھا۔ میں نے کپڑے اٹھاکر ایک طرف کونے میں ڈالے اور بستر کو تھوڑا ترتیب سے کر دیا۔ چھوٹی میز پر سے بھی جھوٹے برتن اٹھاکر کچن میں لے گیا۔

اتنے میں پانی ابلنے لگا۔ کیتلی سیٹی بجارہی تھی۔ میں نے کافی تیار کرنی شروع کردی۔ اس دوران بلانشے بدن پر بڑا تولیہ لپیٹے چھوٹے تولیے سے بالوں کو صاف کرتی باتھ روم سے نکل آئی۔ سنگار میز کے سامنے کھڑے ہوکر وہ بالوں کو گرم ہوا دے کر خشک کرنے لگی:

"جیکی! کافی تیار ہے کیا؟"

میں نے کہا:

"بالکل تیار ہے۔"

وہ اسی طرح تولیے میں لپٹی صوفے پر آکر بیٹھ گئی۔ کمرے کا ایئر کنڈیشنر اتنا ہلکا چل رہا تھا کہ کمرے میں گرمی کا احساس ختم ہو گیا تھا۔ بلانشے نے سگریٹ سلگا لیا۔ میں کافی کے دو مگ تیار کر کے لے آیا۔

"تھینک یو ڈیئر! یو آر سو نائس۔ ایشیائی لوگ واقعی بڑے گھریلو ہوتے ہیں۔ میں نے اگر شادی کی تو کسی ایشیائی مرد سے شادی کروں گی۔"

اس نے کافی کا گھونٹ نگل کر میری طرف متوجہ ہو کر پوچھا:

"تمہارے کام کا کیا بنا؟ کوئی جاب ملا؟"

میں نے پیالی میز پر رکھتے ہوئے کہا:

"نہیں بلانشے۔ کہیں کوئی جاب نہیں ملا۔ میں تو سوچ رہا ہوں کہ واپس لندن چلا جاؤں۔"

"کیوں؟" بلانشے نے پوچھا۔

میں نے کہا:

"اس لئے کہ میرے پاس جتنے پیسے رہ گئے ہیں۔ وہ تو دو تین روز میں ختم ہو جائیں گے۔ اس کے بعد کیا کروں گا؟ لندن میں تو پھر بھی مجھے کہیں نہ کہیں کوئی جاب مل جائے گا۔ اور پھر میرے دوست بھی وہاں پر ہیں۔"

بلانشے نے سگریٹ کا دھواں اڑاتے ہوئے چھت کی طرف دیکھ کر کہا:

"کیا تم مجھے اپنا دوست نہیں سمجھتے؟"

میں نے کہا:

"سمجھتا ہوں۔ کیوں نہیں سمجھتا۔"

"تو پھر تم کیوں فکر کرتے ہو؟ تمہارے پاس فرانک ختم ہو گئے تو کیاہوا۔ میرے پاس تو فرانک ختم نہیں ہوئے۔"

میں نے بلانشے کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا:

"نہیں، نہیں بلانشے۔ میں کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتا۔ میں چاہتا ہوں خود کام کر کے فرانک کماؤں۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ مجھے خود ایسے مرد اچھے لگتے ہیں۔"

بلانشے میری طرف دیکھ کر کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھی بھر رہی تھی اور جیسے کسی گہری سوچ میں بھی تھی۔

پھر اس نے مگ صوفے سے نیچے قالین پر رکھ دیا اور کہا:

"تم میرے پاس کیوں نہیں آجاتے۔ میرے ساتھ اس اپارٹمنٹ میں رہنا۔ تم بے شک آدھا کرایہ ادا کر دیا کرنا۔ کیا خیال ہے؟ میں تو پہلے بھی تمہیں یہ آفر دے چکی ہوں۔"

میں نے کہا:

"آدھا کرایہ کہاں سے ادا کروں گا۔ کوئی نوکری، کوئی جاب ہو گی تو آدھا کرایہ دے سکوں گا۔"

بلانشے نے فرش پر سے کافی کا مگ اٹھالیا اور بولی:

"میں تمہیں ایک بڑا اچھا کام دلا سکتی ہوں۔"

میں اسکی طرف دیکھنے لگا:۔

"تو پھر دلا دو پلیز۔ تم نے پہلے کیوں نہیں مجھے بتایا؟"

بلانشے کہنے لگی:۔

"بس سوچ رہی تھی کہ تمہیں کہوں یا نہ کہوں۔۔"

میں نے پوچھا:

"کیا کسی ڈیپارٹمنٹل سٹور میں کوئی جاب ہے؟ یا کسی کارخانے میں کام کرنا ہو گا۔"

بلانشے نے ہنس کر کہا:

"جیکی! یہ کام تو چھوٹے موٹے لوگ کرتے ہیں۔ میں تو تمہیں ایسا کام دلا رہی ہوں کہ تمہیں کچھ بھی نہیں کرنا پڑے گا اور ہر ماہ فرانک کے نوٹوں سے بھرا ہوا لفافہ تمہارے اپارٹمنٹ میں پہنچ جایا کرے گا۔"

"ایسا کونسا کام ہے؟"

میں نے تعجب سے پوچھا۔ بلانشے نے کہا:

"میں بھی یہی کام کرتی ہوں۔ تم میرے ساتھ اس کام میں شامل ہو گئے تو اپنا الگ کام شروع کر سکتے ہو۔ پھر ہم لاکھوں میں کھیلیں گے۔"

میں سمجھ گیا کہ وہ کس قسم کے کام کے بارے میں کہہ رہی تھی۔ یہ سمجھنا کوئی مشکل نہیں تھا۔ کیونکہ پیرس میں خاص طور پر اس قسم کے کام کی بڑی فراوانی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا:

"کیا یہ کوئی ڈرگ بزنس ہے؟"

بلانشے کہنے لگی:

"ڈرگ بزنس ضرور ہے مگر اس میں کسی قسم کا تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔ تمہیں ایک شے ایک جگہ سے لے کر اسی شہر میں کسی دوسری جگہ جا کر دے دینی ہو گی۔ میں بھی یہی کام کرتی ہوں۔ مگر اس میں پیسے اتنے زیادہ نہیں ملتے۔ اگر تم یہاں سے یہی ڈرگ لندن لے جا سکو تو زیادہ منافع ملے گا۔ تم

تم مرد ہو اور لندن شہر سے واقف ہو۔ وہاں رہ چکے ہو۔ وہاں تمہارے دوست بھی ہیں۔ میں لندن سے اتنا واقف نہیں ہوں۔"

میں سوچ میں پڑ گیا۔ پہلے تو خیال آیا کہ نہیں یہ ناجائز کاروبار ہے۔ مجھے اس کام میں نہیں پڑنا چاہئے۔ پھر خیال آیا کہ میں اگر ہیروئن یا کوکین ایک جگہ سے لے کر دوسری جگہ پہنچاؤں گا تو یہ نشہ یورپ کے گورے ہی کریں گے۔ اس گوری قوم نے ہم پر جابروں کی طرح حکومت کی ہے۔ ہمیں بھی بڑے نشے لگائے ہیں۔ ان سے بدلہ لینا چاہئے۔ ان کو زیادہ سے زیادہ نشے کا عادی بنانا چاہئے۔ بلانشے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے ذرا جھک کر مجھ سے پوچھا:

"کیا فیصلہ کیا ہے تم نے؟"

میں نے بے اختیار کہہ دیا:

"مجھے منظور ہے۔"

اس نے خوش ہو کر میرا منہ چوم لیا۔ کہنے لگی:

"اب میری بات غور سے سنو۔ ہم دوسرے ایجنٹوں کا آلہ کار بننے کی بجائے خود ایک خاص جگہ سے منشیات لے کر دوسرے شہروں میں سپلائی کریں گے۔ اس طرح ہمیں بہت زیادہ منافع ہو گا۔ جیکی! یقین کرو۔ ہم سے دولت سنبھالی نہیں جائے گی۔"

میں نے کہا:

"نہیں، نہیں بلانشے۔ مجھے اتنی دولت نہیں چاہئے۔ میں زیادہ خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ اگر پکڑا گیا تو میرے ملک کی بدنامی ہو گی۔"

وہ بولی:

"پکڑے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمیں لندن جاکر کسی دوکان پر بیٹھ کر ڈرگ کے پیکٹ فروخت نہیں کرنے۔۔۔ ہمیں تو مال ایک جگہ سے اٹھاکر دوسری جگہ صرف پہنچا دینا ہے۔"

اس نے میرے گھٹنے کو آہستہ سے تھپتھپاتے ہوئے کہا:

"فکر نہ کرو۔ میں تمہیں سب کچھ سمجھا دوں گی۔ ابھی اٹھو۔ کپڑے ٹھیک ٹھاک کرو۔ منہ ہاتھ دھو لو۔ ہم مولین روج چلتے ہیں۔"

میں نے بڑے اشتیاق کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"مجھے مولین روج دیکھنے کا بڑا شوق ہے۔ یہ وہی مولین روج ہے نا' جہاں فرانس کا مایہ ناز مصور لاترے بیٹھ کر رقص کرتی دوشیزاؤں کے خاکے بنایا کرتا تھا؟"

بلانشے نے گردن جھٹک کر اٹھتے ہوئے کہا:

"وہاں بہت سے پینٹرز بیٹھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے لاترے بھی وہاں بیٹھا ہوا مل جائے۔"

بلانشے فرانس کے مصوروں کی تاریخ سے بالکل واقف نہیں تھی۔ میں نے اسے کہا:

"بلانشے! لاترے جو مصور تھا' وہ تو آج سے سو برس پہلے اس کیفے میں بیٹھا کرتا تھا۔"

وہ سنگار روم میں شیشے کے سامنے کھڑی بالوں میں زور زور سے برش پھیر رہی تھی۔ کہنے لگی:

"بیٹھا کرتا ہو گا۔ تم تھوڑی دیر کے لئے یا تو منہ دوسری طرف کر لو یا باتھ روم میں چلے جاؤ۔ میں کپڑے پہننے لگی ہوں۔"

میں بادل نخواستہ اٹھ کر باتھ روم میں جاکر منہ ہاتھ دھونے لگا۔

☆

ہم دونوں تیار ہو کر نکلے اور ٹیوب ٹرین کے ذریعے مولین روج کی طرف روانہ ہوگئے۔ مولین روج پیرس کے قدیم کیفوں میں سے ہے۔ یہ کیفے بھی تھا، رقص گاہ بھی تھی، کلب بھی تھا۔ یہاں انیسویں صدی کے شروع میں فرانس کے اکثر دانشور ادیب، شاعر اور مصور شام کو آکر بیٹھا کرتے تھے۔ ان میں تولاوزے لاترے بندے مشہور تھا۔ اس کی دونوں ٹانگیں چھوٹی تھیں۔ شام کو روزانہ مولین روج میں آکر ایک خاص میز پر بیٹھ جاتا۔ ڈرائنگ کاپی سامنے رکھ لیتا اور سٹیج پر رقص کرتی عورتوں کے خاکے بناتا۔ پھر ان خاکوں کو سامنے رکھ کر اپنے سٹوڈیو میں جاکر ان کی تصویریں پینٹ کرتا۔ اس مصور کی خاص بات لائٹ اینڈ شیڈ اور تصویروں میں اونچائی کا احساس تھا۔ بیلے رقص کرتی لڑکیوں کی اس کی بنائی ہوئی تصویروں کا شمار دنیا کی کلاسیکل تصویروں میں ہوتا ہے۔ مولین روج کی پیشانی پر بتیاں جگ مگ کر رہی تھیں۔ بلانشے نے کہا:

"یہ جگہ آج تک اسی طرح ہے، جس طرح سو برس پہلے ہوا کرتی تھی۔ اندر صرف کرسیاں میز لکڑی کی جگہ لوہے اور پلاسٹک کے آگئے ہیں۔"

مولین روج کا ہال کمرہ لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ میزوں کے گرد ہر قسم کے لباس میں پیرس کی حسین دوشیزائیں، بوڑھی عورتیں جنہوں نے جوان لڑکیوں سے بڑھ چڑھ کر میک اپ کیا ہوا تھا، بیٹھی خوش گپیوں اور کھانے پینے میں مشغول تھیں۔ سامنے سٹیج پر جواں سال خوبصورت رقاصائیں اچھل اچھل کر بیک گراؤنڈ میں بجتے میوزک کی دھن پر رقص کر رہی تھیں۔

وہ انیسویں صدی کے کاسٹیوم میں ملبوس تھیں۔ کالے گھگرے، گھٹنوں سے اوپر چڑھی ہوئی باریک سیاہ جرابیں، کالی گرگابیاں، کھلے گریبانوں والی مخملیں کرتیاں، سیاہ ہیٹ جن کی ایک طرف پلاسٹک کے پھول لگے تھے۔ گالوں پر بے تحاشا سرخی پاؤڈر تھوپا ہوا تھا۔

فضا قسم قسم کی فرانسیسی پرفیومز کی خوشبوؤں سے بوجھل ہو رہی تھی۔ ان خوشبوؤں میں سگاروں، سگریٹوں اور پائپ کے تمباکو کی بو بھی شامل تھی۔ نیم عریاں ویٹر لڑکیاں ہاتھوں میں چمکیلے طشت لئے میزوں کے گرد چل پھر کر سروس کر رہی تھیں۔ میں نے انیسویں صدی کے مصوروں، شاعروں اور ادیبوں کے بارے میں جو کتابیں پڑھی تھیں اور جو نقشہ انہوں نے اس زمانے کے مولین روج کا کھینچا تھا، وہی نقشہ میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ مجھے ایسے لگ رہا تھا جیسے میں انیسویں صدی کے فرانس میں آگیا ہوں۔

بلانشے میرے پاس بیٹھی مجھے اسی فرانسیسی گیت کا مطلب سمجھا رہی تھی جو سٹیج پر رقص کرتی ڈانسریں گا رہی تھیں۔

ہم ڈیڑھ گھنٹے تک مولین روج کی رومانوی فضا میں بیٹھے کافی اور بیئر وغیرہ سے جی بہلاتے رہے۔ جس وقت مولین روج سے باہر نکلے تو ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ چمکتی ہوئی گاڑیاں بارش میں بھیگتی ہوئی آکر لابی کے باہر کھڑی ہوتیں۔ خوش لباس خواتین مردوں کا بازو تھامے چھتریوں کے سائے میں باہر نکلتیں اور شوفر گاڑی کو آگے لے جاتا۔ میں نے بلانشے سے کہا۔

"اب کہاں چلنا ہے؟"

اس نے ہونٹوں کو سکیڑتے ہوئے کہا۔

"میں تو یہی چاہتی ہوں کہ تم میرے ساتھ اپارٹمنٹ میں چلو۔ شارل انڈر ٹیکر کے قبرستان کو بھول جاؤ۔ کیا تم وہاں جانا چاہتے ہو؟"

میں نے کہا۔

"کم از کم شارل کا شکریہ تو ادا کرنا چاہیے اور اسے یہ بھی بتا آؤں کہ میں نے دوسری جگہ تلاش کر لی ہے۔"

بلانشے نے سگریٹ نکال کر سلگایا۔ ہم مولین روج کی لابی میں ایک طرف کھڑے تھے۔ وہ کہنے لگی۔

"کل چلے جانا۔ اس وقت بارش ہو رہی ہے۔ چلو اپنے اپارٹمنٹ میں چلتے ہیں۔"

وہ رات بھی میں نے بلانشے کے اپارٹمنٹ میں گزاری۔ اسی رات یہ فیصلہ ہو گیا کہ میں بلانشے کے ساتھ ہی رہوں گا۔ اور پیرس میں زیادہ سے زیادہ خوشحالی کے ساتھ عیش و عشرت کرنے اور زیادہ پیسے حاصل کرنے کے لالچ میں آکر میں نے بلانشے کے ساتھ ناجائز منشیات کے کاروبار میں شامل ہونے کی حامی بھر لی۔ یہ میں نے ایک اور گناہ کیا تھا۔ جس کی سزا مجھے آگے چل کر بھگتنی پڑی۔

دوسرے دن میں شارل کے پاس گیا۔ اسے بتایا کہ میں نے دوسری رہائش کا انتظام کر لیا ہے۔ وہ بڑا خوش ہوا۔ اس نے بالکل نہ پوچھا کہ میں نے کہاں اور کیسے انتظام کر لیا ہے۔ کیونکہ یہ یورپ کے مزاج کے خلاف ہے۔ اس قسم کی باتوں کو یہ لوگ آدمی کی ذاتی باتیں سمجھتے ہیں اور وہ دوسرے کے ذاتیات میں کبھی دخل نہیں دیتے۔ بلانشے سے میری کتنی بے

تکلفی تھی۔ مگر اس کے باوجود بعض ایسی باتیں تھیں کہ وہ مجھے ان میں مداخلت کرنے کی بالکل اجازت نہیں دیتی تھی۔ فوراً مجھے ٹوک دیتی تھی۔

"جیکی! یہ میرا پرسنل معاملہ ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ تم اس میں دخل اندازی کرو۔"

یہ بات آدمی کی شخصیت کو مضبوط بنانے میں بڑی مددگار ثابت ہوتی ہے۔ میں نے شارل اور اس کی اداس رہنے والی بیوی کا شکریہ ادا کیا اور واپس بلانشے کے پاس آ گیا۔ مجھے وزیر آباد کی سلطانہ اختر نے جو کام سونپا تھا اس کا مجھے برابر خیال تھا۔ لیکن میں چاہتا تھا کہ میں معاشی طور پر سیٹ ہو جاؤں تو اطمینان سے اس کی بیٹی کے پاس جا کر معاملاتِ معلوم کروں گا۔ اس روز مجھے بلانشے نے ناجائز کاروبار کی ساری تفصیل سمجھائی۔ یہ ایک ایسے جرائم پیشہ گروہ سے منسلک تھی جو کوکین کا ناجائز کاروبار کرتی تھی۔ یہ کوکین کہاں سے آتی تھی؟ پیرس کیسے پہنچتی تھی؟ اس کے بارے میں بلانشے کو کچھ معلوم نہیں تھا۔

"اس بارے میں بے حد رازداری سے کام لیا جاتا ہے۔ بعض اوقات ہمیں خود بھی معلوم نہیں ہوتا کہ جو آدمی ہم سے کوکین وصول کرے گا' اسکی شکل و صورت کیسی ہوگی۔ بس ہم کوکین کا پیکٹ جو کسی بھی شکل میں ہوتا ہے' ڈراپ سپاٹ پر رکھ آتے ہیں اور مال اصل آدمی تک پہنچ جاتا ہے"

ہم نے یہ طے کیا کہ بجائے دوسرے ایجنٹوں کا آلہ کار بننے کے' ہم خود سول ایجنٹ سے مال خرید کر یورپ کے دوسرے شہروں میں اسمگل کریں گے۔ بلانشے کو اس سلسلے میں کافی معلومات حاصل ہو چکی تھیں۔ ایک ایسا بوڑھا سمگلر اس کا دوست تھا جو پیرس میں کوکین کا بڑا ایجنٹ تھا۔ شام کو

بلانشے مجھے اس کے پاس لے گئی۔ یہ مضبوط جسم والا باکسر ٹائپ کا بوڑھا فرانسیسی سمگلر پیرس شہر کے باہر ایک خوبصورت باغیچے والے کاٹیج میں رہتا تھا۔ کاٹج کے پیچھے ایک چھوٹی سی نہر بہتی تھی۔ بلانشے کو وہ گلے لگ کر ملا۔ میرے ساتھ گرمجوشی سے ہاتھ ملایا اور فرانسیسی میں کچھ کہا۔ بلانشے نے اسے بتایا کہ میں انگریزی زیادہ اچھی بول لیتا ہوں۔ بوڑھا سمگلر مجھ سے انگریزی میں بات کرنے لگا۔ ہم ایک چھوٹے سے خوبصورتی سے سجے ہوئے ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے۔ ملازمہ ہمارے لئے کافی لے آئی۔

کافی پیتے ہوئے بلانشے بوڑھے سے فرنچ میں باتیں کرنے لگی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ اسے اپنا منشا بیان کر رہی ہے۔ اور اسے بتا رہی ہے کہ وہ میرے ساتھ مل کر الگ "بزنس" کرنا چاہتی ہے۔ بوڑھا سمگلر بیئر کا مگ ہاتھ میں لئے کبھی کبھی اسکا گھونٹ بھر لیتا تھا۔ وہ کسی وقت سر ہلا دیتا اور کسی وقت نفی میں سر ہلاتا۔ جب بلانشے اپنی بات ختم کر چکی تو بوڑھے سمگلر جس کا نام والٹر تھا' اٹھ کر دوسرے کمرے میں گیا۔ وہاں سے ایک فائل اٹھا لیا۔ اس نے فائل کھول کر بلانشے کے آگے رکھ دی اور انگریزی میں کہا:

"یہاں دستخط کر دو۔"

میری طرف دیکھ کر بھی اس نے یہی جملہ دہرایا۔ بلانشے نے قلم پرس میں سے نکال کر بلا جھجک کر دستخط کر دیئے۔ قلم میری طرف بڑھا کر کہنے لگی:

"جیکی! تم بھی یہاں دستخط کر دو۔"

میں ذرا ہچکچایا تو اس نے قلم میرے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا:

"نو پرابلم جیکی! میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ معمولی دفتری کارروائی ہے۔"

میں نے سوچا کہ میں نے ان لوگوں کو کونسا اپنا اصلی نام بتایا ہے۔ اگرچہ میرے دوسرے نام کے دستخطوں سے بھی ماہرین میرا رسم الخط پہچان سکتے تھے لیکن دستخط کئے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ میرے سامنے کوکین کی ناجائز کمائی سے حاصل کی ہوئی دولت اور پیرس میں شاندار عیش و عشرت کی زندگی کا رنگین تصور ابھر آیا تو میں نے فوراً دستخط کر دیئے۔

بوڑھا سمگلر والٹر فائل لے کر دوسرے کمرے میں چلا گیا بلانشے انگریزی میں مجھ سے کہنے لگی:

"والٹر نے مجھ پر خاص مہربانی کی ہے۔ ورنہ یہ لوگ اپنے پرانے سے پرانے ساتھی کو بھی اس طرح اپنے کاروبار میں شریک نہیں کرتے۔"

میں نے اس سے پوچھا:

"اب ہمیں کیا کرنا ہو گا۔"

بلانشے مسکراتے ہوئے بولی:

"جو کرنا ہو گا' وہ میں تمہیں پوری طرح سمجھا دوں گی۔ تم فکر نہ کرو۔ یہی بہت بڑی بات ہے کہ بوڑھے والٹر نے مجھ پر اعتماد کیا ہے اور سیکورٹی رکھوائے بغیر ادھار پر مجھے کوکین کی پہلی کھیپ دے دے گا۔"

کوکین کا نام سن کر میرے اندر ایک جھرجھری کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بڑا خطرناک اور یورپ میں سخت ناپسندیدہ قسم کا جرم تھا۔ لیکن میں اب اس دلدل میں اتر چکا تھا۔

بوڑھا والٹر واپس آکر صوفے پر ہمارے سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے بڑا قیمتی سگار بکس میں سے نکال کر سلگایا اور اس کا دھواں اڑاتے ہوئے بلانشے سے انگریزی میں کہنے لگا:

"اب تم رات کو دس بجے میرے پاس آؤگی۔ جیکی کو بھی ساتھ لانا۔ مال کی پہلی کھیپ تمہیں مل جائے گی۔ مگر یہ بات میں تمہیں ایک بار پھر کہوں گا کہ مال کی ڈسٹری بیوشن میں تمہیں بڑی احتیاط سے کام لینا ہو گا اور یہ تو تم جانتی ہی ہو کہ اگر تم میں سے کوئی بھی پکڑا گیا تو میرا نام تمہاری زبانوں پر نہیں آئے گا ورنہ۔۔۔۔۔"

بلانشے بولی:

"تم اس معاملے میں بے فکر رہو۔ میں اس بزنس کے سارے رولز اور ریگولیشنز جانتی ہوں۔ او۔ کے مائی ڈیئر والٹر۔ ہم رات کو پھر ملیں گے۔"

"او کے، سویٹ گرل۔"

بوڑھے والٹر نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور بلانشے کو گلے لگا کر رخصت کیا۔ کاٹج سے باہر نکلتے ہی بلانشے نے مجھے اپنے گلے لگا لیا۔ وہ بڑی خوش نظر آ رہی تھی۔ کہنے لگی:

"جیکی! ہم دونوں کی قسمت کھل گئی ہے۔ میں خود الگ کاروبار کرنے کا سوچ رہی تھی۔ کئی بار اسکا خیال آیا کہ دوسروں کا آلہ کار بننے کی بجائے کیوں نہ میں خود اپنا الگ کام شروع کر دوں۔ مگر مجھے کوئی موزوں اور قابل اعتماد ساتھ نہیں مل رہا تھا۔ تم یورپ اور خاص طور پر فرانس کے جرائم پیشہ لوگوں سے واقف نہیں ہو۔ ان پر تو ان کے ماں باپ اور بھائی

بہن بھی اعتماد نہیں کرتے۔ یہ لوگ دولت اور عورت کے لالچ میں آکر کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ تم جب مجھے ملے تو میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ مل کر یہ کام شروع کر دوں گی۔ ایشیا کے لوگ بڑے وفادار اور قابل اعتماد ہوتے ہیں۔"

میں نے بلانشے سے کہا:

"جو پیکٹ تم بوڑھے والٹر سے لاؤ گی، اسے کہاں رکھو گی؟ کیا وہاں چھاپے کا خطرہ نہیں ہو گا۔"

بلانشے میرے ساتھ لگی فٹ پاتھ پر چل رہی تھی۔ ہم ٹیوب سٹیشن کی طرف جا رہے تھے۔ کہنے لگی:

"تم مجھے بالکل ہی اناڑی مت سمجھو۔ میں پچھلے کئی سال سے یہ کاروبار کر رہی ہوں۔ مجھے سب معلوم ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہو گا اور کس طرح اپنے ہاتھ صاف ستھرے رکھنے ہوں گے۔"

میں مطمئن ہو گیا۔ یہ بھی میری حماقت تھی۔ مجھے مطمئن نہیں ہونا چاہئے تھا۔ مجھے معلوم ہونا چاہئے تھا کہ اس قسم کے ناجائز کاروبار میں آدمی کو سب کچھ مل جاتا ہے مگر اطمینان کبھی نصیب نہیں ہوتا۔ پولیس کا خوف ہر وقت سر پر تلوار کی طرح لٹکتا رہتا ہے اور آدمی انتہائی حفاظتی اقدامات کے باوجود کسی بھی وقت پولیس کے ہتھے چڑھ سکتا ہے۔ لیکن وہی بات کہ آدمی کے سر پر جب شیطان بھوت بن کر سوار ہو جاتا ہے اور انسان جب اپنے آپ کو شیطان کے حوالے کر دیتا ہے تو پھر سب سے پہلے شیطان یہ کام کرتا ہے کہ اس کی عقل مار دیتا ہے۔ آدمی کی عقل اس سے الگ ہو جاتی ہے۔ میری بھی

عقل مجھ سے الگ ہو گئی تھی۔ کیونکہ میں نے اپنے آپ کو شیطان کے حوالے
کر دیا تھا۔

اپنے اپارٹمنٹ میں جاتے ہی بلانشے نے بوٹ اتار کر زور سے
دیوار پر دے مارے اور دونوں بازو کھول کر کہا:

"جیکی! اب ہم اس گھٹیا قسم کے اپارٹمنٹ میں نہیں رہیں گے۔ تم
دیکھ لینا۔ اگلے مہینے ہمارا دریائے سین کے کنارے اپنا خوبصورت کاٹیج ہو گا۔
ہم اعلیٰ سے اعلیٰ پوشاک پہنیں گے۔ اوپیرا ہاؤس میں جاکر اوپیرا بھی دیکھیں
گے اور ڈنر بھی کریں گے۔"

پھر میری طرف دیکھ کر بولی:

"جانتے ہو میں تمہیں پیرس کے اوپیرا ہاؤس میں لے کر کیوں نہیں
گئی؟ اس لئے کہ اس کی ٹکٹ اتنی ہے کہ صرف بڑے بڑے صنعت کار اور

ہم دونوں تیار ہو کر نکلے تو بس سٹاپ پر آ کر بلانشے مجھ سے جدا ہو گئی۔ پہلی بار اس نے جدا ہوتے ہوئے بڑی گرمجوشی سے سرعام میرا منہ چوم لیا۔ جب وہ چلی گئی تو میں نے سوچا کہ کیوں نہ سلطانہ کی بیٹی کے ہاں جا کر اس سے ملا جائے۔ ان لوگوں کی اپارٹمنٹ بلڈنگ میں دیکھ چکا تھا۔ میں نے اس طرف جانے والی بس پکڑی اور آدھے گھنٹے بعد سلطانہ اختر کا شوہر غلام صادق جس بلڈنگ میں رہتا تھا' وہاں پہنچ گیا۔ سلطانہ اختر نے مجھے بتایا تھا کہ جس لاکر میں اس نے اپنی بیٹی سعیدہ کے لئے زیورات اور بعض دوسرے کاغذات رکھے ہوئے ہیں۔ اس کی چابی ایک پلاسٹک کے لفافے میں بند کر کے اس نے بلڈنگ کے سامنے جو باغیچہ ہے' اس میں پام کے بڑے گملے کے نیچے کر کے چھپا دی ہوئی ہے۔

میں بلڈنگ میں داخل ہونے کی بجائے اس کے سامنے جو نصف دائرے کی شکل میں باغیچہ بنا ہوا تھا۔ وہاں آ گیا اور ایک خالی بنچ پر بیٹھ کر سگریٹ پینے لگا۔

میری نظریں بار بار پام کے اس بڑے گملے کو دیکھ رہی تھیں جو باغیچے میں داخل ہوتے ہی بائیں جانب جھاڑیوں کی دیوار کے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ مجھے اسی گملے کے نیچے سے لاکر کی چابی والا لفافہ نکالنا تھا۔ ابر آلود موسم ہونے کی وجہ سے لوگ زیادہ نہیں تھے۔ ابر آلود موسم کو یورپ میں پسند نہیں کیا جاتا اور لوگ زیادہ سے زیادہ ایسے موسم میں اپنے گھروں یا دفتروں میں ہی رہتے ہیں۔ لابی میں صرف دو بوڑھی عورتیں ہیٹ لگائے صوفے پر بیٹھی ایک دوسری سے باتیں کرنے میں محو تھیں۔ میں آہستہ آہستہ اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ پھر میں اس طرح گھاس پر جھک گیا' جیسے میری کوئی چیز گر گئی ہو۔ میں دو چار قدم

اٹھاکر پام کے بڑے گملے کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ اس کے نیچے ایک طرف سے سوراخ بنا ہوا تھا۔ میں نے سوراخ کے اندر ہاتھ ڈالا تو کافی آگے جاکر میرا ہاتھ پلاسٹک کے لفافے سے ٹکرایا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور باہر نکال کر اسے دیکھے بغیر پتلون کی جیب میں ڈالا اور سگریٹ کے کش لگاتا بڑے مزے سے ٹہلتا ہوا لابی میں آگیا۔ بلڈنگ کے باتھ روم پہلو میں ہی تھے۔ میں ایک باتھ روم میں گھس گیا۔

جلدی سے جیب سے لفافہ نکال کر دیکھا۔ پلاسٹک کے لفافے کے اندر خاکی رنگ کا ایک اور لفافہ تھا جس کا رنگ پھیکا پڑ چکا تھا۔ اسے کھولا تو اس کے اندر لاکر کی چابی ایک چھلے میں پروئی ہوئی محفوظ پڑی تھی۔ میں نے پلاسٹک کا لفافہ ٹریش کین میں پھینک دیا۔ دوسرا لفافہ سنبھال کر جیب میں رکھا اور واپس لابی میں آکر ایک بار پھر اس بورڈ کے پاس آگیا جس پر بلڈنگ میں رہنے والوں کے نام اور اپارٹمنٹ کے نمبر لکھے ہوئے تھے۔

یہاں سلطانہ اختر کے خاوند کے نام کے آگے اس کے اپارٹمنٹ کا نمبر لکھا ہوا تھا۔ اس کے آگے آؤٹ کی جگہ ان کا حرف نمایاں تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ سلطانہ کا خاوند اپنے اپارٹمنٹ میں ہی تھا۔ میں سوچنے لگا کہ مجھے اسی طرح اس سے جاکر ملنا چاہئے یا نہیں۔ کچھ دیر تک میں لابی کے صوفے پر بیٹھا اسی سوچ بچار میں رہا۔ پھر فیصلہ کیا کہ ملنے میں کوئی حرج نہیں۔ آخر کبھی نہ کبھی تو اسے ملنا ہی پڑے گا۔

میں نے لفٹ میں داخل ہو کر تین کا بٹن دبادیا۔ سلطانہ کا خاوند تیسری منزل پر رہتا تھا۔ تیسری منزل پر آکر میں اس کے نمبر والے اپارٹمنٹ کے سامنے آکر رک گیا۔ ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا۔ پھر کال بٹن دبادیا۔

کمرے میں گھنٹی کے بجنے کی سریلی آواز سنائی دی۔ دوسری گھنٹی پر اندر سے کسی نے دروازے کے سوراخ کی تختی ہٹاکر میری طرف دیکھا اور فرنچ زبان میں پوچھا:

"کون ہے؟"

میں نے انگریزی میں کہا:

"مجھے مس سعیدہ سے ملنا ہے۔ میں پاکستان سے آیا ہوں۔"

جب مجھے اندر سے ایک نوجوان لڑکی کی آواز آئی تھی تو میں سمجھ گیا تھا کہ اندر سعیدہ ہی ہے۔ اگر اسکا باپ ہوتا تو وہ خود دروازے پر آتا۔ اپنا نام اور پاکستان کا نام سن کر مزید کچھ سوچے سمجھے بغیر لڑکی نے دروازہ کھول دیا۔ میرے سامنے ایک دبلی پتلی سانولے رنگ کی مگر بڑی دلکش نقوش والی بالکل نوجوان لڑکی کھڑی تھی۔ اس نے شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔ بال کٹے ہوئے تھے مگر چہرے پر مشرقی حیاداری صاف جھلک رہی تھی۔ اس نے دروازے کو پورا نہیں کھولا تھا۔ وہ آگے ہو کر بڑے اعتماد سے کھڑی تھی۔ اس نے انگریزی میں ہی مجھ سے پوچھا:

"آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں انکل؟ میرے ڈیڈی مارسیلز گئے ہوئے ہیں۔ رات کو آئیں گے۔"

میں نے بڑی شفقت سے کہا:

"سعیدہ بیٹی! تم نے مجھے انکل کہا ہے تو اب مجھے اپنا انکل ہی سمجھو۔ دراصل میں تم سے ہی ملنے آیا ہوں۔ لیکن یہاں دروازے میں کھڑے کھڑے میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا کہ میں تمہیں کس لئے ملنا چاہتا ہوں۔۔۔۔ ۔۔۔"

آخری دو فقرے ممی نے پنجابی زبان میں ادا کئے تھے۔ سعیدہ مسکرائی اور دروازے کے آگے سے ہٹ گئی۔ میں کمرے میں آگیا۔ ڈرائینگ روم بڑے سلیقے اور خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ کارنس پر بڑے قیمتی چینی کے گلدان رکھے ہوئے تھے۔ آسائش کی ہر شے موجود تھی۔ سعیدہ نے بڑے اشتیاق کے ساتھ مجھ سے انگریزی میں پوچھا:

"انکل آپ مجھ سے کس لئے ملنا چاہتے ہیں۔ آپ پاکستان کے کس شہر سے آئے ہیں؟"

میں نے اس سے پنجابی میں پوچھا:

"بیٹی کیا تم پنجابی زبان نہیں جانتی ہو؟"

وہ شرما سی گئی۔ پنجابی میں کہنے لگی:

"جانتی ہوں انکل! میری ماما خاص طور پر مجھ سے پنجابی میں بات کیا کرتی تھیں۔ وہ کہا کرتی تھیں کہ آدمی کو اپنی مادری زبان کبھی نہیں بھولنی چاہئے۔"

میں نے کہا:

"شاباش! تمہاری ماما بڑی اچھی عورت تھیں۔ اس کا انتقال کب ہوا تھا۔ کیا وہ بیمار تھیں؟"

میں نے دیکھا کہ سعیدہ کا چہرہ ایکدم اداس ہو گیا۔ سانس بھر کر بولی:

"ہاں انکل وہ بیمار ہوئی تھیں۔ بس اللہ میاں کو یہی منظور تھا۔ انکل! آپ نے بتایا نہیں کہ آپ پاکستان کے کس شہر سے آئے ہیں۔ مجھے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔ کیا میری نانی' نانا جان نے آپ کو میرے پاس بھیجا ہے؟"

میں نے پوچھا:

”کیا تم اپنے نانا‘ نانی سے ملنا چاہتی ہو؟“

سعیدہ نے اداس لہجے میں کہا:

”مجھے ان سے کوئی بھی ملنے نہیں دیتا۔ میں نے تو انہیں صرف ایک بار ہی دیکھا ہے۔“

میں نے کہا:

”بس بیٹی‘ یوں سمجھ لو کہ میں پاکستان کے شہر وزیر آباد سے آیا ہوں۔“

سعیدہ جلدی سے کہنے لگی:

”میرے نانا‘ نانی وزیر آباد میں ہی رہتے ہیں انکل‘ میری ماما بھی وزیر آباد میں پیدا ہوئی تھیں۔ کیا نانا نانی نے مجھے پاکستان بلایا ہے؟ کیا آپ ان سے مل کر آئے ہیں؟“

میں نے موقع غنیمت جان کر فوراً کہہ دیا:

”سعیدہ بیٹی! میں تمہاری ماما سے مل کر آرہا ہوں۔“

وہ ایکدم چونک کر میرا منہ تکنے لگی:

”ماما سے آپ کیسے مل سکتے ہیں انکل؟ وہ تو مر چکی ہیں۔“

میں نے جیب سے لفافہ نکالا اور لاکر کی چابی اسے دکھاتے ہوئے کہا:

”یہ دیکھو۔۔۔ یہ اس لاکر کی چابی ہے جس میں تمہاری ماما نے اپنے زیور تمہارے لئے سنبھال کر رکھے ہوئے تھے۔“

وہ لاکر کی چابی کو اور اس کے ساتھ بینک والوں کی طرف سے ملی ہوئی رسید کو گھور کر دیکھنے لگی۔ اس کے بعد میں نے اسے ساری بات بیان

کر دی۔ مگر اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ کون یقین کرتا ہے کہ کسی کو رات کے وقت کوئی روح ملی تھی۔ لوگ تو اسے مجذوب کی بڑ ہی سمجھیں گے۔ میں نے اس سے پوچھا:

"مجھے بتاؤ کیا تم اپنی نانا نانی کے پاس واپس جانا چاہتی ہو؟"

اس نے فوراً جواب دیا:

"ہاں انکل۔ پلیز مجھے میری نانی نانا کے پاس پہنچا دیں۔ میں یہاں نہیں رہنا چاہتی۔"

میں نے اس سے پوچھا:

"کیا تمہارے پاس پاسپورٹ ہے؟"

اس نے بتایا کہ وہ فرانس کی نیشنل ہے اور بالغ ہے اور اس کے پاس فرانسیسی پاسپورٹ ہے۔ میں نے اسے کہا:

"ایک بار پھر مجھے بتاؤ کیا تم واقعی پاکستان اپنی نانی اور نانا کے پاس جانا چاہتی ہو یا پیرس میں اپنے باپ کے پاس ہی رہنا چاہتی ہو۔ تمہاری ماما کی روح کی خواہش ہے کہ میں اس کے سارے زیور تمہارے حوالے کر کے تمہیں پاکستان پہنچا دوں۔"

سعیدہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کہنے لگی:

"میری ماما ٹھیک کہتی ہے۔ میں یہاں ڈیڈی کے پاس نہیں رہنا چاہتی۔ میں نانا نانی کے پاس جانا چاہتی ہوں۔"

میں نے اس سے پوچھا:

"تمہارے ڈیڈی کہاں ہیں؟"

اس نے بتایا کہ اس کا ڈیڈی دوسرے شہر گیا ہوا ہے اور رات کو واپس آجائے گا۔ میں نے اٹھتے ہوئے کہا:

"بیٹی! ایک بار پھر اچھی طرح سے غور کر لو۔ میں اگلے ہفتے تمہارے پاس آجاؤں گا۔ اور میرے بارے میں کسی سے کوئی ذکر نہ کرنا۔ اپنے ڈیڈی کو تو بالکل نہ بتانا کہ میں تم سے ملا تھا اور تمہاری ماما کے زیورات والے لاکر کی چابی میرے پاس ہے۔"

سعیدہ نے کہا:

"انکل! میں کسی سے کوئی بات نہیں کروں گی۔ پلیز آپ آج ہی مجھے یہاں سے لے چلیں۔ میرے ڈیڈی کے دوست آتے ہیں۔ وہ مجھے سخت برے لگتے ہیں۔"

میں نے کہا:

"نہیں بیٹی! میں چاہتا ہوں کہ تم اس معاملے پر ایک بار پھر سوچ سمجھ لو۔ میں تمہیں موقع دینا چاہتا ہوں۔ میں اگلے ہفتے آؤں گا۔"

اتنا کہہ کر میں وہاں سے واپس آگیا۔ وہاں سے میں سیدھا پیرس کے اس بینک کی طرف چل پڑا۔ جس کے لاکر میں سلطانہ اختر نے اپنے باقی ماندہ زیور رکھوائے ہوئے تھے۔ بینک والوں کی طرف سے ایشو کی ہوئی رسید میرے پاس تھی۔ میں نے بینک میں جاکر رسید دکھائی۔ بینک کا ایک آدمی مجھے لے کر لاکر روم میں آگیا۔ وہ دروازے کے باہر ہی کھڑا رہا۔ میں نے لاکر کے نمبر والا خانہ کھولا تو اس میں تھیلی میں لپٹے ہوئے وہ چند ایک زیور پڑے تھے' جن کے بارے میں مجھے سلطانہ اختر کی روح نے بتایا تھا۔ میں نے زیوروں کو وہیں خانے میں دوبارہ بند کر دیا اور بینک سے نکل آیا۔

دوپہر تک میں پیرس شہر کی گلیوں اور بازاروں میں گھومتا پھرتا رہا۔ ایک سٹور میں جاکر میں نے نئی جینز اور جیکٹ اور قمیض خریدی۔ اسے لفافے میں ڈالا اور ایک ریستوران میں آکر کھانا کھایا۔ اس کے بعد پرانے پیرس کے ایک سینماہاؤس میں گھس گیا۔ وہاں ایک فرانسیسی فلم چل رہی تھی۔ سوچا کچھ وقت اسی طرح گذر جائے گا۔ یہ پرانا سا سینماہاؤس تھا۔ سیٹوں کے گدے اکھڑے ہوئے تھے۔ میں سب سے الگ ہوکر ایک سیٹ پر بیٹھ گیا۔ فلم ایکشن تھرلر تھی۔ مگر امریکی فلموں کے مقابلے میں بالکل صفر تھی۔ بہرحال بیٹھا رہا۔ وقت بھی گذارنا تھا۔ انٹرول کے بعد بھی وہیں بیٹھا رہا۔ انٹرول کا وقت ختم ہوا تو اندھیرے میں ایک عورت میرے آگے سے گذری۔ اس نے جھک کر کہا:

"موسیو!"

اس نے فرانسیسی زبان میں یہی کہا ہوگا کہ مجھے گذرنا ہے' معاف کرنا۔ میں نے گھٹنے پیچھے کر لئے۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے گھٹنے پیچھے کرنے کے باوجود وہ اپنے گھٹنے میرے گھٹنوں کے ساتھ زور لگاتے ہوئے گذری تھی۔ میں نے کوئی خیال نہ کیا۔ فرانس میں اکثر ایسا ہوتا ہے۔

میں بڑے سکون سے بیٹھا ہوا فلم دیکھنے لگا۔

وہ عورت میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ حالانکہ باقی ساری سیٹیں خالی پڑی تھیں۔ عورت نے اپنا بازو میرے بازو کے ساتھ لگا دیا۔ میں نے اس کا بھی کوئی خیال نہ کیا۔ بازو لگاتی ہے یہ عورت تو لگاتی رہے۔ بازو لگانے سے کیا ہوتا ہے۔ یہ عورت اسی قسم کی کوئی شکاری عورت ہوگی۔ ایسی

عورتوں کو میں نے وہاں بہت دیکھا تھا۔ اس قسم کی عورتیں زیادہ تر ڈرگ مافیا کی ایجنٹ ہوتی ہیں۔

دو ایک منٹ گذرے ہوں گے کہ اس عورت نے مجھ پر اپنا بوجھ ڈالنا شروع کر دیا اور وہ میرے اوپر جھکنے لگی۔ اب مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں ایک ہاتھ سے اس کا بازو پیچھے ہٹاتے ہوئے انگریزی میں کہا:

"میڈم۔ پلیز پیچھے ہو کر بیٹھو۔"

وہ ایکدم پیچھے ہٹ گئی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے دوبارہ مجھ پر اپنا بوجھ ڈالنا شروع کر دیا۔ بڑی ڈھیٹ اور شاطر قسم کی عورت تھی۔ اس نے خدا جانے کس کس قسم کی کیسی کیسی خوشبوئیں لگا رکھی تھیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ میں کسی ایسے کارخانے میں آکر بیٹھ گیا ہوں جہاں بڑے بڑے ڈرموں میں مختلف قسم کے گھٹیا عطر بھرے جا رہے ہوں۔

عورت نے میرے کان میں انگریزی میں سرگوشی کی:

"موسیو۔ میرے ساتھ میرے مکان پر چلو گے؟ میں تمہیں پیار کرنا چاہتی ہوں۔"

میں نے اسکی طرف منہ کر کے سرگوشی میں جواب دیا:

"میڈم۔ تم یہاں بیٹھو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں سیٹ سے اٹھا اور سینما ہاؤس سے نکل گیا۔ لابی میں آکر میں نے سوچا کہ اب باقی کا وقت کہاں گذارا جائے۔ اب میں فرانسیسی زبان پڑھ کر تھوڑا تھوڑا مطلب نکال لیا کرتا تھا۔ سڑک پر سے گذرتے ہوئے میری نگاہ ایک گلی کے کونے پر پڑی۔ وہاں بڑے بڑے حروف میں لکھا تھا۔۔۔

"لا سٹیفانے میلارمے"

سٹیفن میلارمے انیسویں صدی کے شروع میں فرانس کا ایک بے مثال علامتی انداز میں نظمیں لکھنے والا شاعر تھا جو زیادہ دیر زندہ نہ رہا تھا مگر یورپ کے شعری ادب میں اپنا نام ہمیشہ کے لئے امر کر گیا تھا۔ پہلے تو سمجھا کہ شاید یہ کوئی ریستوران ہے۔ کیونکہ پیرس میں، میں نے کچھ ریستوران اور فٹ پاتھ کیفے ایسے دیکھے تھے جن کے نام فرانس کے مشہور ادیبوں' شاعروں کے نام پر تھے۔ جب قریب گیا تو معلوم ہوا کہ یہ کسی کی پرائیویٹ لائبریری ہے جو پبلک کے لئے کھول دی گئی ہے اور اس میں میلارمے کی شاعری کی کتابیں وغیرہ رکھی ہوئی ہیں۔ میں لائبریری میں داخل ہو گیا۔

پیرس میں وقت گذارنے کا اس سے بہتر ذریعہ میرے نزدیک اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ لائبریری ایک چھوٹے کمرے میں بنائی گئی تھی۔

دیواروں کے ساتھ آمنے سامنے دو الماریاں کتابوں سے بھری ہوئی تھیں۔ درمیان میں لمبی میز تھی جس کے گرد عمر رسیدہ لوگ بیٹھے کتابوں کے مطالعے میں غرق تھے۔ دیواروں پر میلارمے کے تصویری خاکے لگے ہوئے تھے۔ اس کی ایک رنگین تصویر بھی درمیان میں لگی ہوئی تھی۔ میں نے انڈر ٹیکر سے کہہ کر میلارمے کی نظموں کی انگریزی ترجمے کی چھوٹی سی کتاب نکلوائی اور میز پر ایک جانب بیٹھ کر پڑھنے لگا۔ میں نے لندن میں پہلی بار فرانس کے اس ابہام پرست مگر نامور شاعر کی کچھ نظموں کا انگریزی میں ترجمہ ایک انگریزی رسالے میں پڑھا تھا۔ تب سے میں اس شاعر کا مداح ہو گیا تھا۔ کتاب میں ایک نظم مجھے بہت پسند آئی۔ پانچ چھ سطروں کی نظم تھی۔ مجھے آج بھی وہ زبانی یاد ہے۔ میں آپ کو اس کا اردو میں ترجمہ کر کے سناتا ہوں۔

"اداسی اور سکون باتیں کرتے ہیں
جب یہ باتیں کرتے ہیں تو موت انہیں سمیٹ لیتی ہے
اس وقت کوہ الپس کی برف پوش دیوی
چپکے سے اندر آ کر مجھے اپنے ساتھ لگا لیتی ہے
پھر مجھے لگتا ہے کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں
زندگی کا خواب!"

یقیناً آپ کو اس نظم کا کوئی سر پیر نہیں ملا ہو گا۔ آپ اسے پوری طرح نہیں سمجھ سکے ہوں گے۔ یہ نظم اور فرانس کے ابہام پرست شاعر کا ذکر میں اس لئے بھی کر رہا ہوں کہ آپ میرا فرانس کا سفرنامہ پڑھ رہے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ کو فرانس کے سارے رنگ دکھا دوں۔ یہ حقیقت ہے کہ فرانس ایک گہرا، بہت گہرا سمندر ہے۔ اگر آپ سمندر کی گہرائیوں میں اترنے کے عادی نہیں ہیں۔ اگر آپ کا سانس لمبا نہیں ہے تو آپ فرانس کو بالکل نہیں سمجھ سکیں گے۔ آپ فرانس کے ہر شہر کی سیر کر لیں گے۔ آپ پیرس کی حسین دوشیزاؤں کے ساتھ عیش و عشرت کے لمحات بھی بسر کر لیں گے لیکن آپ کسی کو یہ کہنے کے مجاز نہیں ہوں گے کہ آپ فرانس کو سمجھ گئے ہیں۔ فرانس ہر سیاح کے آگے اپنا آپ ظاہر نہیں کرتا۔ یورپ کا یہ واحد ملک ایسا ہے کہ جو اپنے آپ کو سیاحوں سے چھپاتا ہے۔ اس ملک کو صرف وہی سیاح دیکھ سکتے ہیں جو اسی کے ہو کر رہ جاتے ہیں اور سیاح نہیں رہتے۔ میرے سفرنامے میں آپ اصلی اور حقیقی فرانس کی کہیں کہیں جھلکیاں دیکھیں گے۔ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں آپ کو فرانس کی گہرائیوں میں لے چلوں گا۔ ایسی بات نہیں ہے۔ فرانس کی گہرائیوں میں تو وہ بھی نہیں جا سکے جو وہاں پیدا ہوئے۔ اسی سمندر میں غواصی کرتے رہے اور وہیں ڈوب کر مر گئے۔ اتنا ضرور ہے کہ میں آپ کو فرانس کے حقیقی چہرے کی جھلک ضرور دکھا دوں گا۔ یہ جھلک ایسی ہی ہو گی جیسے بجلی سی چمک جاتی ہے۔ اسی مختصر سی چمک میں آپ جتنا دیکھ سکتے ہیں فرانس کو دیکھ لیجئے گا۔

میں کچھ دیر وہاں بیٹھ کر میلارمے کی نظموں سے لطف اندوز ہوتا لیکن دو ایک بار میں کھانسا تو عمر رسیدہ بوڑھوں نے بڑی ترش نگاہوں سے

میری صرف گھور کر دیکھا۔ مجھے فرانس کے ناول نویس فلا بیٹر کے ناولوں کے سخت مزاج بڈھے یاد آ گئے۔ جیب سے سگریٹ نکال کر سلگانے لگا تو ایک بوڑھے نے مجھے سختی سے ڈانٹ دیا کہ یہاں سگریٹ پینا منع ہے۔ میں نے میلا رمے سے کہا۔ بھائی! تم یہاں پر موجود نہیں ہو۔ یہاں صرف تمہاری کتابیں ہیں۔ اور میں کتاب کاؤنٹر پر رکھ کے لائبریری سے باہر نکل آیا۔

ابھی کافی لمبا دن پڑا تھا۔ وہاں دن کے وقت بھی نیون سائن روشن تھا۔ یہ بلیو مون کلب تھا۔ کلب سے مطلب یہ نہیں کہ یہاں لوگ شام کو آکر بیٹھتے اور شراب نوشی کرتے تھے۔ کلب سے مطلب یہ تھا کہ یہاں ننگے ڈانس ہوتے ہیں۔ میں اس سے پہلے پیرس میں دو چار مرتبہ اس قسم کے عریاں رقص دیکھ چکا تھا اور مجھے کوئی زیادہ اچھے نہیں لگے تھے۔ ہر چیز کا حسن میرے خیال میں اس کے واضح طور پر نظر نہ آنے میں بھی پوشیدہ ہوتا ہے۔ حقیقت کے آگے تھوڑی تھوڑی دھند چھائی ہو تو وہ زیادہ اچھی اور قابل قبول لگتی ہے۔ اور پھر میرے خیال میں قدرت نے بعض چیزیں اسی لئے پیدا کی ہیں کہ وہ کھل کر سامنے نہ آئیں۔

میں کسی جگہ بیٹھ کر وقت گزارنا چاہتا تھا۔ مجھے بلیو کلب ہی قریبی ٹھکانہ نظر آیا۔ میں اس میں داخل ہو گیا۔ یہاں صرف آپ کو وائن یا بیئر کی دو بوتلیں خریدنی ہوتی ہیں اور بس۔ بیٹھ کر عریاں ڈانس دیکھیں۔ عام طور پر لوگ اپنی گرل فرینڈز کے ساتھ یہاں آتے ہیں اور رقص کرتی عورتوں پر ہیرامنڈی والے مجروں کی طرح روپے بھی لٹاتے ہیں۔ میں نے بیئر کی ایک بوتل منگوائی اور ذرا اندھیرے کونے میں میز کے پاس بیٹھ گیا۔ کچھ فاصلے پر فلڈ لائیٹ کی روشنی میں دو عورتیں تیز ساز پر الٹے سیدھے ہاتھ چلا رہی

تھیں۔ ان کے جسم پر کوئی کپڑا نہیں تھا۔ ان میں آہستہ آہستہ اپنے کپڑے اتارنے والی بھی تھیں اور بغیر کپڑوں کے ایکدم سامنے آ جانے والیاں بھی تھیں۔ اصل میں یہ اپنے نہیں لوگوں کے کپڑے اتارتی تھیں۔ مگر وہ بھی یورپ کی اقتصادی بد حالی کی شکار تھی۔ بعد میں ایک عریاں رقص کرنے والی عورت سے میری دوستی ہو گئی۔ وہ اپنے خاوند سے علیحدہ ہو چکی تھی اور چھوٹے دو بچوں کی پرورش کر رہی تھی۔ دن کے وقت وہ ایک سٹور میں کام کرتی تھی اور رات کو ایک گھنٹہ ایک عریاں کلب میں اور ایک گھنٹہ دوسرے عریاں کلب میں ڈانس کرتی تھیں۔

جب شام کا وقت شروع ہو گیا تو میں بلانشے کے اپارٹمنٹ میں آ گیا۔ وہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی آ گئی۔ میں نے اسے خریدی ہوئی نئی پتلون اور جیکٹ وغیرہ دکھائی تو اس نے کہا۔

"یہ ابھی رہنے دو۔ تم یہ سوٹ پہنو۔"

وہ اپنے ساتھ میرے سائز کا ریڈی میڈ براون رنگ کا سوٹ ٹائی اور نئی قمیض خرید کر لائی تھی۔ میں نے نہا دھو کر سوٹ پہنا تو بلانشے میرا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔

"واؤ۔۔۔ تم تو ہیرو لگ رہے ہو۔ ویری گڈ۔ میں بھی یہی چاہتی تھی۔ جانتے ہو میں تمہیں آج رات بڑی خاص جگہ لے جا رہی ہوں۔

معلوم ہوا کہ وہ اپنے ساتھ مجھے پیرس کی ایک بڑی نامور اور بااثر شخصیت کے پاس لے جا رہی ہے۔ یہ بااثر شخصیت ایک عورت تھی جو بظاہر جاسوسی اور جرائم کے بارے میں سنسنی خیز ناول لکھتی تھی۔ مگر درپردہ وہ یورپ میں ناجائز منشیات کے گروہ کی سربراہ تھی۔ اس کے سنسنی خیز جاسوسی

ناول بھی لاکھوں کی تعداد میں ہوتے تھے اور ان سے اسے کافی آمدنی ہوتی تھی لیکن اس کی بے پناہ دولت کا اصل ذریعہ ڈرگ مافیا تھا۔ یعنی کوکین اور ہیروئین کی ناجائز سمگلنگ اور خرید و فروخت۔ پیرس کی پولیس کو اس کے گھناؤنے دھندے کی پوری خبر تھی مگر اس عورت نے پولیس والوں کو بھاری رشوتیں اور کمیشن دے کر اپنے قابو میں کر رکھا تھا۔ اس کا پیرس کے حلقے میں سیاسی اثر و رسوخ بھی تھا اور اس نے اپنے ایک خاص آدمی کو الیکشن جتوا کر اپنا اثر و رسوخ فرانس کی سرکاری مشینری تک پہنچادیا ہوا تھا۔ اس عورت کا نام بلانشے نے سلویا بتایا۔ بلانشے کہنے لگی۔

"سلویا کی عمر زیادہ نہیں ہے۔ یہی کوئی تیس پینتیس برس کے درمیان ہوگی۔ مگر اس کی صحت بڑی اچھی اور حسن و جمال قابل رشک ہے۔ تم دیکھ کر کہیں اس پر عاشق نہ ہو جانا۔"

میں نے ہنس کر کہا۔

"میں تو تم پر عاشق ہوں۔ تم میری محبوبہ بھی ہو اور دوست بھی۔"

بلانشے بڑی خوش ہوئی۔ اسی رات بلانشے نے بھی اپنا سب سے قیمتی اور جدید فیشن کا لباس نکال کر پہنا۔ ہم اپارٹمنٹ سے نکل کر ٹیکسی میں سوار ہوئے اور ٹیکسی پرانے پیرس شہر سے نکل کر ماڈرن پیرس کی طرف چل پڑی

بلانشے نے ڈرائیور کو کسی خاص علاقے کا نام بتایا تھا۔ یہ نام میں نے پہلی بار سنا تھا۔ ٹیکسی ماڈرن پیرس کی جگ مگ کرتی کشادہ سڑکوں پر سے گزرتی ہوئی شہر کے شمالی مضافات میں داخل ہوگئی۔ یہاں کہیں کہیں ماڈرن وضع کی شاندار کوٹھیاں روشنی میں نظر آرہی تھیں۔ ہماری ٹیکسی ایک ڈھلان اتر کر دائیں جانب ایک خوبصورت سڑک پر آگئی جس کی دونوں جانب اونچے

اونچے درخت خاموش کھڑے تھے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مرکری لیمپ روشن تھے۔ سڑک ایک بار دائیں جانب مڑی تو بلانشے نے ٹیکسی رکوا دی۔ میں نے کھڑکی میں سے جھک کر دیکھا۔ سامنے ایک محل نما عمارت کا آہنی جنگلے والا گیٹ تھا۔ جو بند تھا۔ بلانشے نے ٹیکسی چھوڑ دی۔ میں نے محل نما خوبصورت بنگلے کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا اور بلانشے سے پوچھا۔

"کیا وہ عورت یہاں رہتی ہے؟"

بلانشے نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔۔۔ یہ اسکا شاطوئیغی کاٹج ہے۔ اس قسم کے دو کاٹج اس نے سوئٹزرلینڈ میں بھی بنوا رکھے ہیں۔ وہ سمر ہاوسز ہیں۔"

بند گیٹ پر کوئی چوکیدار نہیں تھا۔ بلانشی گیٹ کی ایک جانب دیوار کے پاس گئی۔ وہاں دیوار میں ٹیپ ریکارڈر قسم کی کوئی شے فٹ تھی۔ بلانشے نے کہا۔

"یہ مائیکرو ٹی وی کیمرہ ہے۔ یہ میری تصویر اور آواز میڈم سلویا تک پہنچا دے گا۔"

اس نے ایک بٹن دبایا۔ چھوٹے سے سپیکر پر ایک عورت کی آواز ابھری۔ اس نے فرنچ میں کچھ پوچھا۔ بلانشے نے اپنا اور پھر میرا نام بتایا۔ آواز بند ہوگئی۔ بلانشے نے میری طرف جھک کر کہا۔

"یہ اس کی سیکرٹری تھی۔ وہ میڈم سلویا سے رابطہ کر رہی ہے۔ میں نے ٹیلی فون پر میڈم سلویا کو تمہارے بارے میں پہلے ہی سب کچھ بتا دیا تھا۔ وہ بھی انڈیا کے علاقے کے لوگوں کو پسند کرتی ہے۔"

اتنے میں سپیکر پر کسی دوسری عورت کی آواز ابھری۔ بلانشے نے میڈم سلویا کی آواز پہچان لی تھی۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔ اس نے میڈم سلویا سے دو تین باتیں کیں اور دیوار سے پیچھے ہٹ کر کہنے لگی۔

"میڈم سلویا کے ہاں میں کسی زمانے میں کام کیا کرتی تھی۔ وہ مجھے بہت پسند کرتی ہے۔ ورنہ وہ یونہی ہر کسی سے نہیں ملا کرتی۔"

اتنے میں ہلکی سی گونج کے ساتھ گیٹ تھوڑا سا کھل گیا۔ ہم اندر داخل ہو گئے۔ گیٹ اپنے آپ بند ہو گیا۔ سرسبز و شاداب باغیچے کے درمیان سے ایک چھوٹی سی سڑک میڈم سلویا کے عالی شان بنگلے کی طرف جاتی تھی۔ باغیچے میں ہر قسم کے پھول کیاریوں میں کھل رہے تھے۔ وہاں مجھے کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہم بنگلے کی پتھر کی سیڑھیاں چڑھ کر برآمدے میں آ گئے جس کا فرش شیشے کی طرح چمک رہا تھا۔ اونچا محرابی دروازہ بند تھا۔ بلانشے نے کال بیل دی۔ ایک خادمہ نے دروازہ کھول کر مسکراتے ہوئے ہمیں دیکھا اور شام کا سلام کہا۔ وہ بلانشے کو پہچانتی تھی۔ وہ ہمیں جگمگاتے ہوئے لابی میں سے لے کر سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ یہ سیڑھیاں لابی کی دونوں جانب قوس کی شکل میں اوپر والی منزل جاتی تھیں۔ سیڑھیوں پر بھی قالین بچھا ہوا تھا۔ خادمہ ہمیں تصویروں سے سجی ہوئی راہداری میں سے گزار کر ایک کمرے میں لے گئی۔ یہ کمرہ خواب کی طرح لگتا تھا۔ بڑے بڑے قیمتی صوفے سلیقے سے رکھے ہوئے تھے۔ ایک صوفے پر میڈم سلویا بیٹھی ٹیبل لیمپ کی روشنی میں کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔

اس نے کتاب پر سے نظریں ہٹا کر ہماری طرف دیکھا۔ بلانشے نے آگے بڑھ کر اس سے ہاتھ ملایا۔ پھر اس سے میرا تعارف کرایا۔ میڈم سلویا

واقعی ایک حسین و جمیل خاتون تھی۔ اس نے ہلکے گلابی رنگ کی ریشمی قمیض پہنی ہوئی تھی، جس کی آستین نہیں تھی۔ نیچے سیاہ رنگ کی ریشمی پتلون پہن رکھی تھی۔ اس کے بالوں کا رنگ بادامی تھا جو اس کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے بڑا ہلکا میک اپ کر رکھا تھا۔ آنکھیں بھی بادامی رنگ کی تھیں جن میں بے پناہ کشش تھی۔ وہ بھرے بھرے متناسب جسم کے ساتھ اپنی عمر سے زیادہ جوان لگ رہی تھی۔ بلانشے اس سے کتابوں کے بارے میں بات کرنے لگی۔ میڈم سلویا نے کتاب ایک طرف میز پر رکھ دی اور کہا۔

"میری تازہ کتاب اس ہفتے مارکیٹ میں آجائے گی۔ تم اسے پسند کرو گی۔ یہ میری دوسری کتابوں سے بالکل الگ تھلگ کتاب ہے۔"

"بلانشے نے پوچھا۔

"میڈم اسکا موضوع کیا ہے؟"

میری وجہ سے بلانشے جان بوجھ کر انگریزی میں گفتگو کر رہی تھی۔ میڈم بلانشے بڑی شستہ انگریزی بول رہی تھی۔ اس نے گولڈن سگریٹ کیس میں سے سگریٹ نکال کر سلگاتے ہوئے کہا۔

"تم سنو گی تو حیران رہ جاؤ گی۔ میں نے اس میں ایک اذیت پسند فرضی ناول نویس کا کردار بیان کیا ہے۔ یہ شخص قاتل بھی ہے۔ وہ کسی اجنبی یا سیاح کو پکڑ کر اپنے تہہ خانے میں لے جاتا ہے۔ اسے رسیوں سے جکڑ لیتا ہے۔ پھر اس کے اعضاء کو چھری سے آہستہ آہستہ کاٹتا ہے۔ بے چارہ آدمی چیختا چلاتا ہے اور ناول نویس اس کی چیخ و پکار سے لذت حاصل کرتا ہے۔"

بلانشے نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ونڈرفل! میڈم اس قسم کا کردار فرانسیسی لٹریچر میں پہلے کبھی نہیں لکھا گیا۔"

مجھے یہ کردار سخت برا لگا۔ بلانشے نے لٹریچر بالکل نہیں پڑھا تھا۔ یونہی میڈم سلویا کو خوش کرنے کے لئے اس نے ایسا کہہ دیا تھا۔ اس کے بعد اصل معاملے پر گفتگو شروع ہو گئی۔ اس دوران میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ میڈم سلویا بات کرتے ہوئے یا بات کرنے کے بعد مجھے خاص انداز میں دیکھ لیتی تھی جیسے میرے سراپا کا جائزہ لے رہی ہو۔ جب بلانشے نے اسے میرا نام لے کر بتایا کہ میں اس کے ساتھ مل کر بزنس شروع کرنا چاہتا ہوں تو میڈم سلویا نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"جیکی! مجھی تمہارا ایشیائی چہرہ' سیاہ بال اور سیاہ بھنویں بہت پسند ہیں۔ یقیناً تمہارے چھاتی کے بال بھی سیاہ ہوں گے۔ ذرا قمیض کے بٹن کھول کر مجھے اپنی چھاتی تو دکھاؤ۔"

میں بلانشے کا منہ تکنے لگا۔ بلانشے نے آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھ سے التجا کی کہ خدا کے لئے اس عورت کے آگے انکار نہ کرنا۔ مستقبل کے سارے خواب بکھر جائیں گے۔ میں نے ٹائی پرے ہٹا کر قمیض کے بٹن کھول کر میڈم کو اپنا سینہ دکھایا تو اس کی آنکھوں میں ایک وحشیانہ سی چمک آ گئی۔ میرے سینے پر بڑے گھنے سیاہ بال ہوا کرتے تھے۔ میڈم سلویا صوفے سے اٹھ کر میرے پاس آئی۔ جھک کر میرے سینے کے سیاہ بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی:

"ایسے بال میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھے' یہ تو جنگل ہے۔ جنوب مشرقی ایشیا کا جنگل۔۔۔۔ اس جنگل میں آدم خود شیروں کا ٹھکانہ ہوتا ہے......"

پھر وہ پیچھے ہٹ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ میں نے قمیض کے بٹن بند کر لئے۔ میڈم سلویا نے سگریٹ کا ہلکا سا کش لگا کر میری طرف مخمور نگاہوں سے دیکھا اور کہا:

"مائی ڈیئر جیکی! تمہارے سیاہ بالوں نے مجھے اپنا گرویدہ بنالیا ہے۔ میں تمہیں بڑی خوشی سے اپنے کاروبار میں شریک کرتی ہوں۔"

اس کے بعد وہ بلانشے کے ساتھ فرانسیسی زبان میں باتیں کرنے لگی۔ معلوم ہو رہا تھا کہ وہ منشیات کے بزنس کے بعض امور طے کر رہی ہے۔ بلانشے اثبات میں سر ہلائے جا رہی تھی۔ جیسے کہہ رہی ہو کہ مجھے یہ شرط بھی منظور ہے۔ یہ شرط بھی منظور ہے۔ اتنے میں خادمہ ٹھنڈا مشروب لے آئی۔ میڈم سلویا نے ٹرے میں سے ہلکے سبز رنگ کے ٹھنڈے مشروب کا گلاس خود اٹھا کر میری طرف بڑھایا اور انگریزی میں کہا:

"یہ بزنس طے ہو جانے کی خوشی میں۔۔۔۔۔"

میں نے گلاس لے کر اسکا شکریہ ادا کیا۔ بلانشے کا چہرہ مسرت سے تمتما رہا تھا۔ اس کو سارے خواب پورے ہوتے نظر آ رہے تھے۔ میڈم سلویا نے ٹھنڈے جوس کا ہلکا سا گھونٹ بھرنے کے بعد گلاس میز پر رکھ دیا اور انگریزی میں بلانشے سے مخاطب ہوئی:

"بوڑھے والٹر کو تم درمیان سے نکال دو۔ اس نے تمہیں جو مال دیا ہے' وہ اسے واپس کر دو۔ اگر میں تمہارے ساتھ ہوں تو تمہیں والٹر سے

بزنس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ویسی بھی وہ زیادہ اثر رسوخ والا آدمی نہیں ہے۔ اس نے پولیس کی کمیشن ذرا کم کی تو پولیس اس کو اور اس کے سارے گینگ کو پکڑ کر جیل میں بند کر دے گی۔"

بلانشے نے فوراً کہا:

"میڈم! میں صبح ہوتے ہی والٹر کو اس کا مال واپس کر دوں گی۔"

اس کو یہ نہ بتانا کہ تمہارا معاملہ میرے ساتھ طے ہو گیا ہے۔"

بلانشے بولی۔

"بالکل نہیں میڈم! میں اسے بالکل نہیں بتاؤں گی۔ مجھے اسے بتانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس سے مال لیا تھا۔ اسے واپس کر دوں گی۔ بس۔
"

"ٹھیک ہے تم کل اسی وقت میرے پاس آنا۔ جیکی کو بھی اپنے ساتھ لانا۔ باقی بزنس کی شروعات کل سے ہوں گی۔"

کچھ دیر تک بلانشے میڈم سے اس کی کتابوں کی مقبولیت کے بارے میں باتیں کرتی رہی۔ پھر وہ اجازت لے کر اٹھی تو میڈم نے پوچھا۔

"تم ٹیکسی میں آئی تھیں؟"

"یس میڈم۔"

میڈم سلویا نے انٹرکام ٹیلی فون کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"تمہیں میرا ڈرائیور چھوڑ آئے گا۔"

بلانشے نے میڈم کا شکریہ ادا کیا۔ میڈم اٹھ کھڑی ہوئی۔ مجھ سے بھی اس نے ہاتھ ملایا۔ ہاتھ ملاتے ہوئے اس نے میرا ہاتھ ذرا سا دبایا اور کہنے لگی۔

"میں تمہیں پسند کرنے لگی ہوں۔ ویسے بھی تم جس علاقے کے رہنے والے ہو اس علاقے کے لوگ بہت بہادر ہوتے ہیں بڑے وفادار ہوتے ہیں۔ اوکے بلانشے! کل ملاقات ہوگی۔"

ہم بڑی خوشی خوشی سیڑھیاں اتر کر لابی میں آئے تو خادمہ نے آگے بڑھ کر بلانشے سے کچھ کہا۔ بلانشے مجھے لے کر دروازے کی طرف بڑھی۔ انگریزی میں کہنے لگی۔

"خادمہ نے کہا ہے کہ ڈرائیور گاڑی لئے باہر موجود ہے۔"

"ہم باہر آئے تو پورچ کی روشنی میں میڈم سلویا کی سیاہ مرسڈیز موجود تھی۔ وردی پوش ڈرائیور دروازے کے آگے ادب سے کھڑا تھا۔ بلانشے کے تو اس وی آئی پی سلوک کی وجہ سے زمین پر پاؤں نہیں ٹکتے تھے۔ جیسے ہی ہم گاڑی کی طرف بڑھے تو ڈرائیور نے دروازہ کھول دیا۔ ہم گاڑی میں بیٹھ گئے۔ گاڑی کی فضا ایک عجیب سی خواب انگیز خوشبو سے مہک رہی تھی۔ گاڑی بنگلے سے باہر نکلی تو ڈرائیور نے میوزک لگا دیا۔ بڑی دھیمی دھیمی موسیقی ابھرنے لگی۔ بلانشے نے کندھا مار کر آہستہ سے سرگوشی کی۔

"جیکی! تم بڑے خوش نصیب ہو۔"

"راستے میں ہم نے زیادہ بات چیت نہیں کی۔ خاموشی سے آرام دہ نشست پر بیٹھے رہے۔ قیمتی گاڑی پیرس کی ہموار سڑکوں پر اس طرح چل رہی تھی جیسے دریا میں کشتی بہی جا رہی ہو۔ پرانے پیرس میں آکر ڈرائیور نے ہمیں بلانشے کی اپارٹمنٹ بلڈنگ کے باہر اتار دیا اور واپس چلا گیا۔ بلانشے نے بلڈنگ کی ڈیوڑھی میں داخل ہوتے ہی میرا منہ چوم لیا اور بولی۔

"جیکی! تم بڑے خوش قسمت ہو کہ میڈم سلویا کو پسند آ گئے ہو۔ مردوں کے معاملے میں وہ بڑی سخت مزاج ہے۔ اس کا کوئی سکینڈل بھی مشہور نہیں ہوا۔ کہتے ہیں جو مرد اسے پسند آ جائے وہ اسے ارب پتی بنا دیتی ہے۔"

ہم اپارٹمنٹ میں آ گئے۔ بلانشے بہت خوش تھی۔ اس نے بڑے شوق کے ساتھ مچھلی تلی تھی۔ آلوؤں کے قتلے بنائے۔ سب کچھ میز پر لگایا اور میرے ساتھ بیٹھ گئی۔ کہنے لگی۔

"لیکن جیکی مجھ سے ایک بات کا وعدہ کرو۔"

"میں نے خیال کیا یہ ضرور کاروبار میں اپنے کمیشن کی بات کرے گی۔ مگر اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور کہا۔

"مجھ سے وعدہ کرو تم مجھے نہیں بھولو گے۔ میڈم سلویا تم سے محبت کرنے لگی ہے۔ تم اسے پسند آ گئے ہو۔ میں اس کے مزاج سے واقف ہوں۔ تمہاری وجہ سے مجھے لاکھوں کا فائدہ بھی ہو گا۔ مگر میں یہ کبھی گوارا نہیں کروں گی کہ تم مجھے فراموش کر دو۔ مجھ سے وعدہ کرو کہ تم مجھ سے اسی طرح محبت کرتے رہو گے۔"

مجھے نہ اس سے محبت تھی نہ میڈم سلویا سے۔ میں نے تو صرف پیرس کی عشق پرست زندگی کی انتہائی بلندیوں تک پہنچنے کے لئے یہ سب کچھ کر رہا تھا۔ میں نے اسکا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"بلانشے! تم نے مجھے اس مقام تک پہنچایا ہے۔ تمہارے مجھ پر بڑے احسانات ہیں۔ میں تمہیں کیسے بھلا سکتا ہوں۔"

بلانشے نے کہا۔

"نہیں نہیں۔ جیکی پلیز احسان کی بات مت کرو۔ میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا ہے۔ مجھ سے یہ کہو کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو اور ہمیشہ کرتے رہو گے۔"

"یہ کہنے میں مجھے کوئی حرج نہیں نظر آ رہا تھا۔ میں نے کہہ دیا۔

"بلانشے! یقین کرو میں تم سے محبت کرتا ہوں اور ساری عمر تم سے محبت کرتا رہوں گا۔"

بلانشے تو خوشی سے نہال ہو گئی۔ عورت خواہ پسماندہ ملک کی ہو خواہ ترقی یافتہ ملک کی ہو یہ حقیقت ہے کہ وہ اپنے کانوں کے بھروسے محبت کرتی ہے اور محبت میں بار بار دھوکہ کھانا پسند کرتی ہے۔ اس نے مجھے اپنے ساتھ لگا لیا۔ پھر میری قمیض کے بٹن کھول کر میرے سیاہ بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

"اس طرف میرا کبھی دھیان نہیں گیا جتنا میڈم سلویا کا گیا ہے۔ اصل میں وہ جنس زدہ عورت بھی ہے۔ میں جنس کو پسند کرتی ہوں مگر جنس زدہ نہیں ہوں۔"

میں نے دل میں کہا کہ احمق عورت تمہیں کیا معلوم کہ مجھے تو جنس زدہ عورتیں ہی اچھی لگتی ہیں۔ اصل میں میڈم سلویا کی جنس زدگی مجھے بڑی پسند آئی تھی۔ میں نے اسی لمحے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر میڈم سلویا پر میرا جادو چڑھ گیا تو میں بلانشے کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر باہر پھینک دوں گا۔ یہ میری خود غرضی اور کمینگی تھی۔ مگر میں کیا کرتا۔ شیطان میرے ساتھ چل رہا تھا۔ بلکہ میرے اندر بیٹھ کر مجھے چلا رہا تھا۔ میں نے اوپر سے بلانشے سے کہا۔

"اسی لئے تو تم مجھے پسند ہو بلانشے کہ تم جنس زدہ نہیں ہو۔"

میرے جھوٹ نے بلانشے پر زبردست اثر کیا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر چوما اور بڑے جذباتی انداز میں کہا۔

"جیکی! مجھے تم سے کتنی محبت ہے تم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ تم سمجھتے ہو گے کہ محبت کرنا اور محبت میں جان دینا صرف مشرقی عورتیں ہی جانتی ہیں۔ خدا کے لئے میرے بارے میں کبھی ایسا نہیں سوچنا۔ میں تمہاری محبت میں تم پر اپنی جان بھی قربان کر سکتی ہوں۔ محبت کے معاملے میں مشرقی عورت ہی ہوں۔ ایک مشرقی عورت جس نے یورپ میں جنم لیا۔"

ہم کھانا کھانے لگے۔ بلانشے نے مجھے اپنی محبت کا اظہار جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"تمہیں یقین نہیں آئے گا لیکن یقین کرنا جب میں نے تمہیں پہلی بار پارک کے خالی بنچ پر بیٹھے دیکھا تھا تو میرے دل میں اسی لمحے تمہارے لئے محبت کا چشمہ پھوٹ پڑا تھا۔ کیا تم کو یقین آ گیا ہے؟"

میں نے ایک اور جھوٹ بولا۔

"ہاں۔ بالکل یقین آ گیا ہے۔ میں تو خوش قسمت ہوں مجھے تم ایسی خوبصورت اور دلکش شخصیت والی لڑکی اتنا پیار کرتی ہے۔"

بلانشے نے چھری کانٹا میز پر رکھا اور میرے گرد بازو ڈال کر بولی۔

"جیکی ڈارلنگ! تم میری محبت کا اندازہ نہیں لگا سکتے کہ میں کس بند روالہانہ پیار کرتی ہوں تم سے۔۔"

دل کا حال تو خدا ہی جانتا ہے۔ لیکن میں اس وقت یہی سمجھ رہا تھا کہ بلانشے کو جب سے یہ معلوم ہوا ہے میں میڈم سلویا کو پسند آ گیا ہوں تب سے وہ میری گرویدہ ہو گئی ہے۔ کیونکہ میری وجہ سے وہ میڈم سلویا کو اپنے قابو میں رکھ سکتی ہے اور اس سے لاکھوں کا بلکہ کروڑوں کا ناجائز بزنس حاصل کر سکتی ہے۔ ورنہ اس محبت کا اظہار اس نے پہلے کیوں نہیں کیا۔ خدا ہی جانے وہ پہلے سے مجھ سے محبت کرتی تھی یا میرے لئے اس کے دل میں محبت کا جذبہ میڈم سلویا سے ملاقات کے بعد ہوا تھا۔ جو کچھ بھی تھا بلانشے کے ساتھ ساتھ میرا مستقبل بھی تابناک ہونے والا تھا۔ میں جب سوچتا کہ ایک سال کے اندر اندر میں ناجائز کاروبار میں بے پناہ دولت حاصل کر لوں گا اور میرا پیرس کے مضافات میں ایک عالی شان بنگلہ ہو گا۔ میں ایسا ہی ایک بنگلہ کراچی میں یا کوہ مری میں بھی بنوا دوں گا اور جب ڈھیر ساری دولت کما لوں گا تو ساری دولت سمیٹ کر اپنے ملک واپس آ جاؤں گا۔

حرص و ہوس کا لالچ ایسا ہی ہے کہ آدمی اسے جتنا بڑھاتا جائے' بڑھتا چلا جائے گا۔ اسکی کوئی حد تو ہوتی نہیں۔ اسی راستے پر آدمی یا تو بد قسمتی سے یا اپنی خود غرضیوں کی وجہ سے پڑ جائے تو پھر اسے خدا ہی سیدھا راستہ دکھائے تو واپس آتا ہے ورنہ چلتا چلا جاتا ہے اور سیدھا اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں آگے دائمی جہنم کی آگ بھڑک رہی ہوتی ہے۔ میں بھی اپنی خود غرضیوں اور حرص و ہوس کے لالچ کی وجہ سے ایسے ہی راستے پر چل پڑا تھا۔ اب میرا خدا ہی حافظ تھا۔ ساری رات میں اور بلانشے شیخ چلی کی طرح مستقبل کے محل تعمیر کرتے رہے۔ ایک محل بنا کر توڑتے اس کی جگہ دوسرا بنانا شروع کر دیتے۔

ساری رات اسی ادھیڑ بن میں گزر گئی۔

ساری رات ہمیں نیند نہ آئی۔ ابھی دولت نہیں آئی تھی مگر اس نے ہماری نیندیں پہلے ہی حرام کر دی تھیں۔ صبح بلانشے نے کہا۔

"تم بے شک اپارٹمنٹ میں ٹھہرو یا سیر و سیاحت کرنے جانا ہے تو چلے جاؤ۔ میں بوڑھے والٹر کو اسکا دیا ہوا کوکین کا پیکٹ واپس کرنے جاتی ہوں۔ اب ہمیں والٹر کے ساتھ مل کر دھندا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

بلانشے تیار ہو کر والٹر کے کاٹج کی طرف چل پڑی۔

میں اپارٹمنٹ میں ہی رہا۔ کچھ دیر تک ٹی وی پروگرام دیکھتا رہا۔ جب بور ہونے لگا تو سوچا کہ آخر میں کوئی ماموں کا بجن یا چیچو کی ملیاں نہیں آیا ہوا۔ میں دنیا کے سب سے رنگین شہر پیرس میں ہوں۔ باہر نکل کر سیر کرتا ہوں۔ میں نے نہا دھو کر نیا سوٹ پہنا۔ جیب کچھ فرانک ڈالے اور تالا لگا کر شہر کی سیر کو چل نکلا۔

میں پرانے پیرس سے ٹیوب میں بیٹھ کر ماڈرن پیرس کے اس علاقے میں گیا جہاں ای فل ٹاور ہے۔ سوچا آج ای فل ٹاور کی سیر جائے۔ چنانچہ ٹکٹ لے کر لفٹ میں بیٹھا اور ٹاور کی سب سے اوپر والی منزل پر آ گیا۔ یہ دنیا کا ایک عجوبہ بھی ہے۔ اوپر ہوا بڑی تیز تھی۔ میں ٹاور کے اوپر جو ریستوران ہے' اس میں آ کر بیٹھ گیا۔ یہاں بھی موٹے شیشوں کی دیوار میں سے نیچے پیرس کا سارا شہر نظر آ رہا تھا۔ یہ بڑا دل آویز منظر تھا۔ یہاں سے نکلا تو سوچا کہ آج فرانس کے نامور بادشاہ نپولین بونا پارٹ کا مقبرہ دیکھنا چاہیے۔ میں نے ٹیکسی پکڑی اور دریائے سین کے بونا پارٹ لین یعنی بونا پارٹ روڈ ہے۔ اس سڑک کی ایک طرف فرانس کی میڈیکل اکاڈمی کی عمارات ہیں۔

دوسری جانب ایک آرٹ سکول ہے۔ اس سکول میں جدید فرانس کے مصوروں، سنگ تراشوں اور فوٹوگرافروں کے شہہ پاروں کی نمائشیں لگتی ہیں۔ اس سڑک پر ذرا آگے جاکر دریا کے کنارے پرانی کتابوں کا کاروبار کرنے والوں کی دکانیں ہیں۔ یہاں زیادہ تر پرانی کتابیں فرانسیسی زبان کی تھیں۔ ایک کتاب پر ادیب بالزاک کی تصویر دیکھ کر میں نے کتاب اٹھاکر کھولی تو عبارت فرانسیسی میں تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ بالزاک کی اوریجنل ڈرول سٹوریز کی کتاب ہے۔ فرانس کے اس نامور ادیب نے ڈرول سٹوریز کے نام سے بڑوں کے لئے بچوں کی کہانیاں بھی لکھی تھیں۔ ان کہانیوں میں بڑوں کو بچوں کی نفسیات اور قدرتی رجحانات بتائے گئے ہیں۔ میں نے اس کتاب کا انگریزی ترجمہ پڑھاہوا ہے۔ ایک ایک دو صفحوں کی کہانیاں ہیں۔ آپ کہاں بالزاک کی یہ کتاب پڑھیں گے۔ آج سے تیس چالیس سال پہلے انگریزی، فرنچ اور دوسرے یورپی ممالک کا کلاسیکی ادب پڑھنے کا بڑا رواج ہوتا تھا۔ انگریزی زبان میں ان کتابوں کے تراجم عام مل جاتے تھے۔ مہنگی کتابوں کے سستے ایڈیشن بھی شائع ہوتے تھے۔ لاہور، پنڈی اور کراچی کی دکانوں پر انگریزی فرنچ، روسی ادب کی کتابیں عام مل جایا کرتی تھیں۔ اب فٹ پاتھ کی پرانی کتابوں کی دکانوں پر بھی انگریزی ادب کی کتابیں نہیں ملتیں۔ اس لئے میری خواہش ہے کہ میں آپ کو بالزاک کی لکھی ہوئی بچوں کی دو کہانیاں یہاں بیان کرتا چلوں۔۔ گھبرائیں نہیں، بڑی مختصر کہانیاں ہیں اور غور کریں کہ فرانس کے اس حقیقت پرست ادیب نے بچوں کی نفسیات کو کتنی خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ پہلی کہانی ایک چھ سات سال کے لڑکے کی ہے۔

یہ لڑکا ایک سکول میں پڑھتا ہے۔ ہر روز اسکول جانے کے لئے اسے پرانے پیرس میں قصائی کی ایک دکان کے آگے سے گذرنا پڑتا ہے۔ دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ قصائی کی دکان کے باہر ایک خونخوار قسم کا کتا ہر وقت بیٹھا رہتا ہے۔ یہ لڑکا جب اس کتے کے قریب سے گذرتا ہے تو اسے بے حد خوف محسوس ہوتا ہے۔ وہ خوف سے کانپتے ہوئے کتے کے قریب سے گذرتا ہے اور جب گذر جاتا ہے تو اس کی جان میں جان آتی ہے۔ ایک دن اس لڑکے کے گھر میں گاؤں سے کچھ مہمان آجاتے ہیں۔ ان میں لڑکے کی ہم عمر ایک لڑکی بھی ہوتی ہے۔ لڑکا اسے کہتا ہے:

"چلو میں تمہیں اپنا سکول دکھاتا ہوں۔"

لڑکی خوشی خوشی اس کے ساتھ اس کا سکول دیکھنے چل پڑتی ہے۔ بازار میں سے گذرتے ہوئے جب دونوں قصاب کی دکان کے آگے بیٹھے ہوئے خونخوار کتے کے قریب پہنچتے ہیں تو لڑکی کتے کو دیکھ کر ڈر جاتی ہے اور رک جاتی ہے۔ لڑکا اُسکا بازو پکڑ کر سینہ پھلا کر کہتا ہے:

"ڈرتی کیوں ہو؟ میں جو تمہارے ساتھ ہوں۔"

اور لڑکا، لڑکی کا بازو پکڑے گردن اونچی کئے کتے کے سامنے سے گذر جاتا ہے۔ اس روز اسے کتے سے بالکل ڈر نہیں لگتا۔۔۔

دوسری کہانی بھی ایک پانچ چھ سال کے بچے کی ہے۔

اس بچے کے ماں باپ اسے لے کر پیرس کا عجائب گھر دیکھنے جاتے ہیں۔ وہاں ایک عورت کا پتھر کا عریاں مجسمہ رکھا ہوا ہوتا ہے۔ بچے کا باپ یونہی مجسمے کی طرف اشارہ کر کے بچے سے پوچھتا ہے:

"بیٹا! یہ عورت کا مجسمہ ہے یا مرد کا؟"

بچہ بڑے غور سے مجسمے کو دیکھتا ہے۔ پھر اپنے باپ سے کہتا ہے:

"ڈیڈی! ایسے مجھے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اسے کپڑے پہنائیں تو میں بتاؤں کہ یہ عورت ہے یا مرد۔"

ذرا غور کریں فرانس کے اس عظیم ادیب نے ایک بچے کے ذہن کی معصومیت اور پاکیزہ نگاہی کو کتنی خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔

بالزاک واقعی بڑا ادیب تھا۔ ہمارے ہاں اردو کے مشہور مصنف سعادت حسن منٹو نے "سیاہ حاشئے" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی تھی۔ اس میں بھی ایک ایک صفحے کے مواد میں انسانی نفسیات کو بڑی چابکدستی اور خوبی سے پیش کیا گیا تھا۔ اگر آپ کو کہیں سے یہ کتاب مل جائے تو اسے ضرور پڑھئے گا۔ سعادت حسن منٹو کی اس کتاب کا ایک ورق یعنی ایک صفحے پر لکھی ہوئی کہانی یا افسانہ مجھے زبانی یاد ہے۔ وہ میں آپ کو سناتا ہوں۔ لاہور میں جہاں ٹولنٹن مارکیٹ ہے۔ اس کے پیچھے مال روڈ پر سے ایک سڑک پنجاب پبلک لائبریری کی طرف مڑتی ہے۔ یہاں مال روڈ والے کونے میں گنگارام ہسپتال والے سر گنگارام کا سیاہ پتھر کا ایک مجسمہ اونچے پیڈسٹل پر نصب ہوتا تھا۔ یہ ۱۹۴۷ء کے زمانے تک اپنی جگہ پر موجود تھا۔ پاکستان بن چکا تھا۔ غیر مسلموں کی نشانیوں خاص طور پر اس قسم کے مجسموں کو لوگ جلوس کی شکل میں آکر توڑ دیتے تھے۔ اسی قسم کا ایک جلوس گنگارام کے مجسمے کے پاس آکر رک گیا۔ کچھ نوجوانوں کے ہاتھوں میں جوتیوں کے ہار تھے۔ وہ جوتیوں کے یہ ہار گنگارام کے مجسّمے کے گلے میں ڈالنا چاہتے تھے۔ دو چار نوجوان جوتیوں کا ہار لے کر مجسّمے پر چڑھنے لگے۔ ایک نوجوان کا پاؤں پھسلا۔ وہ مجسّمے سے نیچے سڑک پر گرا اور اس کی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ لوگ

اسے اسی وقت اٹھا کر گنگارام ہسپتال لے گئے۔ منٹو نے اس ایک صفحے کے افسانے کا نام ''جوتا'' رکھا تھا۔

یہ اس زمانے کی باتیں ہیں جب اس قسم کی باتیں لکھی جاتی تھیں۔ اب کس کو پڑی ہے کہ ایسی باتیں لکھے۔

بہرحال بالزاک بلکہ دریائے سین کے کنارے والی پرانی کتابوں کی اوپن دکانوں سے بات آگے چل نکلی تھی۔ میں واپس دریائے سین کی پرانی کتابوں کی دکانوں پر آتا ہوں۔ یہاں سے میں نپولین بونا پارٹ کے مقبرے کی طرف چلنے لگا۔

نپولین کے مقبرے کی عمارت کے اردگرد گہری خندق ہے۔ یہ بالکل ایک قلعے کی طرز کی عمارت ہے۔ نپولین کے مقبرے کا گنبد گولڈن کلر کا ہے۔ اس کے بارہ ستون ہیں۔ گائیڈ نے بتایا کہ یہ بارہ ستون نپولین کی بارہ فتوحات کی یادگار کے طور پر بنائے گئے ہیں۔ گنبد کے وسط میں سبز رنگ کے چبوترے پر نپولین کی قبر بنی ہوئی ہے۔ گائیڈ نے بتایا کہ اس قبر کے اندر ایک تابوت کے اندر چھ تابوت بند ہیں۔ آخری تابوت میں نپولین بونا پارٹ کا مردہ جسم رکھا ہوا ہے۔ جس نے فوجی وردی پہن رکھی ہے۔ میں نے سوچا کہ اب تو اس کی ہڈیوں نے ہی وردی پہنی ہوئی ہوگی۔ مقبرے کے صحن میں چھوٹی بڑی کئی توپیں پڑی ہوئی تھیں۔ ساتھ ہی سینٹ لوئی کا گرجا ہے۔ اس گرجا گھر کے ایک ہال کمرے میں نپولین کی بعض اشیاء یادگار کے طور پر رکھی ہوئی ہیں۔ نپولین کے مقبرے سے نکل کر میں نے ایک سائیڈ کیفے میں درختوں کے نیچے بیٹھ کر مختصر لنچ کیا۔ کافی پی اور پیلس لکسمبرگ دیکھنے چل دیا۔

لکسم برگ کا محل فلورنس کی شہزادی میری ڈی میڈ چی نے سترھویں صدی عیسوی میں بنوایا تھا۔ یہ شہزادی شاہی محلات کی رسومات اور تصنع سے بڑی گھبراتی تھی۔ اس نے اپنے واسطے شاہی محلات سے دور اس جگہ اپنے لئے محل بنوایا تھا۔ اب یہ محل شہر کے اندر آ گیا ہوا ہے۔ پہلے یہاں ایک خوبصورت جنگل ہوا کرتا تھا۔ اس محل کی آرائش اور باغ اطالوی ماہرین کی نگرانی میں تیار کرائے گئے تھے۔ لکسم برگ پیلس کے پہلو میں کئی ایک غیر ملکی سفارت خانوں کی عمارتیں ہیں۔

یہاں سے میں ورسیلز یا ورسائی کے شاہی محلات کی سیر کرنے چلا گیا۔ یہ فرانس کے بادشاہوں کے قدیم اور پر شکوہ محلات ہیں۔ ان محلات نے زمانے کے بڑے نشیب و فراز دیکھے ہیں۔ کئی بادشاہوں نے ان محلات میں اپنے تخت سجائے' دربار لگائے اور پھر خاک میں جا سمائے۔ یہ محلات خونی سازشوں کی آماجگاہ بنے رہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ محلات عبرت کی جگہ ہیں۔ یہاں انسان کو یہ خیال ضرور آتا ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کے نیک اعمال اور نیک کام ہی زندہ رہتے ہیں۔ اس کا جاہ و حشم' شان و شکوہ سب خاک میں مل جاتا ہے۔

اس روز میں نے واقعی پیرس شہر کی ایک سیاح کی طرح سیر کی۔ ٹیکسیوں پہ میرے کافی فرانک خرچ ہو گئے۔ لیکن میں اس خیال سے بے دریغ خرچ کرتا گیا کہ اب تو میں کوکین کی سمگلنگ کرنے والا ہوں اور اس دھندے میں انسان لاکھوں میں کھیلنے لگتا ہے۔ جب دن غروب ہونے لگا تو میں واپس بلانشے کے اپارٹمنٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں ہی ایک ٹیوب سٹیشن سے باہر نکلا تو پیرس کے آسمان پر کالی گھٹائیں چھا رہی تھیں اور بجلی ان سیاہ بادلوں میں رہ رہ کر چمک رہی تھی۔ مجھے لاہور یاد آگیا۔ لاہور کے آسمان پر چھائے ہوئے بادل اور چمکتی بجلیاں اور گرجتے بادل اور بارش یاد آگئی۔ یقین کریں ایک لمحے کے لئے مجھے پیرس، لاہور کے مقابلے میں ہیچ معلوم ہونے لگا۔ عین اس وقت میرے دل سے ایک آواز اٹھی کہ پیرس چھوڑ دو اور لاہور چلے جاؤ۔ یہاں سے نکل جاؤ۔ لیکن میں نے دل کی آواز پر کوئی توجہ نہ دی۔ توجہ کیسے دے سکتا تھا۔ پیرس کیسے چھوڑ سکتا تھا۔ پیرس اپنی ساری عیش و عشرت کی رنگینیاں میرے قدموں میں پیش کرنے والا تھا۔ پیرس کی کروڑ پتی خوبصورت میڈم سلویا میری گرویدہ ہو چکی تھی۔ نہ جانے میرے کتنے خواب پورے ہونے والے تھے۔

اتنے میں ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی۔

پیرس کی بوندا باندی نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ میرے دل میں پیرس میں رہ کر عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے کی تمنا پھر سے بیدار ہو گئی اور میرا وطن پاکستان، میرا شہر لاہور میری نگاہوں سے اوجھل ہوتا چلا گیا۔ میں دریائے سین کے ڈی سیگرے والے پل کی طرف جا رہا تھا۔ وہاں سے مجھے بلانشے کے علاقے کو جانے والی بس پکڑنی تھی۔ دریائے سین میں ای فل ٹاور

کی بتیاں جھلملانے لگی تھیں۔ ای فل ٹاور کی بتیاں سرِشام ہی روشن کر دی گئی تھیں۔ دریا کی لہروں پر بارش کی بوندیں گر رہی تھیں۔ پل کی دوسری طرف بس سٹاپ تھا۔ وہاں سے مجھے ایک بس مل گئی۔ اپارٹمنٹ میں آیا تو بلانشے پہلے سے موجود تھی۔ مجھے دیکھ کر بولی:

"تم سارا دن کہاں کہاں کی آوارہ گردی کرتے رہے ہو؟"

میں صوفے پر گر گیا اور سانس لے کر کہا:

"بلانشے! آج میں نے شہر کی بڑی سیر کی ہے۔"

اس نے میری بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ وہ اپنا ریشمی فراک استری کر رہی تھی۔ کہنے لگی:

"اب تیاری پکڑو۔ ہمیں ڈنر ٹائم سے پہلے میڈم سلویا کے ہاں پہنچنا ہے۔"

میں بھی تیاری میں لگ گیا۔ آج رات میڈم سلویا نے ہم سے بلکہ بلانشے سے ناجائز کاروبار کا آغاز کروانا تھا اور اس نے ڈنر کی دعوت بھی دے رکھی تھی۔

ہم تیار ہو کر رات ۹ بجے میڈم سلویا کے عالی شان بنگلے پر پہنچ گئے۔ خادمہ نے ہمیں دوسری منزل کے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا۔ فضا میں پرفیومز کی خوشبوئیں بسی ہوئی تھیں۔ میز پر تازہ پھولوں کا گلدستہ رکھا ہوا تھا۔ باغیچے کی طرف ڈرائنگ روم کی جو شیشے کی دیوار تھی' اس کا پردہ چنا ہوا تھا۔ اور دور پیرس کی عمارتوں کی روشنیاں جھلملاتی نظر آ رہی تھیں۔ بلانشے نے بھی آج بڑا قیمتی لباس پہن رکھا تھا۔ میں نے بلانشے کی طرف جھک کر آہستہ سے پوچھا۔

"کیا میڈم ہمیں کسی دوسرے شہر بھیجنے والی ہے؟"

بلانشے نے دھیمی آواز میں کہا۔

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اسکا ایک اپنا ریکٹ ہے۔ اپنا گروپ ہے جس کے ممبر کو میں نہیں جانتی۔ ہو سکتا ہے میڈم مجھے پیکٹ دے کر کسی دوسرے شہر اور تمہیں پیکٹ دے کر کسی دوسرے شہر بھیج دے۔"

"مگر ہم تو پھیرے لگانے والے نہیں ہیں۔ ہمیں تو خود مال آگے سپلائی کرنا تھا۔"

بلانشے نے کہا۔

"اس کے باوجود ہمیں یورپ کے مختلف شہروں کے دو چار پھیرے لگانے پڑیں گے تاکہ ہمارا گروپ کے دوسرے ممبروں سے تعارف ہو سکے۔ ان سے جان پہچان ہو سکے۔"

اتنے میں میڈم سلویا کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ بلیو رنگ کی ہلکے سبز پھولوں والی ریشمی پتلون اور گہرے سبز رنگ کی بغیر آستینوں والی قمیض میں تھی۔ اس کے بھورے بال بڑی خوبصورتی اور سلیقے سے بنے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں سنہری سگریٹ ہولڈر میں سگریٹ سلگ رہا تھا۔ ہاتھوں میں گلابی ریشمی دستانے تھے۔ کانوں میں نیلے رنگ کے قیمتی پتھر چمک رہے تھے۔ ہم نے اٹھ کر اسکا خیر مقدم کیا۔

میڈم نے مسکراتے ہوئے ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی ہمارے قریب ہی سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ دو چار باتیں موسم کے بارے میں ہوئیں۔ خادمہ سیب کا جوس لے آئی۔ ہم جوس پینے لگے۔

میڈم نے میری طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے کہا:

"جیکی! تم قمیض کے بٹن بند نہ کیا کرو۔ تمہیں معلوم نہیں کہ مجھے تمہارے سینے کے بال کتنے اچھے لگتے ہیں۔"

بلانشے میری دیکھ کر ہنسنے لگی۔ میں نے شرماتے ہوئے کہا:

"میڈم! آج کے بعد میں ٹائی نہیں لگا کر آؤں گا۔ ٹائی لگانی ہو تو قمیض کے سارے بٹن بند کرنے پڑتے ہیں۔"

بلانشے نے میڈم سے کہا:

"اس پر انگریزوں کا بڑا اثر ہے۔ یہ لندن میں کافی مدت تک رہا ہے۔"

میڈم سلویا نے طنزیہ انداز میں کہا:

"انگریز دکاندار ہے۔ اس کو کیا معلوم ہم فرانسیسی کتنے رومانٹک لوگ ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد ہم کھانے کی میز پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ میڈم نے انواع و اقسام کی ڈشیں بنوائی ہوئی تھیں۔ دو وردی پوش بوڑھے ملازم ایک کورس کے بعد کھانے کے دوسرے کورس کی ڈشیں لاکر سجا دیتے تھے۔

کھانے کے بعد ہم واپس ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھ گئے۔ اب اصل کاروبار کی بات شروع ہوئی۔ اس دوران ساری گفتگو انگریزی میں ہوئی تھی اور ہو رہی تھی۔ میڈم نے انگریزی کو اس لئے ترجیح دی تھی کہ میں فرانسیسی زبان نہیں جانتا تھا۔ میڈم سلویا نے مجھے اور بلانشے کو مخاطب کرتے ہوئے کاروباری سلسلہ کلام یوں شروع کیا:

"میں چاہتی ہوں تم دونوں کو اس کام کا کچھ تجربہ ہو جائے۔ بلانشے! تم پیرس کے اندر پیکٹ سپلائی کرتی رہی ہو۔ میں جانتی ہوں لیکن اس کام کو

خود سنبھالنے کے لئے ضروری ہے کہ تم یورپ کے دوسرے شہروں میں بھی سپلائی لے کر جاؤ۔ اسی طرح ان شہروں کے ایجنٹوں سے بھی تمہارا تعارف ہو جائے گا۔ تم جیکی کو اپنے ساتھ رکھو گی۔ میں نے ان تمام ایجنٹوں کو تمہاری تصویریں بھجوادی ہیں۔ یہ تصویریں میرے کیمرے نے اس وقت اتاری تھیں، جب تم میرے بنگلے کے گیٹ پر مجھ سے بات کر رہی تھیں۔ تمہارے نام بھی ایجنٹوں کو بتادئے گئے ہیں۔"

پھر اس نے دراز میں سے پیرس سے لندن تک برٹش ایئرویز کی فلائٹ کے دو ٹکٹ نکال کر بلانشے کو دیئے۔

"یہ دو فسٹ کلاس کے ٹکٹ ہیں۔ تمہاری فلائٹ کل دن کے سوا دس بجے پیرس کے ائرپورٹ سے روانہ ہوگی۔ تمہارے پاس دو چھوٹے اٹیچی کیس ہوں گے۔ ان میں صرف تمہارے معمولی سے کپڑے اور ٹوتھ برش اور دوسری استعمال کی چیزیں ہوں گی۔ تم ان اٹیچی کیسوں کا معائنہ کروانے کے بعد جب ٹرانزٹ لاؤنج میں جاؤ گے تو وہاں دو منٹ بیٹھنے کے بعد تم باری باری الگ الگ باتھ روم جاؤ گے۔ اٹیچی کیس تمہارے ساتھ ہوں گے۔ وہاں بلانشے تمہیں عورتوں کے باتھ روم میں ایک عورت ملے گی۔ اس کے پاس بھی اسی قسم کا ایک اٹیچی کیس ہو گا۔ بلانشے اپنا اٹیچی کیس اسے دے کر اسکا اٹیچی کیس لے لے گی۔ اسی طرح جیکی کو بھی مردوں کے باتھ روم میں ایک آدمی اس کا اٹیچی کیس لے کر اسی طرح کا اپنا اٹیچی کیس دے دے گا۔ ان دونوں اٹیچی کیسوں میں کوکین اور ہیروئن کے بارہ بارہ پیکٹ نیچے چمڑے کے اندر لگے ہوئے ہوں گے۔ جب تم لوگ لندن کے ہیتھرو ایئرپورٹ

پر اترو گے تو اسی طرح الگ الگ باتھ روم میں جاؤ گے' جہاں ایک آدمی جیکی سے اور ایک عورت بلانشے سے ڈرگ والا اٹیچی لے لے گی۔"

میڈم سلویا نے دراز میں سے ایک کاغذ نکال کر بلانشے کو دیا:

"اس کاغذ پر اس آدمی کا ٹیلی فون لکھا ہوا ہے' جو لندن میں میرا خاص ایجنٹ ہے۔ تمہیں اس کو اس نمبر پر فون کرنا ہو گا۔ تم لوگ اسے ملو گے۔ اس کے بعد تمہیں جو کچھ کرنا ہو گا' وہ آدمی خود سمجھا دے گا۔"

مجھے جرائم کی انگریزی فلمیں یاد آگئیں۔ یہ سارا سین جو میڈم نے سنایا تھا' انگریزی فلموں ایسا ہی تھا۔ مجھے اس میں بڑا ایڈونچر نظر آیا۔ بلانشے نے میڈم سے بعض ضروری معلومات حاصل کیں۔ جو باتیں وضاحت طلب تھیں' وہ اس سے معلوم کیں اور ایئر ٹکٹ لے کر پرس میں رکھ لئے۔ میڈم سلویا نے سائیڈ ٹیبل کی نچلی دراز میں سے ایک بند لفافہ نکال کر بلانشے کو دیا اور کہا:

"اس میں تمہارے ضروری اخراجات کے لئے کچھ رقم ہے۔ باقی حساب تمہاری واپسی پر ہو جائے گا۔ کچھ اور بات تو نہیں رہ گئی؟"

بلانشے نے لفافہ پرس میں ڈالتے ہوئے کہا:

"نہیں میڈم۔ سب کچھ واضح ہو گیا ہے۔"

میڈم سلویا اٹھ کھڑی ہوئی:

"ٹھیک ہے۔ اب لندن سے واپسی پر تم دونوں سے ملاقات ہو گی۔ چلو میں تمہیں نیچے تک چھوڑ آتی ہوں۔"

میڈم سلویا خلاف معمول ہمیں نیچے تک چھوڑنے آئی۔ سیڑھیاں اترتے وقت وہ میرے بالکل ساتھ لگ گئی۔ لابی میں آکر اس نے کہا:

"میری گاڑی تمہیں تمہارے اپارٹمنٹ بلڈنگ تک چھوڑ آئے گی۔ ایک بات کا خاص خیال رکھنا۔ کسی جگہ سے بھی مجھے ٹیلی فون مت کرنا۔ باقی بلانشے تم سب جانتی ہو کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔"

اس نے پہلے بلانشے سے ہاتھ ملایا۔ پھر مجھ سے ہاتھ ملایا۔ میرے ہاتھ کو اس نے کچھ اس طرح دبایا جیسے کہہ رہی ہو۔ مجھے تم سے کچھ اور کام بھی ہے۔ اس کے ہاتھ دبانے سے میرے جسم میں ایک عجیب کیفیت کی لہر دوڑ گئی۔

لابی کے باہر پورچ میں اس کی گاڑی موجود تھی۔

ہم واپس اپنے اپارٹمنٹ میں آ گئے۔ بلانشے نے لفافہ کھول کر دیکھا۔ اس میں پانچ ہزار پونڈ کے کرنسی نوٹ تھے۔ بلانشے کے حلق سے خوشی کے مارے چیخ سی نکل گئی۔ کہنے لگی:

"جیکی! دیکھو ہم پر قدرت کی مہربانیاں شروع ہو گئی ہیں۔ یہ پانچ ہزار پونڈ ہمارے لئے ضرورت سے زیادہ رقم ہے۔ ہم لندن کے کسی اعلیٰ ہوٹل میں قیام کر سکتے ہیں۔ میں اپنا نیا لباس بھی خرید سکتی ہوں۔"

دوسرے دن ہم پورے سوا نو بجے پیرس کے اورلے ایئرپورٹ پر آ گئے۔ ہماری فلائٹ سوا دس بجے روانہ ہونے والی تھی۔ یہ فلائٹ ہانگ کانگ سے آ رہی تھی۔ ہم نے معلوم کر لیا۔ فلائٹ لیٹ نہیں تھی، وقت پر پہنچ رہی تھی۔ کچھ وقت ہم نے ائرپورٹ کے لاؤنج کے سٹال پر کافی پیتے اور کتابوں کے سٹال پر رسالے وغیرہ دیکھتے گزارا۔ پھر اپنے وقت پر ٹکٹ دکھا کر سیٹ نمبر اور بورڈنگ کارڈ لئے اور ٹرانزٹ لاؤنج میں آ گئے۔ ایک اٹیچی کیس میرے پاس تھا۔ اسی قسم کا دوسرا اٹیچی کیس بلانشے کے پاس تھا۔ یہ دونوں

اٹیچی کیس ہمارے لئے میڈم سلویا نے اپنی گاڑی میں پہلے سے رکھوا دیئے تھے اور ہمیں بتادیا تھا کہ اترتے وقت یہ اپنے ساتھ لیتے جانا۔

چیکنگ مشین میں سے یہ دونوں اٹیچی کیس گذارے گئے تھے۔ مگر ان میں سوائے ضرورت کی چیزوں کے اور کچھ نہیں تھا۔ کاؤنٹر پر بھی انہیں کھول کر دیکھا گیا تھا۔ لیکن اصل اٹیچی کیس جن میں ہیروئن اور کوکین بھری ہوئی بلکہ بڑی مہارت سے لگائی ہوئی تھی۔ وہ تو ہمیں ٹرانزٹ لاؤنج میں ملنے والے تھے۔ ٹرانزٹ لاؤنج میں دو منٹ بیٹھنے کے بعد بلانشے نے اپنا اٹیچی کیس ہاتھ میں پکڑا اور کہا:

"میں باتھ روم میں جارہی ہوں۔"

وہ چلی گئی۔ کوئی تین منٹ بعد واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ویسا ہی ایک دوسرا اٹیچی کیس تھا۔ میں نے باتھ روم میں سے بلانشے کے نکلنے سے پہلے ایک عورت کو باہر نکلتے دیکھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بلانشے والا اٹیچی کیس تھا۔ بلانشے میرے پاس آکر سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس کا چہرہ سنجیدہ تھا۔ کہنے لگی:

"اب تم باتھ روم جاؤ۔ میرا کام ہوگیا ہے۔"

میں نے بلانشے کے بدلے ہوئے اٹیچی کیس پر نگاہ ڈالی۔ یہ اٹیچی کیس ہمیں بڑی آسانی سے دس پندرہ سال کے لئے جیل بھجوا سکتا تھا۔ میں دل کو مضبوط کرتے ہوئے اٹھا اور مردانہ باتھ روم میں داخل ہوگیا۔ اٹیچی کیس میرے ساتھ ہی تھا۔ اندر شیشے کے سامنے کھڑے ہوکر میں نے اٹیچی کیس نیچے رکھ دیا اور بالوں میں کنگھی کرنے لگا۔ میرے ساتھ والے آئینے کے سامنے مجھ سے پہلے ایک آدمی بالوں میں کنگھی پھیر رہا تھا۔ اس کی ٹانگوں کے پاس بالکل میری طرح کا اٹیچی کیس پڑا تھا۔ اس نے میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ

دیکھا۔ میں بالوں میں کنگھی پھیر رہا تھا کہ اس آدمی نے اپنا اٹیچی کیس اٹھایا۔ میرے قریب آکر اٹیچی کیس میرے پاؤں کے پاس رکھا اور میرے والا اٹیچی کیس اٹھاکر خاموشی سے باتھ روم سے نکل گیا۔ میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے یہ شخص جو اٹیچی کیس میرے پاس رکھ گیا ہے' اس میں بم لگا ہوا ہے جو کسی بھی وقت پھٹ جائے گا۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا اور ہیروئن والا اٹیچی کیس اٹھاکر باتھ روم سے باہر آگیا۔ میں بڑی احتیاط سے قدم اٹھاتا بلانشے کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

بلانشے نے مجھے سگریٹ نکال کر دیا اور اسے لائٹر جلا کر سلگاتے ہوئے آہستہ سے پوچھا:

"گھبرا تو نہیں رہے ہو؟"

میں نے کہا:

"بالکل نہیں۔"

بلانشے نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور مجھے اور اپنے آپ کو نارمل ظاہر کرنے کے لئے میرا منہ چوم لیا اور ذرا بلند آواز میں بولی:

"ڈارلنگ! تم کتنے سویٹ ہو۔۔"

میں نے دل میں کہا۔ یا خدا مجھے خیریت سے لندن ائر پورٹ سے باہر نکال دینا۔ لیکن میں تو گناہ کر رہا تھا۔ ناجائز منشیات لے کر جا رہا تھا۔ یہ جرم تھا اور جرم کرنے والے کی خدا کبھی مدد نہیں کیا کرتا۔ لیکن میری حالت ایسی تھی کہ یہ دعا بے اختیار میرے دل سے نکل گئی تھی۔ یہ میرا پہلا تلخ تجربہ تھا۔ میرا حلق کڑوا ہو رہا تھا اور سگریٹ کا ذائقہ تک محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

ٹرانزٹ لاؤنج کے سپیکر پر اعلان ہوا کہ لندن جانے والا جہاز ٹیک آف کے لئے تیار ہے۔ ہم دونوں بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ گیٹ میں سے گذر کر بس میں سوار ہو گئے۔ ہیروئن اور کوکین والے اٹیچی کیس ہم نے اپنی اپنی گود میں رکھے ہوئے تھے۔ بلانشے تجربہ کار تھی۔ اسے معلوم تھا کہ یہ میرا پہلا "پھیرا" ہے اور میں قدرتی طور پر گھبرایا ہوا ہوں۔ اس لئے وہ فلموں اور ایکٹرسوں کی باتیں کرنے لگی۔ تاکہ میرا دھیان دوسری طرف لگ جائے۔ برٹش ائرویز کا جہاز اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔ ہم اس کی فرسٹ کلاس والی سیڑھی چڑھ کر جہاز کے اندر آ گئے۔ خوش اندام ائر ہوسٹس نے مسکرا کر ہمارا خیر مقدم کیا اور ہمیں ہمارے سیٹ نمبر بتائے۔ دوسری ائر ہوسٹس ہمیں ہماری سیٹوں تک لے گئی۔ اس نے بلانشے کے اٹیچی کیس کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا:

"میڈم لائیے' یہ میں اوپر رکھ دیتی ہوں۔"

بلانشے نے مسکرا کر کہا:

"تھینک یو۔ میں خود رکھ لوں گی۔"

ہم نے دونوں اٹیچی کیس اوپر سامان رکھنے والے خانے میں رکھ دیئے۔ بلانشے نے میرا ہاتھ پکڑا تو میری طرف جھک کر آہستہ سے کہا:

"ڈارلنگ! تمہارے ہاتھ ٹھنڈے ہیں' میں ابھی انہیں گرم کرتی ہوں۔"

اس نے اپنے اور میرے لئے برانڈی منگوائی۔ ائر ہوسٹس گلاسوں میں برانڈی کا ایک ایک سنگل پیگ بنا کر لے آئی۔ ہم ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے برانڈی کی چسکیاں لینے لگے۔ برانڈی نے

میرے خون میں شامل ہوتے ہی میرے جسم کو گرم کر دیا۔ عجیب بات ہے برانڈی پینے سے میرا سارا ڈر خوف دور ہو گیا اور ہاتھ بھی گرم ہو گئے۔ بلانشے نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا اور میرے کان کے قریب منہ لا کر بولی:

"اب اسی طرح رہنا۔ کچھ بھی نہیں ہو گا' دیکھ لینا۔ کچھ بھی نہیں ہو گا۔"

برانڈی نے مجھے بھی شیر کر دیا تھا۔ میں ہر قسم کا خطرہ مول لینے کے لئے اپنے آپ کو تیار پا رہا تھا۔ میں ہنس کر بلانشے کے پاس منہ لے گیا اور اس کے کان کو چومتے ہوئے کہا:

"او کے بلانشے! او کے۔ نو پرابلم۔"

جہاز اس وقت رن وے پر اوپر اٹھنے کے لئے دوڑ رہا تھا۔ اس کے بعد وہ ٹیک آف کر گیا۔ یہ زیادہ دیر کی فلائٹ نہیں تھی۔ جہاز ہیتھرو ائر پورٹ کے رن وے پر اترا تو برانڈی کا نشہ اتر چکا تھا اور گھبراہٹ نے پھر میرے دل کو گھیر لیا تھا۔ بلکہ نشے کے اتار کے ساتھ گھبراہٹ زیادہ ہی محسوس ہو رہی تھی۔ بلانشے نے میرے چہرے کو دیکھا اور سارا معاملہ سمجھ گئی۔ ہمیں ابھی ٹرانزٹ لاؤنج سے باہر نہیں جانا تھا۔ اسی جگہ ایک دوسرے مرد اور ایک دوسری عورت نے اسی طرح باتھ روم میں یہ اٹیچی کیس لے کر اسی قسم کے دو سرے اٹیچی کیس ہمارے حوالے کرنے تھے۔ بلانشے مجھے لے کر سیدھی بار روم میں گھس گئی۔ وہاں پر اس نے مجھے برانڈی کا ایک اور ہلکا سا پیگ پلایا اور میں ایک بار پھر اپنے پاؤں پر بلکہ شیطان کے پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔

ہم بار روم میں کاؤنٹر کے آگے سٹولوں پر بیٹھے تھے۔

میرا اٹیچی کیس میری دائیں جانب سٹول کے پاس پڑا تھا بلانشے نے اپنا اٹیچی کیس اپنے سٹول کے ساتھ لگا کر رکھا ہوا تھا۔ بلانشے نے ایک نظر سے ماحول کا جائزہ لیا۔ پھر سر میری طرف کر کے کہنے لگی:

"وہ لوگ سپلائی وصول کرنے آرہے ہیں' اپنی جگہ پر اسی طرح بیٹھے رہنا۔"

اتنے میں میری دائیں جانب خالی سٹول پر ایک سوٹ بوٹ والا انگریز آکر بیٹھ گیا۔ اس نے میرے اٹیچی کیس کی وضع کا اپنا اٹیچی کیس میرے اٹیچی کیس کے بالکل ساتھ لگا کر رکھ دیا اور بیئر کے گلاس کا آرڈر دیا۔ عین اسی وقت بلانشے کے ساتھ والے سٹول پر ایک عورت آکر بیٹھ گئی۔ میں نے دیکھا کہ اس نے بھی اپنا اٹیچی کیس بلانشے کے اٹیچی کیس کے ساتھ رکھ دیا تھا۔ عورت نے لیمن جوس کا آرڈر دیا۔ بلانشے میرے ساتھ لندن کے موسم کی باتیں کرنے لگی۔ وہ خود بھی لیمن جوس پی رہی تھی۔ میرے گلاس میں تھوڑی سی برانڈی باقی تھی۔ میں اسے تھوڑا تھوڑا زبان کے ساتھ لگا کر اپنے اندر جذب کر رہا تھا۔ اس وقت میرا دل خوف سے بالکل خالی تھا۔

بمشکل تین منٹ گذرے ہوں گے کہ ہمارے دائیں بائیں جو مرد اور عورت بیٹھے تھے' وہ اٹھ کر چلے گئے۔ جاتی دفعہ میں نے دیکھا کہ میرے والے انگریز نے اپنے اٹیچی کیس کی جگہ میرا اٹیچی کیس اٹھالیا تھا۔ بلانشے کی جانب بیٹھی ہوئی عورت بھی اپنا اٹیچی کیس وہیں چھوڑ کر اب کا ہیروئن والا اٹیچی کیس اٹھاکر بار روم سے باہر نکل گئی۔

جب دونوں بار روم سے نکل گئے تو میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ برانڈی نے مجھے بظاہر بے خوف ضرور بنادیا تھا۔ مگر یہ احساس مجھے برابر پریشان کئے ہوئے تھے کہ ہمارے پاس ناجائز ہیروئن کی بھاری مقدار موجود ہے اور انگلستان میں اس کی سزا بڑی سخت ہے اور انگریزوں کا قانون اس جرم کو کبھی معاف نہیں کرتا۔۔ اس میں ضمانت بھی نہیں ہوتی۔۔۔

اب ہیروئن اور کوکین ہم دونوں میں سے کسی کے پاس بھی نہیں تھی۔ ہم آزاد اور بے فکر کر دیئے گئے تھے۔ میں نے یونہی اپنے دل کا شک دور کرنے کے لئے بلانشے سے کہا کہ اٹیچی کیس کھول کر تو دیکھو' کہیں اس میں چرس وغیرہ نہ رکھ دی گئی ہو۔ اس دھندے میں کسی کا کوئی اعتبار نہیں۔ بلانشے نے بڑے پر اعتماد لہجے میں کہا:

"کیسی عجیب بات ہے کہ یہی ایک ناجائز دھندا ایسا ہے کہ جس میں تم ایک دوسرے پر پورا اعتماد کر سکتے ہو۔ اس میں کوئی آپس میں جھوٹ نہیں بولتا۔ اس لئے بے فکر رہو۔ پھر بھی اگر تمہارے دل میں کوئی شک شبہ ہو تو میں ابھی دور کئے دیتی ہوں۔ تم اپنا اٹیچی کیس کھولو۔ میں اپنا کھولتی ہوں۔"

ہم نے وہیں اٹیچی کیس گھٹنوں پر رکھ کر کھولے۔ بلانشے کے اٹیچی کیس میں دو نیلے انڈرویئر' ایک بلاؤزر اور میک اپ کا کچھ سامان تھا' جبکہ میرے اٹیچی کیس میں مردانہ شب خوابی کا لباس' دو رسالے' ایک پرانی کتاب' ٹوتھ برش' آفٹر شیو لوشن اور شیونگ کا سامان تھا۔ یہ تمام چیزیں ایسی تھیں جن کی مجھے ضرورت بھی تھی۔ میں نے مسکرا کر بلانشے سے کہا:

"تم ٹھیک کہتی ہو بلانشے۔ یہ لوگ بڑی دیانتداری سے ناجائز دھندا کر رہے ہیں۔"

بلانشے نے اٹیچی کیس بند کرتے ہوئے کہا:

"تم کہہ سکتے ہو کہ یہ لوگ بہت ہی اچھے برے لوگ ہیں۔ آدمی اگر برا ہو تو اسے بہت اعلیٰ قسم کا برا آدمی ہونا چاہئے۔ اسی طرح اگر وہ اچھا آدمی ہے تو اسے بہت اعلیٰ قسم کا اچھا آدمی ہونا چاہئے۔ اب تم یہیں بیٹھو۔"

بلانشے بار روم میں لگے ہوئے پبلک ٹیلی فون بوتھ میں جا کر فون کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد واپس آئی۔ کہنے لگی:

"چلو۔ اس آدمی نے ہمیں اپنے آفس میں بلایا ہے۔"

میں نے بلانشے کے ساتھ بار روم سے باہر نکلتے ہوئے پوچھا:

"کیا اس شخص کا کوئی آفس بھی ہے؟"

بلانشے بولی:

"یہ لوگ فون پر جب بات کرتے ہیں تو اپنے ٹھکانے کو آفس ہی کہتے ہیں۔"

ائرپورٹ سے باہر آکر ہم نے ٹیکسی لے لی۔ بلانشے نے اسے لندن کے ایک علاقے میں چلنے کو کہا۔ میں جان بوجھ کر لندن کے اس علاقے کا

نام نہیں لکھ رہا۔ کیونکہ وہ علاقہ خوامخواہ بدنام ہو گا۔ اگرچہ میری تازہ اطلاع کے مطابق اب وہاں یہ اڈا نہیں رہا۔

میں لندن میں آگیا تھا۔ لندن جہاں میرا دوست فیروز رہتا تھا۔ میں نے دل میں سوچا کہ اگر میرے لندن کے اس دوست کو معلوم ہو جائے کہ میں عنقریب لکھ پتی بننے والا ہوں اور اس وقت میں پیرس کی ایک حسینہ کے ساتھ ٹیکسی میں بیٹھا لندن کی سڑکوں پر جا رہا ہوں اور ہمارے پاس اتنے زیادہ پونڈ ہیں تو اسے بھی یقین نہیں آئے گا۔ کیونکہ اس نے تو مجھے پیرس کے ایک گورکن کے حوالے کر دیا تھا۔ لیکن میں قبر سے نکل کر پیرس کے محل میں پہنچ چکا تھا۔ پھر بھی میں فیروز کا شکر گذار تھا۔ اگر وہ میری مدد نہ کرتا اور مجھے پیرس کے گورکن کے حوالے نہ کرتا تو میں کہاں بلانشے اور میڈم سلویا سے مل سکتا تھا۔ لندن میں بھی مطلع ابر آلود تھا۔ لندن میں تو اس موسم میں مطلع اکثر ابر آلود ہی رہتا ہے۔

ٹیکسی لندن شہر کے جنوبی علاقے میں چلی جا رہی تھی۔ کوئی آدھ گھنٹے کے سفر کے بعد ایک جدید ہائی رائیز بلڈنگ کے قریب پہنچی تو بلانشے نے اسے وہیں رکوا دیا۔ ہم ٹیکسی سے اتر کر اس بلند و بالا کئی منزلوں والی عمارت کی لابی میں آگئے۔ اس بلڈنگ میں رہائشی فلیٹ بھی تھے اور پرائیویٹ فرموں کے دفاتر بھی تھے۔ بلانشے دیوار میں لگے ہوئے بورڈ کو پڑھنے لگی۔ میں بھی اس کے پاس ہی کھڑا تھا۔ کہنے لگی:

"اس شخص کا نام جے تھامسن ہے۔ اس نے دنیا والوں کو دکھانے کے لئے یہاں انشورنس کمپنی کا ایک آفس بنایا ہوا ہے۔ آؤ اوپر چلتے ہیں۔"

ہم لفٹ کی طرف بڑھے۔ بلانشے کہہ رہی تھی:

"اس کاروبار میں لوگ ایک دوسرے کو اپنی شکلیں بہت ہی کم دکھاتے ہیں اور عام طور پر ایک دوسرے سے کوئی بات بھی نہیں کرتے۔ جس طرح ہمارے اٹیچی کیس اٹھانے والوں نے ہم سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ مگر یہ آدمی میڈم سلویا کا خاص آدمی ہے اور میڈم کی وجہ سے اس نے ہمیں اپنے آفس میں بلالیا ہے۔ تم وہاں کوئی بات نہ کرنا۔ اگر وہ کوئی بات پوچھے تو اسکا مختصر سا جواب دے دینا۔ باقی ساری بات میں کروں گی۔"

ہم لفٹ میں سوار ہو کر بلڈنگ کی گیارہویں منزل پر آگئے۔ یہاں کاریڈور میں ایک جگہ تھامسن انشورنس کمپنی کا چھوٹا سا بورڈ لگا ہوا تھا۔ کال بیل دینے پر ایک وردی پوش لڑکا باہر آگیا۔ بلانشے نے اسے اپنا نام بتایا۔ وہ ہمیں اندر لے گیا۔ ہم ایک بڑے کمرے سے گذرے جہاں اردگرد میز کرسیوں پر کچھ کلرک مرد اور لڑکیاں بیٹھی خاموشی سے کام کر رہی تھیں۔ جے تھامسن پختہ عمر کا مضبوط قد کاٹھ کا انگریز تھا۔ ایک بڑی سی میز کے پیچھے ریوالونگ کرسی پر بیٹھا سگار منہ میں لگائے واسکٹ کی جیبوں میں ہاتھ دیئے بیٹھا تھا۔ اس کی بھوری آنکھوں میں بھیڑیئے کی آنکھوں ایسی چمک تھی۔ چہرے پر نہ کوئی مسکراہٹ تھی، نہ اداسی تھی۔ اس نے ہمیں گھور کر دیکھا۔ پھر واسکٹ سے ہاتھ باہر نکال کر ہماری طرف بڑھا۔ ہم دونوں سے ہاتھ ملایا اور سگار ایش ٹرے میں رکھ کر دوبارہ کرسی میں دھنس کر بیٹھ گیا۔۔۔

"خوب خوب۔۔ تم دونوں سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ تمہارا مال ہمیں مل گیا ہے، اس دفعہ مال عمدہ قسم کا ہے۔ میں نے میڈم کا بھی فون پر شکریہ ادا کر دیا ہے۔ ہم بڑی دیانتداری سے کام کرتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ لوگ اپنا پریمیم بھی اسی طرح ادا کرتے رہیں گے۔"

اس دوران وہ کاغذ کی ایک چٹ پر انگریزی میں کچھ لکھتا ہی رہا۔ اس نے چٹ ہماری طرف بڑھائی اور کہا:

"آج لندن کا موسم بڑا غیر خوشگوار ہے لیکن اس موسم میں تو لندن اسی طرح کا ہو جاتا ہے۔۔۔"

اس نے ہاتھ کے اشارے سے بلانشے سے کہا کہ وہ رقعہ پڑھ لے۔ بلانشے کاغذ کی چٹ پڑھنے لگی۔ میں نے بھی نظریں اس پر جمادیں۔ چٹ پر انگریزی میں لکھا تھا:

"آج شام چھ بجے مجھے یہاں تم دونوں ملنا۔"

نیچے اس جگہ کا نام لکھا تھا جو لندن کے پرانے قلعے کے پاس ایک غیر معروف سے ایک پب کا نام تھا۔ میں ایک دو بار اس پب میں بیٹھ کر بیئر پی چکا تھا۔ بلانشے نے چٹ اپنے پرس میں رکھ لی۔ جے تھامسن فوراً اٹھا اور ہاتھ بڑھا کر بولا:

"آپ لوگوں سے مل کر بڑی خوشی ہوئی' آپ ہمارے کاروبار کو اسی طرح ہمیشہ شفاف اور صاف ستھرا پائیں گے۔"

اس نے باری باری ہم دونوں سے ہاتھ ملایا اور کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ بلڈنگ کی لابی میں آنے کے بعد میں نے بلانشے سے کہا:

"اس نے ہمیں کس مقصد کے لئے بلایا ہے؟"

اس نے کندھے سکیڑتے ہوئے جواب دیا:

"کیا کہہ سکتی ہوں۔ ہو سکتا ہے ہماری جو کمیشن بنتی ہے اس کے بارے میں کوئی بات کرنا چاہتا ہو۔"

باقی کا دن ہم نے لندن کے شاپنگ سنٹروں اور سیر گاہوں میں گھوم پھر کر گذارا۔ دوپہر کا کھانا ٹرالفالگر سکوائر کے ایک ریستوران میں کھایا اور شام کو جے تھامسن کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچ گئے۔ یہ جگہ شہر سے باہر ایک غیر آباد علاقے میں تھی۔ جہاں سے آگے کھیت اور پھلوں کے فارم و رقبہ شروع ہو جاتا تھا۔ یہاں ایک کھیت کے کنارے شہتوت کے گنجان درخت کے پہلو میں ایک سٹور ہاؤس قسم کی بوسیدہ سی عمارت کھڑی تھی جس کی دیواروں کا پلستر جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا تھا۔ اسکا دروازہ بھی بند تھا۔ ہم وہاں رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگے کہ جس شخص نے ہمیں یہاں آنے کا کہا ہے' وہ نظر نہیں آ رہا۔۔۔

اتنے میں دروازہ کھلا۔ دروازے میں جے تھامسن واسکٹ کی جیبوں میں ہاتھ دیئے سگار منہ میں دبائے کھڑا تھا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے ہمیں اندر بلایا اور خود پیچھے ہٹ گیا۔ ہم سٹور میں داخل ہو گئے۔ اندر ایک چھوٹا سا ہال تھا جس میں لکڑی کے خالی کھوکھے اور تختے جگہ جگہ بکھرے ہوئے تھے۔

ایک جانب پارٹیشن کے اندر پرانی میز اور کرسیاں بچھی تھیں۔ جے تھامسن ہمیں کیبن میں لے گیا۔ کرسی پر بیٹھتے ہی اس نے کہا:

"تمہاری کمیشن کی رقم کے لئے میں نے میڈم کو فون کر دیا ہے۔ تم پیرس واپس جاکر وصول کر لینا۔ لیکن واپسی پر تمہیں ایک کام کرنا ہو گا۔"

بلانشے سمجھ گئی۔ اسکا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ سمجھ گئی ہے۔ اس نے سانس لے کر کہا:

"کیا کوئی سپلائی ہے؟"

"ہاں۔" تھامسن نے سگار کی راکھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

"پاؤڈر ہے یا شوگر؟"

اسمگلنگ کی اصطلاح میں پاؤڈر ہیروئن اور شوگر کوکین کو کہا جاتا تھا۔ تھامسن نے کہا:

"شوگر ہے۔ یہ سپلائی میڈم کے پاس پہنچانی ہوگی۔"

جب بلانشے نے پوچھا کہ کیا شوگر بھی پہلے کی طرح ہمیں ائر پورٹ کے اندر ٹرانزٹ لاؤنج میں ہی ملے گی تو جے تھامسن کہنے لگا:

"نہیں۔ اس دفعہ سپلائی تم خود ہی لے کر ٹرانزٹ لاؤنج میں جاؤ گے۔"

میں کچھ ڈر گیا۔ کیونکہ ایئر پورٹ پر اور خاص طور پر یورپ کے ہوائی اڈوں پر چیکنگ کا نظام انتہائی جدید اور کمپیوٹرائزڈ تھا۔ جدید تیکنیک کی حامل مشینوں اور چیکنگ آلات کے علاوہ ایئر پورٹ کے لاؤنج میں بوگیر تربیت یافتہ کتے بھی موجود ہوتے ہیں جو سات پردوں کے اندر سے ہیروئن اور کوکین وغیرہ کی بو سونگھ لیتے تھے۔ بلانشے کو بھی اس حقیقت کا علم تھا مگر وہ آگے سے اعتراض نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے صرف اتنا پوچھا کہ سپلائی کے یہاں سے نکال کر لے جانے کی کیا صورت ہوگی۔

"کیا ہمیں شوگر پیکٹ کی شکل میں دی جائے گی یا اسے کسی چیز میں لگایا گیا ہوگا؟"

جے تھامسن نے بلانشے کے چہرے پر اپنی بھوری آنکھیں جمادیں اور سرد لہجے میں بولا:

"تمہیں ایک پوڈل ٹیل کتا دیا جائے گا۔ تم پیرس کی اونچی سوسائٹی کی خواتین کے لباس میں ملبوس ہوگی۔ شوگر کیپسولوں میں بند پوڈل کتے کے معدے میں ہوگی۔"

بلانشے نے کہا:

"ایئر پورٹ پر کسٹم والوں کے کتے اس کی بو نہیں سونگھ لیں گے؟"

جے تھامسن نے کہا:

"کیپسولوں پر مگرمچھ کی چربی کی تہہ چڑھائی گئی ہے جو شوگر کی بو کو باہر نکلنے سے روک لیتی ہے۔ اگر کسی وجہ سے ہیروئن کی معمولی سی بو کسٹم والوں کے کتے نے سونگھ بھی لی اور وہ تمہارے پوڈل کتے پر بھونکنے لگے تو اسے ایک معمول کی بات سمجھا جائے گا۔ کیونکہ کتے ایک دوسرے پر بھونکا ہی کرتے ہیں۔ اس وقت تم ایک سخت گیر مالکہ کی اداکاری کروگی اور کسٹم والوں پر برس پڑوگی کہ اگر میرے کتے کو تمہارے کتوں نے کاٹا تو میں تم پر ہرجانے کا دعوی کردوں گی۔۔۔۔"

میں خاموشی اور تشویش کے ساتھ بیٹھا تھامسن کی باتیں سن رہا تھا۔ مجھے یقین ہونے لگا تھا کہ اس بار میں اور بلانشے دونوں ائر پورٹ پر ضرور پکڑ لئے جائیں گے۔ آخر کسٹم والے اتنے بےوقوف نہیں ہیں۔ وہ سمجھ جائیں گے کہ پوڈل کتا مشکوک ہے اور اس کے اندر ہیروئن چھپائی گئی ہے۔"

تھامسن کہنے لگا:

"تمہاری پیرس کی فلائیٹ کا ٹائم کل شام سوا سات بجے ہے۔ اس فلائیٹ کی فسٹ کلاس میں تمہاری دو سیٹیں بک ہو چکی ہیں۔ کل ٹھیک پانچ

بجے شام تمہیں ایک آدمی تمہارے ہوٹل میں آکر تمہیں پوڈل ٹیل والا کتا دے جائے گا۔ اگر ایئر پورٹ پر حالات کسی وجہ سے خراب ہو گئے تو نہ مجھے فون کرنا اور نہ میرا نام لینا۔ اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کر دینا۔ ہم بعد میں تم دونوں کو رہا کروالیں گے۔"

میں نے اپنے دل میں کہا۔۔مارے گئے بھئی۔ ایک بار پکڑے گئے تو پھر کون کسی کو چھڑانے آتا ہے۔ بس باقی عمر کے سال لندن جیل کی یاترا کرتے ہی گذرے گی۔ میں نے سوچا کہ اس دلدل سے نکل جانا چاہئے۔ مزید غور کیا تو معلوم ہوا کہ میں دلدل میں گھٹنوں تک دھنس گیا ہوا ہوں۔ اب نکلنے کی کوشش کی تو مزید دھنستا چلا جاؤں گا۔ تھامسن کرسی سے اٹھا اور کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھ کر بولا:

"اب میں جاتا ہوں۔ تم لوگ میرے جانے کے کم از کم بیس منٹ بعد یہاں سے نکلو گے۔"

وہ چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے بلانشے سے فکر مند ہو کر کہا:

"بلانشے تمہارے خیال میں ہم ہیروئن لے کر ائر پورٹ سے نکل جائیں گے۔ آگے پیرس کے ایئر پورٹ پر بھی تو ہماری چیکنگ ہوگی۔"

بلانشے بالکل بے فکر تھی۔ اس نے کہا:

"کیوں نہیں؟ یہ کوئی انوکھا طریقہ نہیں ہے۔ اس میں اگر کوئی انوکھی اور محفوظ بات ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ کتے کے معدے میں جو ہیروئن کے کیپسول چھپائے گئے ہوں گے' ان پر مگر مچھ کی چربی کی تہہ چڑھی ہوگی۔ تم شاید مگر مچھ کی چربی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ مگر مچھ کی چربی میں یہ

خوبی ہوتی ہے کہ وہ اگر کسی چیز پر لگادی جائے تو اس چیز کی بو وہیں قید ہو کر رہ جاتی ہے۔ ہمارے اس ناجائز کاروبار میں ایک بار پہلے بھی ایک کامیاب تجربہ ہو چکا ہے۔ تم کیوں فکر کرتے ہو؟ مگر تم بھی سچے ہو۔ یہ تمہارا پہلا خطرناک پھیرا ہو گا۔"

میں نے بلانشے سے کہا:

"پہلے والا طریقہ بڑا محفوظ تھا کہ ایئر پورٹ کے ٹرانزٹ لاؤنج میں تمہیں ہیروئن دے دی جائے۔"

بلانشے نے مسکراتے ہوئے کہا:

"وہ تو بڑی آسان اور معمولی بات تھی۔ اس میں ہمارا کیا کمال تھا۔ ہمارا اصل ٹیسٹ تو اس پھیرے پر ہو گا۔ گھبراؤ نہیں۔ ہم بڑی آسانی سے نکل جائیں گے۔ اور پھر اس کے بعد ہمیں اس قسم کے کئی تجربے کرنے پڑیں گے۔ میری جان! ناجائز کاروبار میں بھی دولت اتنی آسانی سے گھر بیٹھے نہیں مل جاتی۔"

اس کے بعد ہم سٹور ہاؤس سے نکل کر اپنے ہوٹل میں آ گئے۔
دوسرے دن بلانشے نے اپنے لئے ایک قیمتی مگر شریفانہ فراک اور پیٹی کوٹ خریدا۔ اس نے مجھے پہن کر دکھایا تو وہ یورپ کی کسی امیر مگر شریف گھرانے کی خاتون لگی۔ میں نے کہا۔

"تم تو بالکل بدل گئی ہو۔ اگر تم مجھے اس لباس میں پہلے دن ملتیں تو میں کبھی تمہارے ساتھ نہ ہو لیتا۔"

بلانشے نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے سر پر تنکوں کا ہیٹ رکھ کر اپنے آپ کو ادھر ادھر گھما کر دیکھنے لگی۔

شام کے ٹھیک پانچ بجے ایک آدمی آیا۔ اس نے گود میں ایک بلی جتنے سائز کا پوڈل ٹیل والا نازک سا سفید کتا اٹھا رکھا تھا۔ اس نے بلانشے کو پہچان لیا تھا۔ پوڈل کتا بلانشے کی گود میں ڈال کر وہ آدمی چلا گیا۔ کتے کو شاید کوئی سست کر دینے والا انجکشن لگایا ہوا تھا۔ وہ پورے ہوش میں تھا مگر بھونک نہیں رہا تھا۔ اس کے گلے میں گولڈن زنجیر بندھی ہوئی تھی۔ بلانشے اسے قالین پر کھڑا کر کے اس کے پاس بیٹھ گئی اور پیار کرنے لگی۔ کتا بھی اس کے بازو سے اپنا سر گھسیانے لگا۔

بلانشے نے میری طرف دیکھ کر آہستہ سے کہا۔

"یہاں ہوٹل میں کسی کو معلوم نہیں کہ اس کتے کے معدے میں کم از کم ایک لاکھ پونڈ کی ہیروئن موجود ہے۔ جس کی پیرس پہنچتے ہی تین گنا مالیت بڑھ جائے گی۔"

جے تھامسن نے ایک بات کی خاص طور پر تاکید کی تھی کہ امیر لوگوں کی طرح عین وقت پر ایئر پورٹ پہنچنا۔ جب جہاز کے ٹیکسی کرنے میں تھوڑا ہی وقت رہ گیا ہو۔ چنانچہ دوسرے روز ہم عین وقت پر لیموزین ٹیکسی میں ائیر پورٹ پہنچے۔ بلانشے اپنے لباس سے بڑے شریف اور امیر گھرانے کی تہذیب یافتہ عورت لگ رہی تھی۔ ائیر پورٹ کی عمارت میں داخل ہوتے ہی اس نے پوڈل کتے کو گود سے اتار دیا اور زنجیر پکڑ کر اسے اپنے ساتھ ساتھ چلانے لگی۔ ہم تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے کسٹم والوں کے کاؤنٹر پر پہنچے تو میرا دل دھڑک رہا تھا اور ہاتھ ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ اگر اس وقت میرے دل کی ای سی جی کی جاتی تو ہم یقیناً پکڑے جاتے۔ چیکنگ کرنے والوں نے کتے کو ایک نظر دیکھا۔ چیکنگ افسر کے پاس ایک بوگیر کتا موجود تھا جس کی زنجیر اس نے خود پکڑ رکھی تھی۔ وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ پوڈل کتے کو دیکھتے ہی بوگیر کتا اس پر جھپٹا اور زور زور سے بھونکنے لگا۔ اسے ہیروئن کی بو آ گئی تھی۔ بلانشے نے ایک بدمزاج خاتون کی بہترین اداکاری کی اور آفیسر پر برس پڑی۔

"اس کو پیچھے ہٹاؤ۔ میرا کتا شاہی نسل سے ہے۔ اسے کچھ ہو گیا تو میں تم سب کو عدالت میں پیش کر دوں گی۔"

ہمارا ست الوجود کتا بھی غرانے لگا تھا۔ کسٹم کے حکام یہی سمجھے کہ کتے کو دیکھ کر کتا بھونکنے لگا ہے۔ دوسری طرف بلانشے کی امارت اور ڈانٹ ڈپٹ کا

ڈپٹ کا بھی ان پر رعب پڑ گیا تھا۔ انہوں نے اپنے کتے کو پیچھے کھینچ لیا اور بلانشے سے معذرت کرنے لگے۔

سپیکر پر عورت کی آواز بلند ہوئی کہ فسٹ کلاس کے دو مسافر جن کے نام یہ ہیں، اگر لاؤنج میں موجود ہوں تو جہاز پر پہنچ جائیں۔ ان کو صرف تین منٹ کا وقت دیا جاتا ہے۔ بلانشے نے اپنے سامنے اپنے پوڈل کتے کو ایک ٹوکری میں رکھوا کر جہاز میں جانور رکھنے والوں کے حوالے کیا۔ کاؤنٹر پر سے بورڈنگ کارڈ بنوائے اور میرے ساتھ تیز تیز قدم اٹھاتی گیٹ کی طرف بڑھی اس بات کی اس نے تسلی کر لی تھی کہ پوڈل کتے والی ٹوکری لئے ائر پورٹ کا آدمی دوسرے گیٹ سے نکل کر جہاز کی طرف چلا گیا تھا۔ گیٹ کے آگے دوسرے جہاز پر لے جانے والی بس بالکل خالی ہمارے انتظار میں کھڑی تھی۔ ہم بھاگ کر اس میں سوار ہوئے اور بس تیزی سے دائیں طرف گھوم کر رن وے کی طرف دوڑنے لگی جہاں جہاز ٹیک کرنے کے لئے بالکل تیار کھڑا تھا۔ جہاز پر سیڑھی بالکل خالی تھی۔ جہاز کے دروازے پر دو ایئر ہوسٹس ہمارے انتظار میں کھڑی تھیں۔ اتنی دیر میں جو آدمی پوڈل کتے کی ٹوکری لے کر آیا تھا، اس کی جیپ جہاز کے اس حصے کے پاس آ کر رک چکی تھی، جہاں مسافروں کے پالتو جانوروں کو رکھا جاتا تھا۔ ہم جلدی جلدی سیڑھیاں چڑھ کر فسٹ کلاس میں داخل ہو گئے۔ ہمارے جہاز کے اندر جاتے ہی دروازہ بند کر دیا گیا۔ اور جہاز آہستہ آہستہ رن وے کی طرف چلنے لگا۔

فسٹ کلاس کی آرام دہ سیٹ پر بیٹھنے کے بعد ہم نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ میں نے بلانشے سے پوچھا:

"اورلے کے ایئر پورٹ تو اتنی چیکنگ نہیں ہو گی ناں؟"

بلانشے نے ٹشو پیپر سے اپنے ماتھے اور رخساروں پر آیا ہوا پسینہ خشک کرتے ہوئے کہا:

"تم کیوں گھبراتے ہو۔۔۔اس طرح گھبرانے لگو گے تو کام کیسے چلے گا؟ کچھ نہیں ہو گا۔ بس اطمینان سے بیٹھے رہو۔ میں تمہارے لئے برانڈی منگواتی ہوں۔"

میں نے جلدی سے کہا:

"نہیں، نہیں پلیز۔۔۔میں برانڈی نہیں پیئوں گا' میرے لئے بیئر منگوالو۔"

جہاز رن وے پر ایک خاص مقام پر پہنچ کر رک گیا۔ پھر یہاں سے اس نے سارے انجن چلانے کے بعد ایکدم سپیڈ پکڑی اور پیرس کی طرف ٹیک آف کر گیا۔ میں نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ کم از کم لندن کی جیل سے میں بچ گیا تھا۔ اب پیرس کی جیل میں جانے کا خطرہ منڈلانے لگا تھا۔ مگر پیرس میں بھی خیریت ہی رہی۔ اگرچہ ٹرانزٹ لاؤنج کے باہر نکلنے والے گیٹ پر ایک جانب نارکاٹک کے سنتری موجود تھے مگر ان کے پاس بوگیر کتے موجود نہیں تھے۔ ہمیں پوڈل کتے کی ٹوکری وہیں مل گئی اور ہم باہر نکل گئے۔ وہیں سے ہم نے ٹیکسی پکڑی اور میڈم سلویا کے بنگلے کی طرف روانہ ہو گئے۔ ٹیکسی میں بلانشے نے پوڈل کتے کو اپنی گود میں بٹھا رکھا تھا۔ اس نے فرط مسرت سے میرے رخسار چومتے ہوئے کہا:

"جیکی! تم کتنے اچھے ہو۔"

اسکا مطلب تھا کہ ہم کتنے خوش نصیب ہیں کہ موت کے منہ سے بچ کر نکل آئے ہیں مگر وہ ٹیکسی ڈرائیور کی موجودگی میں یہ جملہ نہیں کہہ سکتی تھی۔

میڈم سلویا کو جے تھامسن نے فون پر اطلاع کر دی ہو گی کہ مرچنڈائیز یعنی سامان آپ کے لوگوں کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ وہ ہمارے انتظار میں تھی۔ خادمہ ہمیں میڈم سلویا کے نچلی منزل والے خاص کمرے میں لے گئی۔ میڈم کے کمرے میں ہلکی ہلکی خوشبودار خنکی تھی۔ وہ سلک کے نیلے لباس میں صوفے پر بیٹھی قیمتی سگریٹ سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ میں اور بلانشے کمرے میں داخل ہوئے تو اس نے ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پوڈل کتا میڈم نے بلانشے سے لے کر اپنی گود میں بٹھالیا اور اسے پیار کرنے لگی۔

"مجھے تمہارے پیرس سے خیریت کے ساتھ ٹیک آف کرنے کی اطلاع مل گئی تھی۔ پیرس کے ایئر پورٹ سے بھی میرے آدمی نے تمہاری خیریت سے پوڈل کے ساتھ باہر نکلنے کی اطلاع کر دی تھی۔"

بلانشے نے اپنے بالوں کو ماتھے سے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

"میڈم! یہ تجربہ کامیاب رہا۔ مجھے یہ ترکیب اچھی لگی ہے۔"

میڈم نے میری طرف دیکھتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

"تم گھبرائے تو نہیں تھے جیکی؟"

بلانشے نے فوراً کہا۔

"میرا خیال تھا اس کا پہلا پہلا موقع ہے یہ ضرور گھبرا جائے گا مگر اس نے بڑی بہادری کا ثبوت دیا ہے۔ اس کا چہرہ بالکل نارمل رہا۔"

میڈم سلویا میری طرف دیکھ مسکرا رہی تھی۔ کہنے لگی۔

"تم بڑا اچھا مستقبل لے کر اور بڑی اچھی قسمت کے ساتھ پیرس
آئے ہو۔"

اس کی بعد میڈم سلویا کتے کے پیٹ کو کسی ماہر قصائی کی طرح
انگلیوں سے دبادبا کر ٹٹولنے لگی۔ کتا اپنے نشے میں تھا۔ شاید اس کو بھی ہیروئن
کی ایک خوراک پلادی گئی تھی۔ اس نے ذرا آواز نہ نکالی۔ دو تین بار کتے کے
پیٹ میں انگلیاں دبانے کے بعد میڈم سلویا نے خوش ہو کر کہا۔

"سب ٹھیک ہے۔ ہماری آدمی اس کے پیٹ میں سے کیپسول
نکال لیں گے۔ کل رات کا کھانا تم دونوں میرے ساتھ کھاؤ گے۔ اس وقت تم
دونوں کو تمہاری کمشن کی ادائیگی کر دی جائے گی۔"

ہم تھوڑی دیر وہاں بیٹھے۔ پھر اجازت لے کر میڈم کی گاڑی میں اپنے
اپارٹمنٹ واپس آ گئے۔ بلانشے نے فوراً پیرس کی شریف خواتین والا لباس
اتار کر پلنگ پر پھینک دیا۔ وہ صرف انڈرویئر اور مختصر سے بلاوزمیں تھی۔ کہنے
لگی۔

"اس لباس میں مجھے سخت بوریت محسوس ہو رہی تھی۔ خدا جانے
شریف خواتین یہ لباس کیسے پہنے رکھتی ہیں۔"

وہ صرف انڈرویئر اور بلاوز مین ہی کمرے میں ادھر ادھر پھر رہی
تھی۔ پھر اس نے اسی حالت میں ہی تھوڑا سا کھانا تیار کر لیا۔ اسی طرح میرے
سامنے بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اس کے بعد وہ نہانے چلی گئی۔ غسل خانے کے
دروازے تک پہنچتے پہنچتے اس نے یہ مختصر سا لباس بھی اتار کر قالین پر پھینک
دیا تھا۔

رات کو میں نے بلانشے سے پوچھا۔

"ہمارا کمیشن تمہارے اندازے کے مطابق کتنا بنے گا؟"

وہ ہونٹوں کو سکیڑتے ہوئے کہنے لگی۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں کچھ نہیں تو پچاس پچاس ہزار فرانک ضرور ملیں گے۔"

پھر وہ اچانک میری طرف دیکھ کر کہنے لگی۔

"ارے میڈم نے مجھے جو بانڈ دیئے تھے اس میں تمہارا حصہ بھی تو تھا۔ میں تمہیں تمہارا حصہ دینا بھول ہی گئی تھی۔"

وہ جلدی سے اٹھی اور الماری میں ایک جگہ چھپائے ہوئے برٹش کرنسی کے نوٹ نکال کر گننے لگی۔ میں نے کہا۔

"بلانشے مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تمہارے ہیں۔ تم انہیں اپنے پاس ہی رکھو۔"

وہ حیران سی ہو کر بولی۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو اس طرح ہم کاروبار کیسے کریں گے؟ یہ تمہارا منافع ہے۔ کیا تم مجھے اپنا منافع دے کر مجھ پر احسان کرنا چاہتے ہو؟"

میں نے جلدی سے کہا۔

"بالکل نہیں بلانشے ڈارلنگ۔ میں تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"تو پھر اپنا منافع اپنے پاس ہی رکھ لو"

بلانشے نے میری حصے کی رقم نکال کر الماری کے دوسرے دراز میں مجھے دکھا کر رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہاری رقم میں نے یہاں رکھ دی ہے۔ کل نہیں تو پرسوں میں پیرس کے ایک بینک میں تمہارا اکاؤنٹ کھلوا دوں گی۔ تم اپنی کمیشن وہیں جمع کروایا کرنا۔"

اس کے بعد وہ میرے پاس پلنگ پر واپس آگئی۔ میں دل میں خوش بھی ہو رہا تھا اور حیران بھی تھا۔ مجھے کبھی توقع ہی نہیں تھی کہ پیرس میں آنے کے بعد ایکدم سے میرے پاس اتنی رقم آجائے گی کہ میں بینک اکاؤنٹ کھلواؤں گا۔ اگرچہ یہ ناجائز کاروبار کی کمائی تھی لیکن مین گوروں کی لائی ہوئی مصیبت ان ہی سے لے کر ان ہی کے سر پر ڈال رہا تھا۔ اگرچہ یہ لوگ مجھے پاکستان میں ہیروئن سمگل کرنے کو کہتے تو میں کبھی نہ کرتا۔ لیکن پاکستان میں انہیں ہیروئن سمگل کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

بلانشے کہنے لگی۔

"ایسا کرو کہ تم اپنا پاسپورٹ بھی بینک کے لاکر میں رکھوا دینا۔ کیونکہ اب تمہیں پیرس سے واپس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پیرس تمہیں واپس جانے بھی نہیں دے گا۔"

میں نے کہا۔

"لیکن اس طرح یہاں میرا قیام غیر قانونی بھی تو ہو گا۔ اگر کسی جگہ مجھے امیگریشن والوں نے چیک کر لیا تو میں پکڑ لیا جاؤں گا۔"

بلانشے نے ہاتھ کو آہستہ سے جھٹک کر کہا۔

"تم بالکل ایشیائی ہو۔ یہ مت بھولو کہ تمہارے پیچھے میڈم سلویا موجود ہے اور میڈم سلویا کا پیرس کے حکومتی ایوانوں سے لے کر پولیس اور امیگریشن سب محکموں میں بے حد اثر ورسوخ ہے۔"

میں نے کہا۔

"اگر یہ بات ہے تو ہمیں ایئر پورٹ سے کتے میں ہیروئن لانے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا کسٹم والوں پر میڈم کا اثر ورسوخ نہیں ہے؟"

بلا نشے کہنے لگی۔

"مصیبت یہ ہے کہ کسٹم کے عہدے داروں اور افسروں کی ہر ماہ بدلی ہوتی رہتی ہے۔ صرف یہی ایک ایسا محکمہ ہے جس پر حکومت اپنی کڑی نگاہ رکھتی ہے۔ اس کے باوجود جہاں کوئی موقع مل جائے تو میڈم سلویا کی شخصیت یا اس کی دولت رشوت کی شکل میں اپنا کام کر جاتی ہے۔"

میں نے بلا نشے سے پوچھا۔

"اب اگلے مرحلے میں ہمیں کیا کرنا ہو گا؟ کیا ہمیں شوگر وغیرہ لے کر مزید کسی شہر میں جانا ہو گا؟"

بلا نشے نے سوچتے ہوئے کہا۔

"جہاں تک میں سمجھ سکی ہوں میڈم سلویا ہمیں اس عمل سے گزارنا چاہتی ہے۔ وہ ہمیں ٹیسٹ کر رہی ہے۔ جب اسے یقین ہو جائے گا کہ ہمارے اندر خود اعتمادی پیدا ہو گئی ہے اور ہم اس کے کاروبار کے عملی پہلو کے تمام اسرار و رموز سے واقف ہو گئے ہیں تو پھر ہمیں پیرس میں یا یورپ کے کسی دوسرے ملک میں اپنا خاص ایجنٹ بنا کر بھیج دے گی جہاں ہمارا اجے تھامسن کی طرح کا ایک دفتر ہو گا اور ہمیں چھپا کر ہیروئن کے پھیرے لگانے کی ضرورت نہیں ہو گی۔"

میں نے سوچا کہ چلو عشق کے کچھ امتحان اور بھی ہیں تو یہ بھی سہی۔ بس دھڑکا صرف اس بات کا لگا تھا کہ کام غیر قانونی اور ناجائز ہے۔ اگر پکڑا گیا تو پندرہ بیس سال سے کم سزا نہیں ملے گی۔ لیکن دل میں ایک بار

تو پندرہ بیس سال سے کم سزا نہیں ملے گی۔ لیکن دل میں ایک بار دولت اور پیرس کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہونے کی ہوس بیدار ہو چکی تھی' اب اس کو دبانا میرے اختیار سے باہر تھا۔ حالانکہ میں اگر اس وقت ذرا تحمل سے سوچتا اور خدا کا دھیان دل میں لاتا تو اس مذموم اور مجرمانہ فعل سے باز رہ سکتا تھا۔ مگر میں شیطان کے پنجے میں جکڑا ہوا تھا۔ اس میں شیطان کا کوئی قصور نہیں تھا۔ قصور سارا میرا تھا۔ انسان اگر چاہے تو خدا نے انسان کو اتنی طاقت دے رکھی ہے کہ وہ ایک سیکنڈ میں شیطان سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں اندر سے ایسا نہیں چاہتا تھا۔ پیرس کی زندگی کے گناہ آلودہ پہلوؤں نے مجھے اپنی پکڑ میں لے رکھا تھا۔

دوسرے روز بلانشے نے میرے ساتھ بینک میں جاکر میرا اکاؤنٹ کھلوا دیا اور اس کے لاکر میں میرا پاسپورٹ بھی جمع کروا دیا۔ واپسی کا ہوائی ٹکٹ بھی پاسپورٹ کے ساتھ رکھوا دیا کہ ایک ماہ بعد نکال کر اسے واپس کر کے کمپنی کے دفتر سے ایک طرف کا کرایہ وصول کر لیں گے۔ میرے پاس اتنی رقم آگئی تھی کہ مجھے ٹکٹ کے پیسے واپس وصول کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

رات کو ہم ایک بار پھر میڈم سلویا کے بنگلے پر موجود تھے۔

کھانے سے فارغ ہو کر میڈم سلویا نے ہمیں پچاس پچاس ہزار فرانک کے دو چیک دیئے اور کہا۔

"تم دونوں کا ایک اور آخری ٹیسٹ باقی ہے۔"

پچاس ہزار فرانک کا چیک میری جیب میں تھا۔ اب مجھے ہیروئن لے کر دوسرے ملک میں جانا کوئی مشکل نہیں لگ رہا تھا۔ بلانشے نے پوچھا۔

"میڈم! اس بار ہمیں کس ملک میں جانا ہو گا اور کتنی سپلائی لے کر جانا ہے؟"

میڈم سلویا نے اس رات بھی بڑا ہیجان انگیز لباس پہن رکھا تھا اور دو ایک بار اس نے مجھے ایسے گھور کر دیکھا تھا جیسے مجھے ہڑپ کر جانا چاہتی ہو۔ مجھے اس آدم خور قسم کی لڑکی سے ڈر لگنے لگا تھا۔ مگر وہ میری ناجائز اور کثیر آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ تھی۔

میڈم سگریٹ کا دھواں اڑاتے ہوئے بولی۔

"اس بار تم دونوں کو مال لے کر نیویارک جانا ہو گا۔ تمہارے پاسپورٹ بن جائیں گے۔ امریکہ کا ویزا بھی لگ جائے گا۔ نیویارک کے ہوٹل میں تمہارا الگ الگ کمرہ بھی بک کرا دیا جائے گا۔"

نیویارک کا نام سن کر میرے دل میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اس بہانے میں امریکہ بھی دیکھ سکوں گا۔ لیکن فوراً ہی خیال آیا کہ میں ہیروئن لے کر امریکہ جا رہا ہوں گا۔ اور امریکہ کی ایئرپورٹ پر تو چیکنگ کے جدید آلات نصب ہوں گے۔ پکڑا گیا تو سات سمندر پار کسی نے میری خبر تک نہیں سننی۔ بلانشے نے پوچھا۔

"میڈم! اس بار ہمیں شوگر لے کر جانی ہو گی یا پاؤڈر؟"

میڈم نے کہا۔

"دونوں قسم کا مال جائے گا۔ اگر تم اس ٹرپ میں کامیاب ہو گئے تو تم دونوں کے اکاؤنٹ میں ایک ایک لاکھ فرانک جمع کرا دیا جائے گا۔"

لالچ اتنا زیادہ تھا کہ میرے دل سے ہیروئن یا کوکین امریکہ سمگل کرنے کا سارا خوف دور ہو گیا تھا۔ میں نے اپنی تسلی کے لئے میڈم سے پوچھا۔

"ہم یہ مال کس شکل میں اور کس طریقے سے چھپا کر لے جائیں گے؟"

میڈم بولی۔

"یہ سب تمہیں کل بتا دیا جائے گا۔ کل دوپہر کا کھانا تم دونوں ہمارے ساتھ کھاؤ گے۔"

ہم واپس آئے تو بلانشے اتنی خوش تھی کہ اس کے پیر واقعی زمین پر نہیں ٹکتے تھے۔ اپارٹمنٹ میں آتے ہی بولی:

"ہم امریکہ کا پھیرا لگانے کے فوراً بعد یہ اپارٹمنٹ چھوڑ دیں گے اور شانزے لیزے کی ہائی رائز بلڈنگ میں ڈبل بیڈ والا فلیٹ لیں گے۔"

میں نے حسب عادت ایک بار پھر پکڑے جانے کے خدشے کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"نیویارک کے ایئرپورٹ پر تو بڑے سخت حفاظتی انتظامات ہوں گے۔ انہوں نے تو ہیروئن وغیرہ چیک کرنے کے لئے جدید قسم کے آلات لگائے ہوں گے۔ ان سے ہم کیسے بچ کر نکلیں گے؟"

بلانشے نے بے نیازی سے کہا:

تم ابھی بڑے ناتجربہ کار ہو۔ تم نہیں جانتے کہ سمگلنگ یورپ کے ہر شہر، ہر ملک کی طرح امریکہ میں بھی ہوتی رہتی ہے۔ روزانہ یہاں سے لوگ

ہیروئن امریکہ لے جاتے ہیں اور صاف بچ کر نکل جاتے ہیں۔ یہ تو کوئی کوئی اناڑی ہوتا ہے جو پکڑا جاتا ہے۔"

میں سوچنے لگا بلانشے ٹھیک ہی کہتی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اس بار ہم کس طرح ہیروئن لے کر جائیں گے۔ بلانشے کندھے سکیڑ کر بولی:

"میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ بڑا قیمتی پھیرا ہے۔ میڈم کے آدمیوں نے کوئی ایسی ہی ترکیب سوچی ہوگی جس سے تیر ٹھیک نشانے پر جا کر لگے اور مال پکڑا نہ جائے۔۔۔"

اگلے دن دوپہر کو ہم میڈم سلویا کے ساتھ لنچ کی ٹیبل پر بیٹھے بڑی لذت انگیز ضیافت اڑا رہے تھے۔ ہم نے اپنے اپنے چیک اپنے اپنے اکاؤنٹ میں جمع کروا دیئے تھے۔ لنچ کے بعد کافی کا دور ڈرائننگ روم میں آ کر چلا۔

میڈم سلویا نے خادمہ سے فرانسیسی میں کچھ کہا۔ وہ چلی گئی۔ ایک منٹ بعد ایک خوش پوش آدمی کیمرہ گلے میں لٹکائے داخل ہوا۔ میڈم نے کہا:

"تمہارے پاسپورٹ کے لئے تصویریں بنائی جائیں گی۔"

فوٹوگرافر نے ہمیں بڑی کھڑکی کے پردے کے آگے کھڑا کر کے باری باری ہماری تصویریں بنائیں اور میڈم کا شکریہ ادا کرنے کے بعد چلا گیا۔ میڈم کہنے لگی:

"ایک ہفتے کے اندر اندر تمہارے فرنچ پاسپورٹ تیار ہو کر آ جائیں گے۔ اور ان پر امریکہ کے لئے ٹورسٹ ویزا بھی لگا ہوا ہو گا۔ تم

ایک سیاح کی حیثیت سے نیویارک میں داخل ہو گے۔ تمہارا لباس بھی سیاحوں والا ہو گا۔"

بلانشے نے کہا:

"مگر میڈم میرے پاس تو پہلے ہی سے پاسپورٹ موجود تھا اور جیکی کے پاس بھی۔۔۔۔"

میڈم نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا:

"اگر تمہارے نئے پاسپورٹ بن گئے ہیں تو تمہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ یہ نقلی پاسپورٹ نہیں ہوں گے۔ اصلی پاسپورٹ ہوں گے اور جیکی کا پاسپورٹ ایک ایشیائی ملک کا ہے۔ امریکہ میں ایشیائی باشندوں کو شک کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ جیکی کو پاسپورٹ میں فرنچ نیشنل ظاہر کیا گیا ہے۔"

اس نے میری طرف دیکھا اور کہا:

"تم بھی اب اپنے آپ کو فرانس کے شہری سمجھو' اگر کوئی پوچھے تو یہی کہو کہ تم انڈیا کی اپوزیشن پارٹی یا کیمونسٹ پارٹی کے آدمی ہو۔ انڈین گورنمنٹ تمہیں پکڑ کر جیل میں بند کرنا چاہتی ہے۔ تم نے فرانس میں سیاسی پناہ اختیار کر لی ہے۔ اس سے زیادہ تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور فرانسیسی زبان بھی سیکھنی شروع کر دو۔"

بلانشے نے کہا:

"میں تو اس کے ساتھ کسی وقت فرانسیسی میں ہی بات کرتی ہوں۔ اس طرح یہ جلدی ہماری زبان سیکھ جائے گا۔"

میں نے اس کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا:

"مجھے خود فرنچ زبان سیکھنے کا بڑا شوق ہے میڈم!"

بلانشے نے اس کے بعد میڈم سے ہیروئن سمگل کرنے کے طریقہ کار کے بارے میں پوچھا۔ تو میڈم نے کہا:

"یہ تمہیں نیویارک روانہ ہونے سے ایک دن پہلے معلوم ہو جائے گا۔"

جب ہم میڈم سے اجازت لے کر رخصت ہونے لگے تو اس نے بلانشے سے کہا:

"بلانشے مجھ سے تمہارے اپارٹمنٹ کا ٹیلی فون نمبر کہیں گم ہو گیا ہے۔ مجھے دوبارہ لکھوا دو۔"

بلانشے نے اسے اپنا فون نمبر لکھوا دیا۔ ہم نے باری باری میڈم سے ہاتھ ملایا۔ اس بار میڈم نے میرا ہاتھ کچھ زیادہ ہی زور سے دبایا۔ میں نے اسے زیادہ اہمیت نہ دی۔ کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ وہ میرے سینے کے کالے سیاہ بالوں کے جنگل کی وجہ سے مجھے پسند کرتی ہے اور صرف اس لئے کہ وہ ایک جنس زدہ خالص فرانسیسی عورت ہے۔ ایسی عورتوں کے بارے میں میں موپساں کے افسانوں میں بہت کچھ پڑھ چکا تھا۔ آپ کو تو معلوم ہی ہو گا کہ موپساں فرانس کا ادیب تھا اور اس نے جنس کے بارے میں بعض بڑے بڑے افسانے لکھے تھے۔ گاڑی میں سوار ہوتے وقت میڈم نے بلانشے سے کہا:

"بلانشے! تم جیکی کو اپارٹمنٹ میں ڈراپ کر کے شانزے لیزے موسیو ایڈگراں سے جا کر مل لینا۔ وہ تمہیں اس ٹرپ کے متعلق بعض ضروری باتیں سمجھا دے گا۔"

"یس میڈم!"

ہم میڈم سلویا کی گاڑی میں بیٹھ گئے اور گاڑی اس کے عالی شان محل نما بنگلے سے نکل کر پرانے پیرس کی طرف روانہ ہوگئی۔ بلانشے نے مجھے سختی سے منع کیا ہوا تھا کہ میں گاڑی میں موسم اور فلمی ہیرو، ہیروئنوں اور میوزک کے سوا اور کسی موضوع پر بات نہ کروں۔ ورنہ میں اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ یہ شان زے لیزے والا ایڈگراں موسیو کون ہے۔ پھر سوچا کہ وہ بھی میڈم سلویا کا کوئی ایجنٹ ہی ہو گا۔ جس نے شان زے لیزے میں لانڈری کی دکان کھول رکھی ہوگی اور درپردہ وہ سمگلنگ کرتا ہو گا۔

گاڑی مجھے بلانشے کی اپارٹمنٹ بلڈنگ کے سامنے اتار کر بلانشے کو لئے آگے نکل گئی۔ میں اکیلا اپارٹمنٹ میں آگیا۔ کپڑے بدلے۔ غسل خانے میں جاکر منہ دھویا اور سگریٹ سلگا کر پلنگ پر نیم دراز ہوکر اپنے نیویارک والے ٹرپ کے تمام خطرات اور خدشات کے بارے میں غور کرنے لگا۔ یہ پھیرا میرے لئے بے حد فائدے کا باعث تھا۔ مگر امریکہ میں ناجائز منشیات سمگل کر کے لے جانا کوئی اتنا آسان کام بھی نہیں تھا۔ قسم قسم کے پریشان کر دینے والے خیال دل میں آنے لگے۔ کبھی دیکھتا کہ نیویارک کے ایئرپورٹ پر ہم سے ہیروئن برآمد ہوگئی ہے اور ہمیں گرفتار کر کے ایک کمرے میں بند کر دیا گیا ہے اور سی آئی ڈی کے آدمی ہم سے پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔ کبھی خیال آتا کہ اخباروں میں ہماری تصویروں کے ساتھ یہ خبر چھپ گئی ہے کہ ایک فرانسیسی عورت اور ایک پاکستانی مرد نیویارک ہیروئن سمگل کرتے ہوئے گرفتار۔۔۔ میرے لندن کے دوست کو بھی پتہ چل گیا ہے۔ اس نے میرے گھر اخبار کی کٹنگ بھجوادی ہے کہ اس میں میرا کوئی قصور

نہیں ہے۔ میں نے اسے پیرس میں اپنے ایک دوست کے پاس رہنے کو جگہ دلوادی تھی کہ پیرس کی سیر کر کے واپس چلے جانا مگر یہ شخص سمگلروں کے پھندے میں پھنس گیا۔ گھر میں ہر کوئی پریشان ہے۔ بدنامی الگ ہو رہی ہے۔

اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ بلانشے کو کبھی کبھار ہی کوئی ٹیلی فون آیا کرتا تھا۔ اس کا دھندا ہی اس قسم کا تھا کہ اس نے بہت کم لوگوں کو اپنا فون نمبر دیا ہوا تھا۔ میں چونک کر ٹیلی فون کی طرف دیکھنے لگا۔ گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ مجھے خیال آیا کہیں بلانشے کا فون نہ ہو۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے کسی عورت کی آواز آئی۔ یہ بلانشے کی آواز نہیں تھی۔ میں نے ٹوٹی پھوٹی فرنچ میں پوچھا:

"کون بول رہا ہے؟"

دوسری طرف سے خواب میں ڈوبی آواز آئی:

"جیکی! تم نے مجھے نہیں پہچانا؟ میں میڈم سلویا بول رہی ہوں۔"

میڈم سلویا کی آواز کے ساتھ ہی اس کے ہیجان خیز سراپا کا تصور میری آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ میں نے انگریزی میں کہا:

"مجھے افسوس ہے میڈم! میں تمہاری آواز نہیں پہچان سکا۔ بلانشے تو ابھی نہیں آئی۔"

میڈم سلویا نے کہا:

"مجھے بلانشے سے نہیں، تم سے بات کرنی ہے۔"

میں نے سوچا کہ کوئی کاروباری قسم کی بات ہو گی۔ جلدی سے پوچھا:

"یس میڈم! کیا بات ہے۔ میں سن رہا ہوں۔"

میڈم سلویا نے کہا:

"مجھے تم سے ایک ضروری کام ہے۔ آدھے گھنٹے کے بعد میری گاڑی تمہیں لینے آجائے گی۔ تم تیار رہنا۔"

میں نے کہا:

"او کے میڈم! اتنی دیر میں بلانشے بھی آجائے گی۔"

میڈم نے فوراً کہا:

"نہیں۔ وہ دو چار گھنٹوں سے پہلے نہیں آئے گی۔ میں نے اسے جس کام کے لئے بھیجا ہے' وہاں اسے کافی دیر لگ جائے گی۔ مجھے صرف تم سے ہی ایک ضروری بات کرنی ہے۔ ٹھیک ہے؟ سمجھ گئے ہو؟"

میں نے کہا: "یس میڈم! میں بالکل سمجھ گیا ہوں۔"

دوسری طرف سے فون بند ہو گیا۔

میں نے ریسیور رکھ دیا اور سوچنے لگا کہ میڈم کو مجھ سے ایسا کونسا کام آن پڑا ہے۔ مجھے میڈم کی باتوں سے اندازہ ہوا تھا کہ وہ اپنی اور میری اس ملاقات کو راز میں رکھنا چاہتی ہے اور نہیں چاہتی کہ بلانشے کو بھی اس کے بارے میں علم ہو۔ میں نے کافی غور کیا مگر کسی واضح نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔ سوچا میڈم سے ملنا بھی ضروری ہے۔ مجھے اٹھ کر تیار ہو جانا چاہئے۔ میں نے جلدی جلدی منہ ہاتھ دھویا اور کپڑے بدل کر بیٹھ گیا۔ وہاں کوئی کھڑکی تو تھی نہیں۔ بس میز پر رکھے ہوئے ٹائم پیس کو تھوڑی دیر بعد دیکھ لیتا تھا کہ آدھا گھنٹہ کب پورا ہوتا ہے۔ ٹھیک پینتیس منٹ بعد نیچے گاڑی کے ہارن کی رومانٹک سی آواز آئی۔

یہ میڈم کی گاڑی کا ہارن ہی تھا۔ میں نے اپارٹمنٹ کو تالا لگایا اور لفٹ کے ذریعے نیچے آ گیا۔ باہر میڈم سلویا کی قیمتی گاڑی کھڑی تھی۔ ڈرائیور نے باہر نکل کر دروازہ کھول دیا۔ مین پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور گاڑی چل پڑی۔ گاڑی کی چاروں کھڑکیوں کے دھندلے سبز شیشے چڑھے ہوئے تھے۔ میں نے اپنی جانب والا بٹن دبایا تاکہ شیشہ نیچے کروں مگر وہ نیچے نہ ہوا۔ ڈرائیور نے کہا:

موسیو! چاروں شیشے جام ہو گئے ہیں۔"

مجھے یہ بات کچھ عجیب سی لگی۔ کیونکہ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ پھر سوچا کہ ایسا ہو بھی سکتا ہے۔ اب مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ گاڑی کونسے علاقے سے گذر رہی ہے۔ سامنے والی ونڈ سکرین کا آدھا حصہ بھی دھندلا تھا۔ صرف ڈرائیور کے سامنے والا حصہ صاف تھا۔ اس میں سے مجھے باہر کا منظر بہت کم دکھائی دیتا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ گاڑی بدلی ہوئی ہے۔ میڈم سلویا نے مجھے لینے کے لئے دوسری گاڑی بھیج دی تھی۔ شاید پہلے والی گاڑی کسی دوسری جگہ گئی ہوگی۔

گاڑی پرانے پیرس سے نکلنے کے بعد ماڈرن پیرس کی طرف جانے کی بجائے پرانے پیرس کے مشرقی جانب جا رہی تھی۔ اس علاقے کی طرف میں پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ یہ علاقہ میرے لئے بالکل اجنبی تھا۔ کچھ دور تک چھوٹے ٹیلوں کی ڈھلانوں پر بنے ہوئے خوبصورت بنگلے نظر آتے رہے۔ پھر غیر آباد علاقہ شروع ہو گیا۔ کبھی کبھی کسی کارخانے کی عمارت قریب سے ہو کر پیچھے کی طرف نکل جاتی۔ میں حیران تھا کہ میڈم سلویا نے مجھے اپنے بنگلے کی بجائے دوسری جگہ پر کس لئے بلایا ہے۔ آخر یہ سوچ کر خاموش بیٹھا رہا کہ

ہو سکتا ہے اس کے بنگلے پر مہمان وغیرہ آگئے ہوں اور میڈم سلویا وہاں میرا آنا مناسب نہ سمجھتی ہو۔

سڑک بالکل سیدھی کھیتوں کے درمیان چلی جارہی تھی۔ کچھ فارم آئے اور گذر گئے۔ اب گاڑی نیم پہاڑی علاقے میں آگئی تھی۔ کبھی کھلی ہموار زمین آجاتی اور کبھی تھوڑی سی چڑھائی چڑھنے کے بعد اترائی شروع ہوجاتی۔ کوئی آدھے گھنٹے تک گاڑی اس علاقے میں چلتی چلی گئی۔ پھر ایک باغ کے قریب سے گذری۔ اس کے بعد سامنے ایک پہاڑی نظر آئی۔ مجھے صرف سامنے کا تھوڑا سا حصہ نظر آتا تھا۔ گاڑی پہاڑی کے پہلو میں سے گذرنے کے بعد سڑک سے اتر کر ایک چھوٹی سڑک پر پڑگئی، جس کے دونوں جانب درخت سڑک پر جھکے ہوئے تھے۔ گاڑی نے اس سڑک پر کچھ دیر تک چلنے کے بعد موڑ کاٹا تو سامنے مجھے پہاڑی کے دامن میں درختوں کے درمیان ایک کاٹج دکھائی دیا۔ میں سمجھ گیا کہ میڈم سلویا نے مجھے اپنے کنٹری ہاؤس یا سمر ہاؤس میں بلایا ہے۔

یورپ کے امیر لوگ عام طور پر شہر سے دور دیہات میں یا مضافات میں ایک سمر ہاؤس بنالیتے ہیں جہاں وہ کبھی کبھی شہر کی پر شور اور تیز رفتار زندگی سے الگ ہوکر چھٹیاں گذارنے چلے جاتے ہیں۔ کاٹج کا گیٹ کھلا تھا۔ گاڑی برآمدے کے سامنے ایک طرف کھڑی ہوگئی۔ ڈرائیور نے باہر نکل کر میرا دروازہ کھول دیا۔ کھلی فضا میں آکر میں نے اطمینان اور سکون کا سانس لیا۔ میں نے ڈرائیور سے میڈم کے بارے میں پوچھا کہ وہ کہاں ہوں گی۔ ڈرائیور نے کاٹج کے دروازے کی طرف اشارہ کیا اور گاڑی میں بیٹھ کر اسے دوسری طرف سے نکال کر لے گیا۔ وہ واپس جارہا تھا۔ کاٹج کی چھت کا رنگ روغن

پھیکا پڑ چکا تھا۔ دیواروں پر بیلیں چڑھی ہوئی تھیں۔ ایک عجیب ویرانی سی برس رہی تھی۔ میں نے یہ سوچ کر اپنے آپ کو تسلی دی کہ میڈم سلویا نے جان بوجھ کر یہاں نیچرل ماحول بنایا ہوا ہے۔ وہ آخر ادیبہ ہے اور نیچر سے محبت کرتی ہوگی۔ مگر میڈم تھی کہاں؟

میں نے دروازے پر آکر ادھر ادھر دیکھا۔ گھنٹی بجانے والا بٹن بھی وہاں پر نہیں تھا۔ میں نے آہستہ سے دروانے پر دستک دی۔ اندر سے میڈم سلویا کی آواز آئی۔ "اندر آجاؤ۔ جیکی! دروازہ کھلا ہے۔"

میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک وکٹورین دور کے پرانے صوفے پر میڈم سلویا گلابی رنگ کا لمبا گاؤن پہنے بیٹھی سگریٹ پی رہی تھی۔ کمرے میں میڈم کے پسندیدہ پرفیوم کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ نیچی چھت والا یہ کمرہ کلاسیکی نوادرات سے سجایا گیا تھا۔ کارنس پر پال گوگین کی ایک تصویر کا پرنٹ لگا تھا جس میں تہیٹی جزیرے کی نیم عریاں عورتیں بالوں میں پھول سجائے درختوں کے نیچے کھڑی تھیں۔

میں میڈم کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

میں نے بات شروع کرنے کی خاطر کہا:

"میڈم! یہ کاٹیج مجھے فرانس کے کلاسیکی دور کی یاد دلاتا ہے۔"

میڈم مجھے گھور کر دیکھ رہی تھی۔ اس نے سرد لہجے میں کہا:

"میں کبھی کبھی ناول لکھنے یہاں آجاتی ہوں۔ تم کافی پیو گے یا کچھ اور؟"

میں نے تکلفاً کہہ دیا:

"کافی۔ تھینک یو۔"

میڈم نے قریب ہی تپائی کے پہلو میں لگا ہوا بٹن دبا دیا۔ مجھ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ کبھی سوچتا کہ میڈم سے خود پوچھوں کہ اس نے مجھے کس لئے بلایا ہے۔ کبھی سوچا کہ نہیں میڈم خود ہی بات کرے گی۔ اس نے سگریٹ کا ہلکا سا کش لے کر دھواں چھت کی طرف اڑاتے ہوئے کہا:

"تم سوچ رہے ہو گے کہ میں نے تمہیں کاروبار کے سلسلے میں بلایا ہے۔"

میں نے کہا: "یس میڈم۔ میرا یہی خیال ہے۔"

میڈم نے نفی میں سر ہلایا اور کہا:

"نہیں' ایسی بات نہیں ہے۔ یہاں میں نے کبھی کسی سے کاروبار کی بات نہیں کی۔ تم بھی مت کرنا۔ میں یہاں صرف خوشی' مسرت اور لذت حاصل کرنے کے لئے آتی ہوں۔ پیرس کی زندگی میرے ذہن کو جب تھکا دیتی ہے تو میں پھر سے تازہ دم ہونے کے لئے یہاں آجاتی ہوں۔"

میں نے بے معنی انداز میں ہنستے ہوئے کہا:

"یس میڈم! آپ بالکل صحیح کہہ رہی ہیں۔ آدمی اگر اپنے ذہن کو تازہ دم کرنے کا کوئی بندوبست نہ کرے تو شہر کی کمرشل مصروفیات اسے تھکا کر چور کر دیتی ہیں۔"

اتنے میں ایک سولہ سترہ سال کی ایک بڑی نازک اندام سنہری بالوں والی خوبصورت لڑکی کافی لے کر آگئی۔ اس نے گولڈن کلر کا ایپرن آگے باندھا ہوا تھا۔ سر پر سیاہ رنگ کی ٹوپی تھی جس کی دونوں جانب سے سنہری بال جھالروں کی طرح لٹک رہے تھے۔ لڑکی نے کافی کا ایک پیالہ بڑی احتیاط سے چلتے ہوئے میڈم کے پاس تپائی پر رکھا۔ دوسرا پیالہ میرے سامنے

تپائی پر رکھا اور ادب سے سر جھکا کر تعظیم بجالاتی ہوئی جس طرح بے آواز قدموں سے آئی تھی' اسی طرح کمرے سے نکل گئی۔

میڈم سلویا نے کافی پیتے ہوئے پیرس کی اونچی سوسائٹی کی عمر رسیدہ عورتوں کی پر اسرار جنسی زندگی کی باتیں شروع کر دیں۔ میں یہ سوچ کر اس کی باتیں بڑی دلچسپی سے سنتا رہا کہ میڈم سلویا کے ناولوں کا موضوع بھی یہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ مجھے بلانشے نے بتایا تھا۔ میں نے تو اسکا ایک بھی ناول نہیں پڑھا تھا۔ کیونکہ وہ فرانسیسی زبان میں لکھتی تھی۔ میں ابھی تک اس انتظار میں تھا کہ جس کام کے لئے مجھے میڈم نے خاص طور پر سمر ہاؤس میں گاڑی بھیج کر بلایا ہے' وہ اس کی کوئی بات کرے۔ اگر وہ کاروباری کام نہیں تھا تو پھر اور کونسا کام ہو سکتا تھا۔ میں سنہری پیالی ہاتھ میں پکڑے کافی کے ہلکے ہلکے گھونٹ بھی لے رہا تھا اور میڈم کی باتیں بھی سن رہا تھا۔ میڈم نے اچانک میری طرف اپنے خاص انداز میں گھور کر دیکھتے ہوئے پوچھا:

"کیا تم عورتوں کی ہم جنس پرستی کو پسند کرتے ہو؟"

میں کچھ چونک سا گیا۔ مجھے کوئی جواب نہیں سوجھ رہا تھا۔ میڈم سلویا کو شاید میرے جواب کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اس نے خود ہی کہا:

"میں عورتوں کی ہم جنس پرستی کی قائل ہوں مگر اس کے باوجود میں اسے ایک منفی رجحان سمجھتی ہوں۔ اپنی نوجوانی کے زمانے میں' میں بھی اس قسم کی لڑکی تھی۔ لیکن ذرا بڑی ہوئی تو اس میں میری دلچسپی ختم ہو گئی۔ اس لڑکی کو تم نے دیکھا ہو گا۔ جو کافی لے کر آئی تھی۔ یہ بھی اسی قسم کی خراب سی لڑکی ہے۔ مگر میں اس کی زیادہ حوصلہ افزائی نہیں کرتی۔"

میں نے یونہی اس کی ہاں میں ہاں ملادی۔ میڈم سلویا کے چہرے پر
ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔ اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں دباتے ہوئے کہا:
"چلو میں تمہیں اپنا ڈریم روم دکھاتی ہوں' میں نے ایک کمرہ بنایا ہوا
ہے جہاں میں خوابوں کی دنیا بساتی ہوں۔ یہ میرے خوابوں کی دنیا ہوتی ہے۔
آؤ میرے ساتھ۔"

وہ مجھے اپنے ساتھ' ساتھ والے چھوٹے سے کمرے میں لے گئی۔
جہاں ایک طرف چھوٹا سازینہ نیچے جاتا تھا۔

زینہ اترنے کے بعد نیچے ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔
پہلے تو مجھے یوں محسوس ہوا، جیسے میں کاٹج کے پیچھے جو باغیچہ ہو گا اس میں آگیا ہوں۔ کیونکہ اس چھوٹے سے کمرے کی چاروں دیواروں پر فرش سے لے کر چھت تک آئیل کلر میں عجیب و غریب درختوں، جنگلی جھاڑیوں اور پھولوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ کمرے میں پلنگ کے سرہانے والا ٹیبل لیمپ ہی روشن تھا۔ اس کا شیڈ دودھیا رنگ کا تھا۔ اس روشنی میں کمرے کی دیواریں ایک جنگل کا منظر پیش کر رہی تھیں۔ میڈم سلویا مجھے دیواروں پر بنے ہوئے درخت دکھانے لگی:

"تمہیں ان درختوں میں کوئی انوکھی شے نظر نہیں آ رہی کیا؟"

میں نے اپنی حیرانی پر قابو پاتے ہوئے کہا:

"میڈم! مجھے تو سارے کا سارا منظر انوکھا معلوم ہو رہا ہے۔"

اس نے کہا:

"نہیں، صرف درختوں کو غور سے دیکھو۔"

میں نے درختوں کو ذرا غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہر درخت کے پیچھے سے ایک زرد رنگ کا پورا چاند طلوع ہوتا دکھایا گیا تھا۔ میں نے کہا:

"اس جنگل میں مجھے ایک چاند کی بجائے کتنے ہی چاند طلوع ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔ یہ بات ضرور انوکھی ہے۔"

میڈم سلویا میرے بالکل پاس کھڑی تھی۔ کسی کسی وقت مجھے اس کے سانس لینے کی آواز سنائی دے جاتی تھی۔ کہنے لگی:

"یہ چاند میں نے خاص طور پر بنوائے تھے۔ یہاں بیٹھو۔ میں تمہیں بتاتی ہوں۔"

ہم پلنگ کے آگے بچھے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئے۔ میڈم سلویا نے سگریٹ سلگالیا اور دیوار کے جنگل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"اس جنگل میں جتنے درخت دکھائے گئے ہیں۔ یہ تمام کے تمام انسان کی علامت ہیں۔ کیا تمہیں معلوم ہے ہر انسان اپنے ساتھ ایک چاند لے کر پیدا ہوتا ہے؟ شاید تمہیں میری یہ بات عجیب سی لگے۔ لیکن میرا یہ عقیدہ ہے کہ ہر آدمی' ہر عورت اپنے ساتھ ایک چاند لئے دنیا میں آتی ہے اور یہ چاند ساری زندگی اس کے جذبوں' اس کے جنسی رجحانات پر حاوی رہتا ہے۔ جس طرح پورے چاند کی رات کو سمندر کی لہریں بے اختیار ہو کر چاند کی طرف اٹھنے لگتی ہیں' اسی طرح ہر انسان کے جذبات خاص خاص لمحات میں چاند کی طرف اپنے آپ کھنچے چلے جاتے ہیں۔"

میں خاموشی سے بیٹھا میڈم کی عجیب و غریب اور گھڑی ہوئی باتیں سن رہا تھا۔ پھر وہ اٹھ کر دیوار کے پاس گئی۔ انگلی سے ایک درخت کے تنے کی طرف اشارہ کیا اور کہا:

"تم نے یہ سانپ نہیں دیکھا۔ اس لئے کہ اس کا رنگ بالکل درخت کے تنے کے رنگ جیسا ہے۔ یہ سانپ بھی مرد کا ساری زندگی پیچھا کرتا ہے۔

تم دیکھو گے کہ ان چاروں دیواروں پر جتنے درخت ہین' ان سب کے ساتھ ایک ایک سانپ لپٹا ہوا ہے۔"

میں نے صوفے پر بیٹھے بیٹھے گردن گھما کر چاروں دیواروں کو دیکھا۔ واقعی ہر درخت کے تنے کے ساتھ ایک سانپ لپٹا ہوا تھا۔ میں نے کہا:

"میڈم! آپ نے کس مصور سے یہ منظر پینٹ کروایا تھا۔ مجھے اس پر پال گوگین کا بہت اثر معلوم ہوتا ہے۔"

میڈم سلویا مسکرائی۔ میرے سامنے صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔

"تم نے بالکل درست پہچانا ہے۔ میں پال گوگین کی بہت زبردست مداح ہوں۔ وہ بڑے سچے جذبوں کا پینٹر تھا۔ میں نے جس کمرشل آرٹسٹ سے یہ دیواریں پینٹ کروائی تھیں' اسے پال گوگین کی تصویروں کے کچھ جنگل اور درخت دکھائے تھے اور کہا تھا کہ مجھے اس قسم کے درخت چاہئیں۔ کیا تمہیں ایسا نہیں لگ رہا کہ تم دنیا کے پہلے جنگل میں آ گئے ہو؟"

میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا:

"لگتا کچھ ایسا ہی ہے۔"

میڈم سلویا نے اپنا سنہری سگریٹ کیس کھول کر میرے آگے کیا اور مجھے اپنی بھوری مقناطیسی آنکھوں سے گھورتے ہوئے بولی:

"تم نے ابھی تک سگریٹ کیوں نہیں سلگایا؟ کیا تم نہیں جانتے کہ دنیا کے پہلے جنگل کے سارے درخت سگریٹ پیتے تھے؟"

میں نے ہنس کر سگریٹ اٹھاتے ہوئے کہا:

"مگر میڈم! دیواروں پر جتنے درخت بنے ہیں' ان میں سے کسی کے پاس سگریٹ نہیں ہے۔"

میڈم ہنس پڑی۔ اسکی ہنسی بالکل مردانہ معلوم ہو رہی تھی۔ کہنے لگی:

"اس وقت ہم دو غیر قدرتی دماغوں والے انسان سامنے بیٹھے ہیں۔ یہ درخت صرف اس وقت سگریٹ پیتے ہیں، جب یہ جنگل میں اکیلے ہوتے ہیں یا پھر جو آدمی ان کے پاس بیٹھا ہوا ہو، وہ بھی جنگل کے درختوں کی طرح کا ہو جائے۔"

میں نے میڈم کی بات کی تائید کی۔ میرا کام اس کی ساری باتوں کی تائید کرتے جانا تھا۔ کیونکہ اس کی وجہ سے میں لکھ پتی بننے والا تھا۔ میں نے کہا:

"میڈم آپ نے بالکل درست کہا ہے۔ لیکن آدمی درخت تو نہیں بن سکتا نا۔"

میڈم نے کہا:

"ہر آدمی کے لباس کے اندر ایک درخت ہوتا ہے۔ ہم نے اپنے درخت کو مصنوعی لباس کے اندر چھپا دیا ہوا ہے۔ تم نے مجھے دیکھا ہو گا کہ میں نے کبھی پورا لباس نہیں پہنا۔ اور خاص طور پر لباس کے اندر تو میں کچھ نہیں پہنتی۔ اس لئے کہ میں اپنے اندر کے درخت کو تروتازہ اور زندہ رکھنا چاہتی ہوں۔ میں نہیں چاہتی کہ میرے مصنوعی لباس میں پھنس کر اسکا دم گھٹ جائے۔ اگر تمہاری آنکھ نیچر کو پہچان لیتی ہے تو تم میرے درخت کو بھی ضرور دیکھ لو گے۔"

میڈم سلویا کی کچھ باتیں میری سمجھ میں آ رہی تھیں۔ کچھ بالکل سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ اس کی بعض باتوں سے مجھے شدید اختلاف تھا۔ میں دنیا کے پہلے درخت اور پہلے آدمی کے درخت ہونے کا بالکل قائل نہیں تھا۔ لیکن میں میڈم سلویا پر اپنا اختلاف ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مجھے اس سے بحث

میں میڈم سلویا پر اپنا اختلاف ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مجھے اس سے بحث میں الجھنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ وہ میری فنانسر تھی۔ اس کی وجہ سے مجھے ہزاروں فرانک کا فائدہ ہوا تھا اور لاکھوں کا فائدہ پہنچنے والا تھا۔ میں نے سوچا کہ کسی طرح گفتگو کا موضوع بدل دینا چاہئے۔ میں اس تاک میں رہا کہ کہاں بات کا موضوع بدلوں۔ جب میڈم سلویا نے بلانشے کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

"بلانشے کے اندر کا جنگل' اس کے اندر کا درخت ابھی زندہ ہے۔ اس لئے وہ مجھے پسند ہے۔"

میں نے فوراً گفتگو کا موضوع بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:

" میڈم! بلانشے بڑی دلیر عورت ہے۔ لندن سے ہیروئن کے کیپسولوں والا کتا لاتے وقت ذرا نہیں گھبرائی تھی۔ میں کچھ دیر کے لئے ضرور گھبرا گیا تھا۔"

میں گفتگو کا موضوع بدلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ میڈم سلویا نے سگریٹ ہولڈر میں سے سگریٹ نکال کر ایش ٹرے میں دباتے ہوئے کہا:

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ بلانشے ایک دلیر عورت ہے۔ مگر اب جو بات میں تم سے کروں گی' اس کا ذکر اس سے ہرگز نہ کرنا۔ یہ تمہارے اور میرے درمیان ہی رہنی چاہئے۔ مجھے بلانشے پر زیادہ بھروسہ نہیں ہے۔ وہ دولت کے لالچ میں آ کر کسی بھی وقت میرا ساتھ چھوڑ سکتی ہے۔"

میں نے آگے سے کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا۔ خاموش رہا۔ میڈم بولی:

"میں نے اس کی جگہ تمہیں چن لیا ہے۔ اس کی منطقی وجہ میں نہیں جانتی۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ میں نے تمہارے اندر کے درخت کو دیکھ لیا تھا۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ تمہارے جسم کا جنگل تمہارے جنگل کا درخت

ابھی زندہ ہے۔ جبکہ بلانشے کا درخت مرجھا چکا ہے۔ اس نے اپنے درخت کو خود سکھا دیا ہے۔"

میں میڈم کے سامنے بلانشے کی برائی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میرے نزدیک بلانشے ایک اچھی عورت تھی۔ میں میڈم کی بات کو جھٹلانا بھی نہیں چاہتا تھا۔ آپ اسے میری منافقت سمجھ لیں۔ میں نے کہا:

"شاید آپ کا خیال ٹھیک ہو۔ میں بلانشے کو زیادہ نہیں جانتا۔ آپ اسے بہت اچھی طرح سے جانتی ہیں۔ لیکن میں آپ کا شکریہ ضرور ادا کروں گا کہ آپ نے مجھ پر اعتماد ظاہر کیا ہے۔ میں آپ کے اعتماد پر ہمیشہ پورا اتروں گا۔"

میڈم سلویا نے آنکھیں سکیڑ کر میری طرف دیکھا اور کہا:

"اس قسم کی باتیں تمہارے اندر کے درخت کو بھی کھوکھلا کر دیں گی۔ میں چاہتی ہوں کہ تم آئندہ اس قسم کی باتیں نہ کرو۔۔۔۔"

میں شرمندہ ہو گیا۔ میں نے منافقانہ بات کی تھی۔ مجھے ضرور شرمندہ ہونا چاہئے تھا۔ میڈم سلویا نے سامنے والی دیوار کی طرف اشارہ کیا۔

"ان درختوں کے پیچھے جو چاند طلوع ہو رہے ہیں۔ ٹیبل لیمپ کی روشنی میں تم ان کی چاندنی نہیں دیکھ سکو گے۔ میں ٹیبل لیمپ بجھاتی ہوں۔ تم درختوں کے چاندوں پر نگاہ رکھنا۔"

اس نے ٹیبل لیمپ کا بٹن دبا کر بجھا دیا۔ کمرے میں ایک دم سے گھپ اندھیرا چھا گیا۔ پھر اس اندھیرے میں درختوں کے پیچھے جو چاند پینٹ کئے ہوئے تھے، ان میں دھیمی روشنی پھوٹنے لگی۔

کمرے میں جیسے چاروں طرف ان تمام چاندوں کی دودھیا چاندنی بکھر گئی۔ میڈم نے صوفے پر سے اٹھ کر میرا ہاتھ پکڑا اور کہا:

"آو، میں تمہیں دنیا کے پہلے جنگل کی سیر کراتی ہوں۔"

جب وہ مجھے کمرے کے جنگل کی سیر کرا چکی تو اس نے ٹیبل لیمپ پھر سے روشن کر دیا۔ سگریٹ سلگا کر بولی:

"یہ میرا خواب ہے۔ میں اس جنگل میں آ کر دن کے وقت بھی خواب دیکھ لیتی ہوں۔ جاگتے ہوئے بھی خواب کی دنیا میں چلی جاتی ہوں۔ اب میری بات غور سے سنو۔"

میں صوفے پر اس کے سامنے متوجہ ہو کر بیٹھ گیا۔

"میں رازداری کو بہت اہمیت دیتی ہوں۔ مجھے پوری امید ہے کہ تم میرے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاؤ گے۔ جو راز میں تمہارے سینے میں ڈالوں گی، تم اسے مرتے دم تک کسی پر ظاہر نہیں کرو گے۔ اس کے بدلے میں، میں تمہیں اتنا مالامال کر دوں گی کہ تمہارے آنے والی نسلوں کو بھی کمانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اب سنو، میں بلانشے کو تمہارے اور اپنے راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کر چکی ہوں۔ مجھے میرے خاص جاسوس نے خبر دی ہے کہ بلانشے میرے دشمنوں کے ساتھ مل کر میرے سارے دھندے پر قبضہ کرنے کی سازش کر رہی ہے۔"

میں نے بے اختیا کہہ دیا:

"میڈم! مجھے یقین نہیں آ رہا۔"

میڈم سلویا نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا:

"بیچ میں مت بولو۔ مجھے بیچ میں بولنے والے آدمی بالکل پسند نہیں ہیں۔"

تھوڑی دیر کے لئے چپ ہوگئی۔ اس نے سگریٹ کا کش لیا۔ اس کا پتلا دھواں منہ سے چھت کی طرف نکالا اور کہنے لگی:

"میں آخر یورپ کے اتنے بڑی ملک کے اتنے بڑے اور خطرناک شہر میں بیٹھی برسوں سے یہ دھندا کر رہی ہوں تو یونہی نہیں کر رہی۔ میرے آدمی جگہ جگہ پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ مجھے ایک ایک منٹ کی پوری پوری رپورٹ لاکر دیتے ہیں۔ بلانشے میرے خلاف میرے دشمنوں سے مل کر جو سازش کر رہی ہے' اس کی میں تصدیق کر چکی ہوں۔ اگرچہ بلانشے اس کو کبھی نہیں مانے گی۔ مگر مجھے اس کو منوانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

میں نے کہا:

"لیکن آپ اس بار خود ہی اسے مال دے کر امریکہ میرے ساتھ بھجوا رہی ہیں۔"

میڈم نے راکھ دان میں سگریٹ کی راکھ جھاڑی۔

"وہ میری مرضی سے امریکہ پاؤڈر لے کر جا رہی ہے۔ پہلے میرا خیال تھا کہ میں اس کے ہاتھ کوکین یعنی شوگر سمگل کروا دوں گی مگر پھر میں نے ارادہ بدل لیا۔ اب وہ پاؤڈر یعنی ہیروئن لے کر جائے گی۔ کیونکہ امریکہ میں ہیروئن سمگل کرنے کی سزا بہت زیادہ ہے۔ کوکین تو وہاں برازیل کولمبیا اور بولیویا سے سمگل ہوتی ہی رہتی ہے۔"

میں حیران ہو کر رہ گیا کہ کیا میڈم سلویا بلانشے کو گرفتار کرانا چاہتی ہے۔ میں میڈم سے پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"میڈم! تو کیا آپ بلانشے کو۔۔۔"

میڈم سلویا نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا:

"میری کوشش یہی ہے کہ وہ اس پھیرے میں پکڑی جائے۔"

میں نے قدرتی طور پر تشویش کا اظہار کیا:

"مگر نیویارک کے اس پھیرے میں تو میں بھی اس کے ساتھ ہوں گا۔ اس طرح اس کے ساتھ میں بھی پکڑ لیا جاؤں گا۔"

میڈم نے اپنے ریشمی گاؤن کا فیتہ ڈھیلا کرتے ہوئے کہا:

"تم دونوں کے پاس ایک ایک کیمرہ ہو گا۔ بلانشے کے کیمرے کے اندر براؤن ہیروئن کی تہہ چڑھی ہوئی ہوگی۔ تمہارے کیمرے میں کچھ نہیں ہو گا۔ ایئر پورٹ پر تم الگ الگ سیاح کی حیثیت سے داخل ہو گے۔ تم دونوں ساتھ ساتھ نہیں ہو گے۔ اس طرح اگر بلانشے پکڑی جاتی ہے تو تم نہیں پکڑے جاسکتے۔ تم اگر دیکھو کہ اسے کسٹم والوں نے پکڑ لیا ہے تو اسکی مدد کو نہ آنا۔ تم اپنے طور پر نکل جانا۔۔۔"

میں دل میں ڈر گیا کہ یہ عورت تو بڑی خطرناک ہے۔ بلانشے اس کی پرانی دوست ہے۔ ذرا سی بات پر اس کے سارے مستقبل کو برباد کرنے پر تیار ہو گئی ہے تو میرے ساتھ کیا نہیں کر سکتی۔ میں اسے چھوڑنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ بس دل میں یہی سوچا کہ اس کے ساتھ بنا کر رکھوں گا اور جب ڈھیر ساری دولت کما لوں گا تو اسے خدا حافظ کہہ کر اپنے وطن واپس چلا جاؤں گا۔

میڈم نے کہا:

"مجھے یقین ہے کہ تم اس کا ذکر بلانشے سے نہیں کرو گے۔"

میں نے کہا:

"میڈم! اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں اس سے ذکر تک نہیں کروں گا۔ لیکن تم سے اتنی درخواست ضرور کروں گا کہ بلانشے کے معاملے میں ایک بار پھر غور کر لیں۔"

میڈم نے ابھی نیا سگریٹ سلگایا ہی تھا۔ یہ سن کر اس نے غصے میں سارے کا سارا سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دیا اور بولی:

"تم کون ہوتے ہو بلانشے کی سفارش کرنے والے؟ کیا بلانشے مجھ سے بڑھ کر تمہاری دوست ہے؟ کیا تم اسے مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔"

میں نے شرمسار ہوتے ہوئے کہا:

"آئی ایم ویری سوری' میڈم! سوری۔"

میں نے دل میں سوچا کہ جہنم میں جائے یہ میڈم سلویا اور بلانشے مجھے ان دونوں کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔ مجھے تو اپنے کام سے غرض ہونی چاہئے۔ پھر بھی میں نے ہر قدم پر بے حد ہوشیار اور محتاط رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ یہ عورت میری ذرا سی لغزش پر یا میرے بارے میں غلط اطلاع ملنے پر میرے خلاف کوئی بھی سنگین قدم اٹھا سکتی تھی۔

میڈم نے ایک بار پھر ٹیبل لیمپ کا بٹن دبا کر اسے بجھا دیا اور کہا:

"چلو۔۔۔ میں تمہیں دنیا کے پہلے جنگل کی ایک بار پھر سیر کراتی ہوں۔ پال گوگین کے اسی جنگل کی منظر کشی کرنے کی کوشش کی تھی۔"

میں دوپہر کے بعد تک میڈم سلویا کے اس پراسرار کاٹج میں اس کے ساتھ رہا۔ دوپہر کا لنچ ہم نے وہیں مل کر کھایا۔ شام کی چائے کے بعد اس کی گاڑی آ گئی۔ میڈم سلویا مجھے چھوڑنے کاٹج کے دروازے تک آئی۔ ہاتھ ملاتے ہوئے بولی:

"میں خود تم سے رابطہ رکھوں گی۔ تم مجھے فون نہ کرنا۔"

میں جس وقت اپارٹمنٹ واپس آیا تو شام کی گلابی روشنی سارے پیرس شہر میں پھیلی ہوئی تھی۔ بلانشے ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ میڈم سلویا نے جان بوجھ کر اسے ایسی جگہ بھیجا تھا جہاں رات پڑنے سے پہلے وہ فارغ نہیں ہو سکتی تھی۔ ممکن ہے میڈم نے ان لوگوں کو ہدایت کر دی ہو کہ بلانشے کو رات کے وقت چھوڑنا۔ رات کے نو سوا نو بج رہے تھے کہ بلانشے واپس آئی۔ بڑی خوش تھی۔ آتے ہی پرس ایک طرف پھینکا۔ جوتے اتار کر دوسری طرف اچھالے اور پلنگ پر اپنے آپ کو گراتے ہوئے بولی:

"اوہ مائی مائی۔۔ جیکی! قدرت نے ہمارے لئے خزانوں کے منہ کھول دیئے ہیں۔ پتہ ہے ہمارے نیویارک کے ٹرپ میں ہمیں کتنی کمیشن ملے گی؟"

میں نے ان جان بن کر پوچھا:

"کتنی کمیشن ہو سکتی ہے؟"

بلانشے ایکدم اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"بیس ہزار ڈالر میرے۔ بیس ہزار ڈالر تمہاری کمیشن' مائی گاڈ۔ بیس ہزار ڈالر تو بہت بڑی رقم ہوتی ہے۔"

میں نے بلانشے کا میڈم کے بارے میں دل ٹٹولنے کی کوشش کی۔ میں نے کہا:

"میڈم سلویا واقعی بڑی دوست نواز خاتون ہے۔ تمہیں اسکی قدر کرنی چاہئے۔"

بلانشے الیکٹرک کیتلی میں پانی ڈال کر کافی تیار کر رہی تھی۔ کہنے لگی:

"اس میں کیا شک ہے۔ میڈم بڑی فراخ دل عورت ہے۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا اور اس بہت کو اپنے تک ہی رکھنا۔ میڈم سلویا میں بہت خوبیاں ہیں مگر وہ انتہائی کینہ پرور عورت ہے۔ مجھے دو ایک بار اسکا تجربہ ہو چکا ہے۔"

میں نے دل میں کہا بلانشے تم ایک بار پھر اسکا تجربہ کرنے والی ہو مگر اس بار کا تجربہ تمہیں بہت مہنگا پڑے گا۔ ایک بار تو خیال آیا کہ بلانشے کو سب کچھ بتادوں۔ آخر میرے ساتھ بلانشے نے بڑا اچھا سلوک کیا تھا۔ مجھ پر اس کے احسان بھی تھے۔ لیکن اس خیال کو میں نے فوراً دل سے نکال دیا۔ کیونکہ میں خود گردن تک مافیا کی دلدل میں اتر چکا تھا۔ اگر میڈم کو ذرا سی بھی بھنک پڑ گئی تو وہ مجھے کبھی معاف نہیں کرے گی اور میں تو پردیسی ہوں۔ میرا تو کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے۔ سوائے گورکن شارل اور ان دونوں عورتوں کے' مجھے پیرس میں کوئی جانتا بھی نہیں تھا اور گورکن شارل تو میری لاش کو بڑی خوشی خوشی قبر میں اتار دے گا۔

گورکن شارل کے خیال سے مجھے سلطانہ اختر کی روح اور اس کی بیٹی کا خیال آ گیا۔ مجھ پر سعیدہ کو پاکستان پہنچانے کی ذمے داری بھی تھی۔ میں مطمئن ہو گیا۔ اب میرے پاس اتنے پیسے آ گئے ہوئے تھے کہ میں بڑی آسانی سے سعیدہ کو ہوائی جہاز کا ٹکٹ دلا کر پاکستان جانے والے جہاز میں بٹھا سکتا تھا۔ میڈم سلویا کا پھیرا لگانے مجھے ہفتے دس دن کے بعد نیویارک جانا تھا۔ سوچا نہ جانے وہاں کیسے حالات پیدا ہو جائیں۔ اس سے پہلے مجھے سعیدہ کو پاکستان پہنچانے کی ذمہ داری پوری کر دینی چاہیے۔ میں نے بلانشے کو بالکل نہ بتایا کہ

میں میڈم سلویا کے سمر ہاؤس میں گیا تھا اور سارا دن وہاں گزارا ہے۔ بلانشے خود ہی کہنے لگی۔

"مجھے میڈم نے اپنے ایک خاص ایجنٹ کے پاس بھیجا تھا۔ میں اسی کے آفس میں ہی رہی۔ اس نے بھی مجھے بتایا ہے کہ اس بار ہمیں ٹورسٹ بن کر نیویارک جانا ہو گا۔"

میں نے پوچھا۔

"لیکن ہیروئن ہمارے ساتھ کس طرح جائے گی؟ کیا ہم نے اسے جوتوں کے اندر لگایا ہو گا؟"

بلانشے کہنے لگی۔

"ایجنٹ مجھے بتا رہا تھا کہ ہمارے پاس الگ الگ دو ٹورسٹ کیمرے ہوں گے۔ پاؤڈر ان کیمروں کے اندر اس طرح چڑھایا گیا ہو گا کہ کسٹم والوں کو علم بھی نہیں ہو سکے گا۔"

میں نے اس پر اعتراض کا نکتہ اٹھایا۔ یہ بات میں میڈم سلویا سے پوچھنا چاہتا تھا لیکن نہیں پوچھی تھی۔ میں نے بلانشے سے کہا۔

"لیکن بلانشے یہ طریقہ تو مجھے خطرناک لگتا ہے۔ اگر پیرس کے ایئرپورٹ سے گزر بھی گئے تو نیویارک میں بڑا خطرہ ہے۔ وہاں کسٹم والوں کے پاس بوگیر کتے نہیں ہوتے لیکن وہاں سنا ہے ایسی جدید ہائی ٹیک مشینیں لگی ہوئی ہیں کہ ہیروئن کا فورا پتہ لگ جاتا ہے"

بلانشے کچھ فکر مند ہو کر بولی۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن یہ خطرہ تو مول لینا ہی پڑے گا۔ جو لوگ بھی یہ چیزیں سمگل کرتے ہیں، خطرہ مول لے کر ہی کرتے ہی۔ اتنی آسانی سے تو اتنی زیادہ کمیشن بھی کہیں نہیں ملتی۔"

میں خاموش رہا۔ بلانشے پیالیوں میں سیاہ کافی انڈیل رہی تھی۔ کہنے لگی۔

"لیکن ایجنٹ نے مجھے بتایا تھا کہ کیمروں کے اندر ہیروئن کو کیمرے کے کلر کی جو پتلی سی تہہ چڑھائی جائے گی اس کے اوپر وہی ایلیگیٹر کی چربی کی تہہ بھی چڑھی ہوگی۔ اس کی وجہ سے ہیروئن کی بو بھی رک جائے گی۔ جس طرح لندن سے مال لے کر آئے تھے۔"

بلانشے بڑی مطمئن اور خوش تھی۔ اس کا اطمینان اور خوشی کی کیفیت دیکھ کر یقین کریں میرا دل بے حد اداس ہو رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ بلانشے اس بار ضرور پکڑی جائے گی۔ میں اسے آنے والے بھیانک خطرے سے آگاہ کرنا چاہتا تھا مگر میری کمینگی دیکھیے کہ میں محض ہوس زر اور پیرس کی ہولناک رنگینیوں کی وجہ سے اپنے آپ کو مجبور پا رہا تھا۔

دو دن بعد ہمارے پاسپورٹ بن کر آ گئے۔ یہ پاسپورٹ میڈم سلویا نے اپنے بنگلے پر بلا کر ہمارے حوالے کیے۔ ان پر ٹورسٹ کے ویزے بھی لگے ہوئے تھے جن کی مدت دس روز بعد شروع ہوتی تھی۔ میڈم بلانشے سے کہا۔

"تمہیں اس ٹرپ میں بڑی احتیاط سے کام لینا ہوگا اور جیکی تمہیں بھی ہوشیار رہنا ہوگا۔ یہ تم دونوں کا بڑا سخت امتحان ہوگا۔ اگر ایک بار تم اس آزمائش میں سے کامیابی کے ساتھ گزر گئے تو پھر یوں سمجھ لو کہ تم پر دولت

کے دروازے کھل جائیں گے۔ تمہارے پاس اتنی دولت آجائے گی کہ تم سے سنبھالی نہیں جائے گی۔"

میڈم بلانشے کو خاص طور پر ہوشیار رہنے کی ہدایت کر رہی تھی۔ میں دل میں سوچ رہا تھا کہ میڈم کس قدر منافقت سے کام لے رہی ہے۔ خود ہی اس کے لئے جال بچھا رہی ہے اور خود ہی اسے جال سے بچنے کی ہدایت بھی کر رہی ہے۔ میرے پاس ہفتہ دس دن خالی تھے۔ میں نے سوچا کہ اس دوران سلطانہ اختر کی بیٹی سعیدہ کو پاکستان اس کی نانی اور نانا کے پاس پہنچانے کی ذمہ داری بھی ادا کر دینی چاہیے۔ سوال یہ تھا کہ اس کے ساتھ پاکستان کون جائے گا۔ سعیدہ بالغ تھی۔ فرانس میں رہ کر اگر عدالت کو وہ یہ بیان دیتی کہ میں بالغ ہوں اور اپنے باپ سے الگ رہنا چاہتی ہوں تو عدالت اس کے حق میں فیصلہ دے دیتی۔ لیکن سعیدہ کے باپ نے اس کا جینا حرام کر دینا تھا۔ وہ کسی نہ کسی طرح اسے بہلا پھسلا کر اپنے جال میں دوبارہ پھانس سکتا تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ سعیدہ کو اپنی حفاظت میں پاکستان پہنچایا جائے۔ یورپ سے تو وہ اکیلی جا سکتی تھی لیکن پاکستان پہنچے کے بعد اس کے اکیلے وزیر آباد تک جانے میں بہت خطرات تھے۔ میں نے سوچا کہ اس بارے میں کیوں نہ میڈم سلویا سے بات کی جائے۔ وہ بڑی اثر و رسوخ والی ہے۔ وہ کوئی نہ کوئی انتظام ضرور کر دے گی۔ کیونکہ میرا تو سوائے میڈم اور بلانشے کے اور کوئی اتنا جاننے والا نہیں تھا۔ بلانشے کے بارے میں مجھے اتنا علم تھا کہ وہ اتنا اثر و رسوخ نہیں رکھتی۔

چنانچہ ایک روز میں میڈم سلویا کے بنگلے پر پہنچ گیا۔ اور اس کو ساری بات بیان کر دی۔ میں نے سلطانہ اختر کی روح کے بارے میں کچھ نہ

بتایا۔ کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ وہ اس پر یقین نہیں کرے گی اور سعیدہ کا کیس کمزور ہو جائے گا۔ میں نے اسے یہی کہا کہ سعیدہ میری قریبی رشتے دار ہے۔ اس کی ماں مر چکی ہے۔ وہ پیرس میں ہی پیدا ہوئی تھی۔ وہ اپنے گھر واپس جانا چاہتی ہے مگر کسی وجہ سے اسکا باپ اسے واپس نہیں جانے دے رہا۔

"میں چاہتا ہوں میڈم آپ کوئی ایسا انتظام کر دیں کہ یہاں سے ایک آدمی اسے اپنے ساتھ لے کر وزیر آباد پاکستان پہنچا آئے۔"

میری توقع کے عین مطابق میڈم سلویا کہنے لگی:

"یہ کوئی ایسی مشکل بات نہیں ہے۔ میری میڈ سرونٹ کی والدہ ماریانہ اسے اپنے ساتھ پاکستان لے جائے گی۔ وہ پہلے بھی پاکستان جا چکی ہے۔ تم ایسا کرو کہ سعیدہ کا پاسپورٹ مجھے لاکر دے دو۔ کیونکہ اسکا پاسپورٹ فرانسیسی ہے۔ اس لئے اس پر پاکستان کا ویزہ لگنا ضروری ہے۔ یہ ویزہ میں لگوا دوں گی۔ پھر جس روز جہاز میں اس کی سیٹ ریزور ہو گی۔ تم اسے یہاں میرے پاس پہنچا دینا' میں اسے ماریانہ کے ساتھ روانہ کر دوں گی۔"

یہ میرے لئے بے حد تسلی اور اطمینان کا باعث تھا کہ میڈم سلویا نے سعیدہ کی ذمے داری قبول کرلی تھی اور اسے وزیر آباد پہنچانے کا اہتمام بھی کر دیا تھا۔ سعیدہ فرانسیسی زبان بڑی روانی سے بولتی تھی۔ اسے فرانسیسی میڈ سرونٹ ماریانہ کے ساتھ جانے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔

اسی روز میں نے سعیدہ کو اس کے اپارٹمنٹ میں فون کیا۔ میرا اندازہ تھا کہ اسکا باپ ابھی تک واپس نہیں آیا ہو گا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر اس کا باپ فون اٹھائے گا تو میں فون بند کر دوں گا یا یونہی کسی کا پوچھ کر

کہوں گا کہ سوری یہ رانگ نمبر ہے۔ لیکن دوسری طرف سے سعیدہ نے ہی فون اٹھایا۔ میں نے اسے اپنا نام بتایا اور کہا:

"یہ بتاؤ کہ تمہارا ڈیڈی کس روز پیرس پہنچ رہا ہے۔"

اس نے کہا:

"ڈیڈی کا آج صبح ہی فون آیا تھا۔ وہ ابھی پندرہ دن تک نہیں آسکیں گے۔"

"کیا تم اکیلی رہتی ہو؟"

"نہیں، میرے ساتھ ڈیڈی کی ایک بوڑھی دوست عورت بھی رہتی ہے۔ وہ شام کو آجاتی ہے اور رات میرے ساتھ گذار کر دوسرے دن چلی جاتی ہے۔"

میں نے کہا:۔ "کیا تمہارا پاسپورٹ بنا ہوا ہے؟"

"ہاں۔ کیوں؟"

میں نے کہا:" آکر بتاتا ہوں۔ میں تمہارے پاس آرہا ہوں۔ تم کہیں جانا مت۔"

اور میں نے فون بند کر دیا۔ آدھ گھنٹے بعد میں سعیدہ کے فلیٹ میں اس کے پاس بیٹھا اسے ساری بات سمجھا رہا تھا۔ اس نے فوراً الماری میں سے پاسپورٹ نکال کر میرے حوالے کر دیا۔ میں نے اسے کہا:

"میں چاہتا ہوں کہ تمہارے ڈیڈی کے پیرس پہنچنے سے پہلے پہلے تم وزیر آباد پہنچ جاؤ۔"

سعیدہ کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے:

"انکل! خدا کے لئے مجھے میری نانی نانا کے پاس پہنچا دیں۔ میں آپ کا احسان ساری زندگی نہیں بھولوں گی۔"

میں نے کہا: "اس میں احسان کی کوئی بات نہیں ہے سعیدہ، تم ایک طرح سے میرے لئے بیٹی کی جگہ ہو۔ اور پھر میں نے تمہاری ماں کی روح سے وعدہ بھی کر رکھا ہے۔"

سعیدہ اپنی ماں کے ذکر پر چپ سی ہو گئی۔ کہنے لگی:

"انکل! کیا میں اپنی ماما کی روح کو دیکھ سکتی ہوں؟"

میں نے کہا: "میرا خیال ہے کہ ہم لوگ اپنی ان مادی آنکھوں سے کسی روح کو نہیں دیکھ سکتے۔"

وہ کہنے لگی: "کیا میں ماما کی روح سے بات بھی نہیں کر سکتی؟"

میں نے کہا: "اس کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اگر تمہاری ماما کی روح سے میری ملاقات ہوئی تو یہ میں اس سے پوچھ کر ہی کچھ بتا سکتا ہوں۔ اس وقت تمہیں اپنی ماما کی روح سے ملاقات کرنے سے زیادہ اہم کام یہاں سے فرار ہونے کی تیاری کرنا ہے۔ تمہاری ماما کی روح کو اگر تم سے ملنا ہو گا تو وہ وزیر آباد آ کر بھی تم سے مل لے گی۔ روحوں کے لئے فاصلہ کوئی چیز نہیں ہوتا۔ اب میں جاتا ہوں۔ تمہارے پاسپورٹ پر پاکستان کا ویزہ لگوانے کے بعد تمہیں فون پر اطلاع کروں گا۔"

میں وہاں سے نکل آیا۔

میں نے اسی دن سعیدہ کا پاسپورٹ میڈم سلویا کے حوالے کر دیا۔ اس عورت نے دوسرے دن اس پر پاکستان کا ویزہ بھی لگوا دیا۔ میں نے دیکھا۔ ویزہ بالکل اصلی تھا۔ سعیدہ کا ویزہ لگوانے میں اس لئے بھی آسانی

ہوگئی تھی کہ اسکا باپ اور ماں دونوں پاکستان سے وہاں آئے ہوئے تھے اور ان کی بیٹی اپنے نانا نانی سے ملنے پاکستان جارہی تھی۔ میں نے سعیدہ کو فون پر بتادیا کہ تمہارا پاکستان کا ویزہ لگ گیا ہے۔ اب تم پاکستان جانے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ وہ بڑی خوش ہوئی۔ فون پر اس کی آواز سے مسرت کا اظہار ہو رہا تھا۔ کہنے لگی:

"میں کس روز جاؤں گی انکل؟"

میں نے کہا: "یہ میں تمہیں ایک دن پہلے بتادوں گا کہ تمہاری کونسی فلائیٹ ہے اور پیرس سے کس وقت ٹیک آف کر رہی ہے۔ بہرحال میں تمہیں لینے ایک خاص جگہ پر پہنچ جاؤں گا۔ مگر اس سے پہلے تمہارے زیور بھی لاکر سے لانے ہوں گے۔ یہ کام میں کرلوں گا۔ تم فکر نہ کرو۔"

اس دن میں بینک گیا اور سعیدہ کی ماں نے جو زیور رکھوائے ہوئے تھے، وہ نکال کر لے آیا۔ یہ زیور میں نے بلانشے کے فلیٹ پر لانے کی بجائے میڈم سلویا کے پاس ہی رکھوا دیئے۔ میں نے میڈم سے کہا:

"سعیدہ کی سیٹ کسی ایسی فلائیٹ پر ریزرو کرائیں جو دن کے وقت جاتی ہو تاکہ اس وقت وہ فلیٹ پر اکیلی ہو اور اس کے باپ نے اسکی نگرانی کے لئے جو عورت رکھ چھوڑی ہے، وہ جاچکی ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ سعیدہ کے باپ کو اس وقت بیٹی کے فرار کی خبر ہو جب وہ پاکستان پہنچ چکی ہو کیونکہ نگرانی کرنے والی عورت رات کو دوبارہ آجاتی ہے۔"

میڈم سلویا نے ایسا ہی کیا۔ اس کی روانگی پی آئی اے کی صبح دس بجے پیرس سے روانہ ہونے والی فلائیٹ پر کنفرم کروا دی۔ میں نے میڈم کو

خود اپنے بینک سے رقم نکال کر دی جس کا پیرس سے پاکستان تک کا ایئر ٹکٹ خرید لیا گیا۔ سیٹ بھی کنفرم ہو گئی۔

میں نے شام کو سعیدہ کو فون پر بتایا کہ وہ کل دس بجے پیرس سے جا رہی ہے۔

"میں تمہیں لینے تمہاری ہائی رائیز بلڈنگ کے پیچھے جو ٹیوب سٹیشن ہے' اس کی انٹرنس پر تمہارا انتظار کر رہا ہوں گا۔ میں ٹھیک صبح آٹھ بجے وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

سعیدہ نے کہا: "میں آجاؤں گی۔ میں ضرور آجاؤں گی انکل۔"

میں نے فون بند کر دیا۔

اگلے روز میں وعدے کے مطابق ٹھیک پونے آٹھ بجے سعیدہ کی اپارٹمنٹ بلڈنگ کے عقب والے ٹیوب سٹیشن کے پاس گاڑی میں بیٹھا اس کا انتظار کرنے لگا۔ میں نے ٹھیک آٹھ بجے سعیدہ کو بلڈنگ کے پیچھے سے نکل کر ٹیوب سٹیشن کی طرف آتے دیکھا۔ اس کے کاندھے سے ٹورسٹ بیگ لٹک رہا تھا۔ میں گاڑی سے باہر نکل آیا۔

"انکل میں خواب تو نہیں دیکھ رہی؟"

میں نے کہا: "نہیں بیٹی! تم حقیقت کی دنیا میں ہو' آؤ بیٹھ جاؤ۔ ہم میڈم کے ہاں جائیں گے جہاں سے ماریانہ میڈ سرونٹ تمہارے ساتھ جائے گی۔"

میں نے سعیدہ کو میڈم سلویا اور پاکستان میں اسے اپنی حفاظت میں ساتھ لے جانے والی عمر رسیدہ ماریانہ کے بارے میں مختصر طور پر بتا دیا ہوا تھا۔ ہم میڈم کے بنگلے پر پہنچ گئے۔ میڈم سلویا نے سعیدہ کو دیکھا تو فرانسیسی زبان

میں اس سے باتیں شروع کر دیں۔ سعیدہ بھی روانی سے اس کے ساتھ فرنچ بولتی رہی۔ میڈم سلویا نے سعیدہ کو اپنی بوڑھی سرونٹ ماریانہ سے ملایا اور انگریزی میں کہا تاکہ میں بھی سن لوں۔

"ماریانہ تمہارے ساتھ جائے گی۔ یہ تمہیں تمہارے گھر پہنچا کر واپس آئے گی۔"

میں نے سعیدہ کی والدہ کا زیور اور بینک کے کاغذات وغیرہ سعیدہ کے حوالے کرتے ہوئے کہا:

"یہ تمہاری امانت ہے۔ اسے گھر جاتے ہی اپنی نانی کو دے دینا۔ یہ زیور تمہاری والدہ نے تمہاری شادی کے لئے بچا کر رکھے ہوئے تھے۔"

سعیدہ کی آنکھوں میں زیور لیتے ہوئے آنسو آ گئے۔ میڈم سلویا نے گھڑی دیکھ کر کہا:

"اب فوراً ایئر پورٹ پر پہنچو۔"

میں اور سعیدہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے۔ ماریانہ اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گئی اور ہم پیرس کے ایئر پورٹ کی طرف چل پڑے۔ اس روز پیرس میں دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ بڑا خوشگوار موسم تھا۔ حبس بالکل نہیں تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ پیرس کے اورلے ایئر پورٹ پر بڑی گہما گہمی تھی۔ جہاز پر سعیدہ کی سیٹ کنفرم تھی۔ میں اس کے ساتھ تھا۔ اس نے بورڈنگ کارڈ لیا اور سامان چیک کروانے کے بعد جب ٹرانزٹ لاؤنج میں جانے لگی تو اس نے اپنا سر میرے ساتھ لگا دیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں نے ایک شفیق باپ کی طرح اس کے سر پر پیار کیا اور کہا:

"تمہیں تو خوش ہونا چاہئے کہ اپنی نانی نانا کے پاس جا رہی ہو۔ تمہاری ماما کی بھی یہی خواہش تھی۔"

سعیدہ نے ٹشو پیپر سے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا:

"انکل! میں آپ کے اس عظیم احسان کو کبھی نہ بھلا سکوں گی۔"

اور وہ مجھ سے ہاتھ ملا کر ٹرانزٹ لاؤنج کی طرف چل دی۔ زیور اس کے تھیلے میں ہی تھے۔ ماریانہ کو میں نے تاکید کر دی تھی کہ لڑکی کو اس کے گھر پہنچا کر آئے۔ جب وہ دونوں ٹرانزٹ لاؤنج میں میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئیں تو میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور سلطانہ اختر کی روح کو مخاطب کرتے ہوئے آہستہ سے کہا:

"سلطانہ بی بی! میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا' اسے پورا کر دیا ہے"

میں باہر نکل کر گاڑی میں بیٹھا اور واپس روانہ ہو گیا۔

میڈم کی گاڑی نے مجھے بلانشے کی اپارٹمنٹ بلڈنگ میں چھوڑ دیا۔ بلانشے اپارٹمنٹ میں ہی تھی۔ اس کو میں نے سارا معاملہ بتا دیا ہوا تھا۔ مجھے آتے دیکھ کر اس نے پوچھا:

"لڑکی کو سی آف کر دیا؟"

میں نے کہا: "ہاں۔ اب وہ پاکستان پہنچ گئی ہے۔۔۔"

بلانشے نے کہا:

"یہ تم نے بڑا نیک کام کیا ہے۔ جو لڑکی پیرس میں نہ رہنا چاہتی ہو' اسے یہاں بالکل نہیں رہنا چاہئے۔ اس کے لئے یہ شہر بڑا خطرناک بن جاتا ہے۔"

میں نے بلانشے سے نیویارک والے اپنے ٹرپ کے بارے میں پوچھا تو وہ کہنے لگی:

"میرا خیال ہے ہم اس ہفتے جائیں گے۔ میں آج میڈم سلویا سے ملنے جا رہی ہوں۔ اس نے مجھے فون پر بلایا بھی ہے۔"

میں نے کہا: "کیمرے ہمیں کہاں ملیں گے؟"

بلانشے کہنے لگی:

"میرا خیال ہے میڈم سلویا ہی ہمیں کیمرے دے گی کیونکہ دونوں کیمروں میں اس کے سامنے ہیروئن کی تہیں جمائی جائیں گی۔"

میرے دل نے بلانشے کی لئے بڑی تشویش محسوس کی۔ مجھے معلوم تھا کہ بلانشے اس پھیرے میں بچ نہیں سکے گی۔ کیونکہ ہیروئن کا پتہ چل جائے گا۔ بلکہ میڈم نے جان بوجھ کر ہیروئن کی تہہ اس طرح جمائی ہوگی کہ کسٹم والوں کو فوراً اسکا علم ہو جائے۔ کیونکہ وہ تو بلانشے کو پکڑوانا چاہتی تھی۔ ایک بار پھر میرے دل نے کہا۔ بلانشے کو ساری بات بتا دو۔ اسے نیویارک کا پھیرا لگانے سے روک دو۔ مگر میں اسے نہ کہہ سکا۔ میں نے یہ سوچ کر بھی اپنے ضمیر کو مطمئن کر لیا کہ اگر میں اس پھیرے پر جانے سے بلانشے کو روک لوں گا تو میڈم اسے کسی دوسرے ملک کا پھیرا لگوا کر پکڑوا دے گی۔ کیونکہ وہ تو بلانشے کو گرفتار کروانے کا تہیہ کر چکی تھی۔ وہ کسی بھی ٹرپ پر اسے پکڑوا سکتی تھی۔ میں نے یہ کہہ کر اپنے ضمیر کو مزید مطمئن کر دیا کہ یہ میڈم سلویا اور بلانشے کا آپس کا معاملہ ہے۔ وہ جانیں اور ان کا کام۔ مجھے اس میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے۔ انسان کس کس طرح اپنے گناہ کا جواز پیدا کر لیا کرتا ہے۔ مگر وہ یہ بھول جاتا ہے کہ قیامت کے روز اس کے ہر عمل کا فیصلہ اس کی نیت

کو سامنے رکھ کر کیا جائے گا۔ کاش مجھے اس وقت عقل آجاتی۔ میں اس وقت ہی سنبھل جاتا' بلانشے کو بھی بچالیتا اور خود بھی آنے والے عذاب سے بچ جاتا۔ مگر میری عقل پر دولت کی اندھی پٹی بندھ چکی تھی اور میں نے اپنے پاؤں پر خود ہی کلہاڑا چلادیا تھا۔

بلانشے شام کو میڈم سلویا سے مل کر آئی تو اس نے مجھے بتایا کہ ہمیں تین دن بعد رات کے دو بجے والی فلائیٹ پر نیویارک روانہ ہو جانا ہو گا۔

"میڈم نے مجھے دونوں کیمرے دکھادیئے تھے۔ اس نے کہا تھا کہ دونوں کیمروں میں ہیروئن اتنی مہارت سے لگادی گئی ہے کہ کسٹم والے ساری زندگی سر کھپاتے رہیں' وہ اسے ڈیٹکٹ نہیں کر سکتے۔"

میرے منہ سے بے اختیار سے یہ جملہ نکل گیا:

"میرے والے کیمرے میں بھی ہیروئن لگادی گئی ہے کیا؟"

بلانشے نے میری طرف دیکھ کر کہا:

"تو کیا تمہارا کیمرہ خالی ہی جائے گا؟ تمہارے کیمرے میں بھی ہیروئن کی تہہ چڑھادی گئی ہے۔ اگر تم اپنے کیمرے میں ہیروئن لے کر نہیں جاؤ گے تو تمہیں کمیشن کیونکر ملے گی؟"

میں نے جلدی سے کہا:

"میرا مطلب تھا کہ دونوں کیمرے تیار ہو گئے ہیں نا۔۔۔۔ اچھا یہ بتاؤ کہ نیویارک میں ہمیں مال کی سپلائی کس کے پاس پہنچانی ہو گی؟"

بلانشے نے کہا:

"یہ میڈم سلویا ہی بتائے گی۔ میرا خیال ہے وہ پیرس سے ہماری روانگی سے کچھ دیر پہلے ہی بتائے گی۔ وہ ہر بات میں راز داری کو بہت پسند کرتی ہے۔"

آخر وہ دن آن پہنچا جس کی رات کے دو بجے ہمیں ہیروئن لے کر نیویارک روانہ ہونا تھا۔ اس روز میڈم سلویا نے رات کو ہمیں کھانے پر بلایا۔ بڑا پر تکلف ڈنر تھا۔ ہم تینوں کے سوا وہاں چوتھا کوئی نہیں تھا۔ ڈنر کے بعد کافی آئی تو میڈم سلویا نے میڈ سرونٹ سے کہا کہ اب کوئی کمرے میں نہ آئے۔ اس کے بعد میڈم نے ایک کیبنٹ کے دراز کا تالا کھول کر اس میں سے پلاسٹک کا بیگ نکالا۔ اس میں دو کیمرے تھے۔ یہ کیمرے ایسے تھے جس قسم کے کیمرے سیاح لوگ عام طور پر اپنے کاندھوں پر لٹکائے پھرتے ہیں۔ یہ کوئی زیادہ قیمتی کیمرے نہیں تھے۔ میڈم نے دونوں کیمرے اپنے سامنے میز پر رکھے اور ان کا تھوڑی دیر تک معائنہ کرتی رہی۔ پھر اس نے کہا:

"ان کیمروں کے اندر ہیروئن کو کیمرے کا رنگ دے کر اس مہارت سے پینٹ کیا گیا ہے کہ کوئی ماڈرن سے ماڈرن مشین بھی اس کا سراغ نہیں لگا سکتی۔"

مجھے معلوم تھا کہ ان میں سے ایک کیمرہ کے اندر ہیروئن کی تہہ نہیں چڑھائی گئی اور میڈم وہ کیمرہ مجھے دینے والی ہے۔ بلانشے نے سوال کیا:

"میڈم کیا آپ کے آدمیوں کو یقین ہے کہ نیویارک کے جے ایف کے ایئرپورٹ پر بو گیر کتے نہیں ہوں گے؟ کیونکہ جیسا کہ آپ نے کہا تھا ہیروئن پر ایلہ گیڈو کی چربی نہیں لگائی گئی۔"

میڈم نے بڑے پر اعتماد لہجے میں کہا:

"اس کی میں نے پوری تصدیق کر لی ہے۔ نیویارک بلکہ امریکہ کے کسی ایئرپورٹ پر کسٹم کے حکام کتے نہیں رکھتے۔ انہیں اپنی ہائی ٹیکنالوجی پر بڑا فخر ہے۔ انہیں یقین ہے کہ ان کے جدید ترین آلات فولاد کے اندر چھپی ہوئی ہیروئن کا سراغ بھی لگا سکتے ہیں۔"

بلانشے کہنے لگی۔

"میں اپنی تسلی کے لئے پوچھ رہی ہوں۔ اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ امریکی کسٹم والے ان کیمروں میں چھپائی گئی ہیروئن کا سراغ نہیں لگا سکیں گے۔"

میڈم نے مسکرا کر کہا۔

"اس کی گارنٹی یہ ہے کہ ہمارے دو آدمی اسی قسم کے ہیروئن والے کیمروں کے ساتھ نیویارک کے تین چکر لگا چکے ہیں اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو سکی۔"

اس پر بلانشے مطمئن ہو گئی۔ لیکن میڈم سلویا نے جھوٹ بولا تھا۔ اس نے بلانشے والے کیمرے کے اندر ہیروئن جان بوجھ کر اس طرح لگائی تھی کہ اگر کسٹم والے کیمرے کو کھولیں تو انہیں ہیروئن سامنے نظر آ جائے۔ یہ بات میڈم نے مجھے پہلے سے بتا دی تھی۔

میڈم نے اس نقطے کے پیش نظر کہا۔

"ایک بات یاد رکھنا۔ تم نے ان کیمروں کو نہ راستے میں کہیں کھول کر دیکھنا ہے نہ ہی ایئرپورٹ پر کھولنا ہے۔ اس میں ایک خاص راز کی بات ہے جو میں تمہیں نہیں بتا سکتی۔ اگر تم لوگوں نے کیمروں کو کھولا تو تمہیں نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

اس انتباہ سے میڈم سلویا کا مقصد صرف یہ تھا کہ بلانشے نے کیمرہ کھولا تو ہیروئن کو سامنے دیکھ کر وہ وہیں کیمرے کو ضائع نہ کر دے۔ کیونکہ ہر سمگلر کو یہ ہدایت کی جاتی تھی کہ وہ اگر اپنے آپ کو خطرے میں دیکھے تو فوراً اپنا مال ضائع کر دے یا اس سے لاتعلق ہو جائے۔ کیونکہ مال سے زیادہ سمگلر کو قید سے بچانا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے بعد میڈم نے بلانشے کو ایک کیمرہ دیتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہارا کیمرہ ہے۔ اس کو تم اپنے پاس رکھو گی اور نیویارک ایئرپورٹ پر اترنے سے پہلے اپنے کاندھے سے لٹکا لو گی۔"

دوسرا کیمرہ اس نے میرے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"اور یہ کیمرہ تم اپنے پاس رکھو گے اور نیویارک پہنچتے ہی کاندھے سے لٹکا لو گے۔ یاد رکھو جہاز میں تمہاری سیٹیں الگ الگ بک کرائی جائیں گی۔ تم جہاز میں بھی ایک دوسرے سے بات نہیں کرو گے اور نیویارک ایئرپورٹ پر اترنے کے بعد بھی الگ الگ ہو کر باہر نکلو گے اور کسٹم کاونٹر پر جاؤ گے۔"

میڈم نے اپنی نوٹ بک کھولی اور کاغذ پر ایک نمبر لکھ کر ہمیں دکھایا۔

"تم نیویارک ایئرپورٹ سے نکلنے کے بعد الگ الگ ٹیکسی لے کر جاؤ گے۔ مگر ایک دوسرے کو اپنی نگاہ میں رکھو گے۔"

اس نے خاص طور پر بلانشے سے کہا۔

"بلانشے! تم اپنی ٹیکسی میں آگے آگے چلتے ہوئے جیکی کی ٹیکسی کو گائیڈ کرو گی۔ کسی موٹل میں جا کر چاہے تم اکٹھے ہو جانا۔ اور یہ نمبر ہے اس پر

فون کرنا کہ مسٹر کارنیگی کو بلادیں۔ مسٹر کارنیگی جب بات کرے تو اسے کہنا کہ ہم جے ایف اینڈ کمپنی کے نمائندے ہیں۔ وہ سمجھ جائے گا۔ اور کہے گا میں باس بول رہا ہوں۔ یہ اس کی پہچان کا کوڈ ورڈ ہو گا۔ اس سے تم سمجھ جانا کہ یہ مسٹر کارنیگی ہی بول رہا ہے۔ اس کے بعد وہ تم سے خود موٹل میں آکر ملے گا۔ تم دونوں کیمرے ان کے حوالے کر دینا۔ یہاں تمہارا کام ختم ہو جائے گا۔ اب تم دونوں اس ٹیلی فون نمبر کو اپنی اپنی نوٹ بک میں لکھ لو۔"

"ہم نے فوراً مسٹر کارنیگی کا نیویارک کا نمبر جس سے پہلے ایریا کوڈ بھی تھا' نوٹ کر لیا اور کوڈ ورڈ جو ہمیں بولنے تھے وہ بھی لکھ لئے۔ میڈم سلویا نے کہا۔

"اب تم دونوں سامنے والے کمرے میں جاؤ۔ وہاں تمہارا سیاحوں والا لباس پڑا ہے وہ پہن لو۔ جلدی کرو۔ وقت ہمارے پاس زیادہ نہیں ہے۔
"

میں اور بلانشے اٹھ کر سامنے والے کمرے میں جانے لگے تو میڈم نے مجھے آواز دے کر روک لیا اور کہا۔

"تم یہیں بیٹھو۔ تمہیں شرم نہیں آتی۔ پہلے بلانشے کو کپڑے بدلنے دو۔
"

میں شرمندہ سا ہو کر میڈم کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ جب بلانشے نے کمرے میں جاکر دروازہ بند کر لیا تو میڈم سلویا بڑے سکون سے بولی۔

"تمہارے کیمرے کی نشانی یہ ہے کہ اس کے نیچے میں نے چھوٹا سا سٹکر لگادیا ہے۔ اسے دیکھ لو۔"

میں نے کیمرہ اٹھا کر اس کے نیچے دیکھا۔ وہاں سرخ رنگ کے چھوٹے سے پھول کا سٹکر لگا ہوا تھا۔ میڈم نے دھیمی آواز میں کہا۔

"جہاز میں بھی تم بلانشے سے کوئی بات نہ کرنا۔ نیویارک ایئرپورٹ پر اترتے ہی تم بلانشے سے دور ہو جانا اور جب کسٹم پر اس کی چیکنگ ہونے لگے تو کسی بھی حالت میں اس کے قریب نہ آنا۔ جب بلانشے کے کیمرے سے ڈرگ برآمد ہو جائے اور وہ پکڑی جائے تو تم پھر کچھ دیر بعد کسٹم کاؤنٹر پر آنا۔ اس کے بعد مسٹر کارنیگی سے فون پر رابطہ کرنا۔ آگے وہ جس طرح کہے گا ویسے ہی کرنا۔"

میں بڑا حیران ہو رہا تھا کہ یہ کس قسم کی عورت ہے کہ اپنی پرانی سہیلی کی کتنی بے فکری اور لاپروائی سے زندگی برباد کر رہی ہے۔ اتنے میں بلانشے کمرے سے باہر نکلی۔ وہ اپنے لباس سے پیرس کی سیاح لگ رہی تھی۔ کانوں میں بالیاں تھیں۔ رنگین جیکٹ، رنگین جینز، بال کھلے ہوئے، گلے میں موتیوں کی مالا۔ کاندھے پر چمڑے کا پرس لٹکا ہوا۔ وہ چیونگم چبا رہی تھی۔ میڈم نے میری طرف اشارہ کیا۔ میں کمرے میں گھس گیا۔ وہاں میرے سیاحوں والے کپڑے بھی پڑے تھے۔ جینز، جیکٹ۔ گلے میں ڈالنے والی سونے کی زنجیر اور سیاحوں والا چمڑے کا تھیلا۔ میں نے جلدی جلدی لباس تبدیل کیا اور باہر نکل آیا۔ میڈم اس دوران بلانشے کی طرف جھکی بڑی رازداری سے باتیں کر رہی تھی۔ یونہی مجھے ڈر سا لگا کہ کہیں وہ کہیں بلانشے کو یہ تو نہیں بتا رہی کہ میں نے تمہارے کیمرے میں ہیروئن نہیں رکھوائی۔ تمہارا کیمرہ خالی ہے۔ ہیروئن جیکی یعنی میرے کیمرے میں ہے۔ بس میڈم پر میرا اعتماد اب اٹھ گیا تھا۔

میڈم نے میری طرف دیکھا اور تالی بجاتے ہوئے کہا۔

"ونڈرفل! اب تم لوگ فوراً ایئرپورٹ پر پہنچو۔ تمہیں جیسا سمجھایا ہے' ویسے ہی کرنا' اب نکل جاؤ۔ تمہارے نیویارک پہنچنے کی مجھے خبر مل جائے گی۔"

ہم دونوں میڈم کے دائیں بائیں چلتے بنگلے کے باہر آ گئے۔ باہر گاڑی تیار کھڑی تھی۔ بلانشے نے میڈم سے ہاتھ ملایا۔ مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے میڈم نے میرے ہاتھ کو پھر بڑے معنی خیز انداز میں دبایا۔ میں نے کسی ردعمل کا اظہار نہ کیا۔ سچی بات ہے اب مجھے میڈم سلویا اچھی نہیں لگتی تھی۔ میں نے بھی دل میں سوچ لیا تھا کہ دو چار پھیرے لگانے کے بعد جب میں نے کافی دولت اکٹھی کر لی تو پھر اس خطرناک عورت کے چنگل سے نکل جاؤں گا اور اگر بلانشے جیل نہ گئی تو اس سے مل کر' نہیں تو اپنے طور پر ایک ڈرگ مافیا بنا کر الگ کام شروع کر دوں گا۔

گاڑی ایئرپورٹ کی طرف جا رہی تھی۔

پیرس کی ہائی وے روشن روشن تھی۔ ہماری دائیں جانب ای فل ٹاور کی روشنیاں ساتھ ساتھ چلتی محسوس ہو رہی تھیں۔ ایئرپورٹ پر گاڑی سے اترنے کے فوراً بعد میں اور بلانشے الگ الگ ہو گئے۔ ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا۔ میرا دل ایک دم اداس ہو گیا۔ مجھے یوں لگا جیسے میں بلانشے کو آخری مرتبہ دیکھ رہا ہوں۔ بے اختیار میرا دل چاہا کہ میں دوڑ کر اس کے پاس جاؤں اور اس کا کیمرہ چھین کر اسے توڑ پھوڑ ڈالوں اور جب وہ حیران ہو کر مجھ سے پوچھے کہ میں نے یہ کیا کیا تو میں اسے کہوں کہ میں نے اس کے مستقبل کو تباہ

ہونے سے بچالیا ہے۔ پھر اسے سب کچھ بتادوں اور کہوں۔ بلانشے! اب ہم نیویارک سے واپس نہیں جائیں گے۔ یہیں رہیں گے' نوکری کریں گے۔ ایک چھوٹا سا فلیٹ لے کر رہیں گے اور ہنسی خوشی زندگی بسر کریں گی۔ لیکن میں ایسا نہ کر سکا۔

انسان کی زندگی میں ایسا کئی بار ہوتا ہے کہ اسکا ضمیر اسے سیدھی راہ پر لانے کی کوشش کرتا ہے لیکن انسان کسی دنیاوی لالچ اور ہوس زر کی وجہ سے اپنے ضمیر کی آواز کو دبا دیتا ہے۔ یہ انسان کی سب سے بڑی ٹریجڈی ہے۔

میرے ساتھ بھی یہی ٹریجڈی ہو رہی تھی۔ میں بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ ٹرانزٹ لاؤنج میں آگیا۔ میرے پاس کوئی سامان وغیرہ تو تھا نہیں' بلانشے کے پاس بھی کوئی سامان نہیں تھا۔ میں کسٹم والے بڑے کمرے میں آکر ایک جانب دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے بلانشے کو دیکھ لیا تھا۔ وہ بڑی بے نیازی سے چیونگ گم چباتی اس قطار میں جاکر کھڑی ہو گئی جو کسٹم کاؤنٹر پر لگی تھی۔ کسٹم کے آدمی کاؤنٹر پر مسافروں کے سامان کو چیک کر رہے تھے۔ میں نے اچھی طرح جائزہ لیا۔ واقعی وہاں لندن کی ہیتھرو ایئرپورٹ کی طرح کوئی بوگیر کتا نہیں تھا۔ کسٹم والے چیکنگ کے جدید آلات کے ساتھ مسافروں کے سامان کو چیک کر رہے تھے۔ بلانشے قطار میں آہستہ آہستہ آگے جا رہی تھی۔ مجھے یوں لگا جیسے ٹائم بم کی الٹی گنتی شروع ہو چکی ہے۔ بس چند منٹ کی دیر باقی رہ گئی ہے کہ بم ایک دھماکے سے پھٹ جائے گا اور بلانشے کسٹم والوں کی حراست میں ہو گی۔ اسے ہتھکڑی لگ جائے گی اور دوسرے کمرے میں اسے بند کر دیا جائے گا۔

قطار میں بلانشے صرف تین مسافروں کے فاصلے پر تھی۔ میں سگریٹ پی رہا تھا اور کچھ فاصلے پر دیوار کے ساتھ لگا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ سگریٹ مجھے پھیکا لگنے لگا تھا۔ میں نے اسے دیوار سے لگے ایش ٹرے میں ڈال دیا۔ میں دو تین بار ادھر سے ادھر ٹہلتا چلا گیا۔ اس کے بعد دیکھا تو بلانشے کسٹم والوں کے سامنے تھی۔ میں ایک طرف جہاں دوسرے مسافر بیٹھے تھے' کرسی پر بیٹھ گیا۔ کسٹم والے امریکی بلانشے کے پرس میں سے چیزیں نکال کر انہیں آلات سے چیک کرنے لگے۔

میں نے سوچا شاید وہ بلانشے کا کیمرہ چیک نہ کریں۔ لیکن ایک کسٹم آفیسر نے بلانشے کو کیمرہ اتار کر دینے کے لئے کہا۔ بلانشے نے کیمرہ کندھے سے اتار کر کسٹم آفیسر کے حوالے کر دیا۔ میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

بلانشے بظاہر بڑی بے نیازی سے کاؤنٹر پر کھڑی چیونگ گم چبا رہی تھی۔ کسٹم آفیسر نے کیمرے کو الٹا پلٹا کر دیکھا اور پھر بلانشے کے حوالے کر دیا۔ بلانشے نے کیمرہ کاندھے پر لٹکایا اور چیونگ گم چباتی آگے نکل گئی۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ یہ بلانشے کی خوش قسمتی تھی کہ کسٹم آفیسر نے کیمرے کو کھولا ہی نہیں تھا۔ اگر وہ کھول لیتا تو بلانشے کا بچنا ناممکن تھا۔ کیونکہ جیسا کہ میڈم سلویا نے مجھے دکھایا تھا۔ کیمرے میں جہاں فلم کا رول ڈالا جاتا ہے' وہاں ہیروئن اس طرح لگائی گئی تھی کہ اناڑی سے اناڑی کسٹم آفیسر بھی اسے شناخت کر لیتا۔ اس کے بعد میں کسٹم کاؤنٹر پر گیا۔ میرا کیمرہ بھی نہ کھولا گیا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ بلانشے ایک بہت بڑی مصیبت سے صاف بچ کر نکل گئی تھی۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ جب وہ کسٹم ہال سے نکل کر

بڑے کوریڈار میں آئی تو میں اس سے چند قدم کے فاصلے پر پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ ایئر پورٹ سے باہر آ کر میں دوڑ کر اس کے پاس گیا اور کہا:

"تھینک گاڈ! ہم دونوں صاف نکل آئے۔"

بلانشے کہنے لگی:

"تمہارا کیمرہ بھی کسی نے نہیں کھولا کیا؟"

میں نے کہا: "بالکل نہیں کھولا۔ اگر کھولتے تو ہم پر مصیبت نازل ہو سکتی تھی۔"

اس نے کہا: "اب ہمیں مسٹر کارنیگی کو فون کرنا ہو گا۔"

ہم قریب ہی ایک ٹیلی فون بوتھ کے پاس آ گئے۔ بلانشے نوٹ بک سے نمبر پڑھ کر ڈائل کے نمبر گھمانے لگی۔ چند سیکنڈ بعد اس نے مسٹر کارنیگی کا پوچھا۔ پھر اپنے کوڈ ورڈ دہرائے۔ پھر مسٹر کارنیگی کے کوڈ ورڈ معلوم کئے۔ جب اس کی تسلی ہو گئی تو اس نے کہا:

"ہم اس وقت جے ایف کے ایئر پورٹ کے باہر ہیں۔ یہاں سے ہم کسی قریبی موٹل میں کمرہ لے کر آپ میں سے کسی کا انتظار کریں گے۔"

"کیوں نہیں۔ ہمارا دوسرا فون موٹل میں سے تمہیں آئے گا۔ اور موٹل کا نام اور پتہ بھی بتا دیں گے۔ او کے۔ بائی۔"

ہم نے وہیں سے ایک ٹیکسی پکڑی اور اسے کسی قریبی موٹل میں چلنے کے لئے کہا۔ موٹل جیسا کہ آپ کو معلوم ہی ہو گا ایک طرح کی سرائے ہوتی ہے۔ جہاں آپ کار بھی اندر لے جا کر محفوظ طریقے سے کھڑی کر سکتے ہیں اور رات گذارنے کے لئے سستے نرخ پر کمرہ مل جاتا ہے۔ موٹل اسے

اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے اندر موٹر بھی آپ کھڑی کر سکتے ہیں۔ قریبی موٹل وہاں سے تھوڑی دور ہی تھا۔

ہم نے سنگل بیڈ کے دو کمرے لے لئے۔ بلانشے نے میرے کمرے میں آکر مسٹر کارنیگی کو دوبارہ فون کر کے موٹل کا ایڈریس لکھوا دیا۔ فون بند کر کے کہنے لگی:

"وہ کہہ رہا ہے کہ میں خود آرہا ہوں۔"

میں نے کہا: "یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔"

بلانشے سگریٹ سلگا کر میرے بستر پر بیٹھ گئی اور یونہی اپنے کیمرے کو کھول کر اس میں سے رول نکالنے لگی تو کیمرے کو دیکھتی رہ گئی۔ میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا:

"یہ ہیروئن انتہائی غیر ذمے داری سے لگائی گئی ہے۔ دیکھو اس کے براؤن ذرے دیوار کے ساتھ چپکے صاف نظر آرہے ہیں۔ میرے خدا اگر کسٹم پر میرا کیمرہ کھول لیا جاتا تو میں تو ماری گئی تھی۔ ذرا اپنا کیمرہ کھول کر دکھانا۔"

میں نے اپنے والا کیمرہ کھول کر دکھایا۔ اس میں ہیروئن بالکل ہی نہیں لگائی گئی تھی۔ بلانشے نے اسے غور سے دیکھا اور بولی:

"دیکھو نا۔ تمہارے کیمرے میں ہیروئن اس مہارت سے چپکائی گئی ہے کہ معلوم ہی نہیں ہو رہا۔"

اس بے چاری کو کیا خبر تھی کہ میرے کیمرے میں ہیروئن لگائی ہی نہیں گئی۔ اس نے دونوں کیمرے جلدی جلدی بند کر دیئے۔

"ان کو کیبنٹ کی دراز میں رکھ دو۔ یہاں کسی کو پتہ نہیں چلنا چاہئے۔"

میں نے دونوں کیمرے کیبنٹ کی نچلی دراز میں بند کر دیئے۔ اس کے بعد ہم نے کافی کے ساتھ کچھ سینڈوچز منگوا کر کھائے۔ اس دوران کمرے کی گھنٹی بجی اور ایک ناٹے قد کا گول سروالا موٹا امریکی داخل ہوا۔ عمر پچاس کے قریب ہوگی۔ سر کے بال اڑے ہوئے تھے۔ اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا:

"میرا نام مسٹر کارنیگی ہے۔ میں نیویارک کی سٹاک ایکسچینج میں کام کرتا ہوں۔"

بلانشے نے اور میں نے بھی اپنا اپنا نام اسے بتایا اور اسے بیٹھنے کے لئے کہا۔ وہ صوفے پر خوب جم کر بیٹھ گیا اور بولا:

"میڈم سلویا نے مجھے آپ کے آنے کی فون پر اطلاع کر دی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ اس نے میرے بچوں کے لئے آپ کے ہاتھ دو کیمرے بھیجے ہیں۔ کیا آپ کیمرے ساتھ لائے ہیں؟"

میں نے اور بلانشے نے دونوں کیمرے کیبنٹ کے دراز میں سے نکال کر اسے دے دیئے۔ اس نے دونوں کیمرے اپنے کندھے سے لٹکائے اور اپنا کارڈ دیتے ہوئے کہا:

"مجھے آج شام کو اس جگہ پر ملئے گا۔ اس پر میرے آفس کا ایڈریس لکھا ہوا ہے۔ او کے۔"

اس نے ہم دونوں سے ہاتھ ملایا اور چلا گیا۔ بلانشے نے دروازہ بند کر دیا۔ کہنے لگی:

"میرا خیال ہے ہماری کمشن ڈالروں کی صورت میں یہیں ادا کر دی جائی گی۔"

میں نے کہا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہوگی۔"

وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس وقت اس کا چہرہ اس کے ذہن کی کسی الجھن کو ظاہر کر رہا تھا۔ سگریٹ سلگاتے ہوئی بولی:

"جیکی! میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکی کہ میرے کیمرے میں ہیروئن اتنی بے احتیاطی سے کیوں لگائی گئی تھی۔ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔ کیا میڈم نے کیمرے ہمارے حوالے کرتے وقت ان کا معائنہ کیوں نہیں کیا تھا؟"

میں نے کہا۔

"معائنہ تو میرے سامنے کیا تھا میڈم نے۔"

"بلانشے اٹھ کر چھوٹے سے کمرے میں ادھر ادھر ٹہلنے لگی۔ پھر رک کر میری طرف دیکھا۔ کہنے لگی۔

"جیکی! میرے دل میں کچھ شبے ابھر رہے ہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

میں اپنا خیال اس پر ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے کہا۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ تم لوگ مجھ سے زیادہ تجربہ کار ہو۔ اس کام کے اسرار و رموز کو مجھ سے بہتر سمجھتے ہو۔"

بلانشے کھڑکی کے پاس کھڑی باہر برآمدے کی دیوار کی دوسری جانب سڑک پر سے گزرتی گاڑیوں کو دیکھنے لگی۔ پھر پلٹ کر بولی۔

"خیر کوئی بات نہیں۔ خدا نے ہمیں بچالیا ہے۔ اگر کسٹم والے کیمرہ کھول کر دیکھ لیتے تو اس وقت میں ایف بی آئی والوں کی حوالات میں بند ہوتی۔ چلو نیویارک کی سیر کرتے ہیں۔"

ہم نے منہ ہاتھ دھویا۔ ہمارا لباس ٹورسٹوں والا ہی تھا۔ صرف کیمرے ہمارے پاس نہیں تھے۔ کمرہ لاک کر کے ہم نے باہر آکر ٹیکسی لی اور نیویارک کی سیر کو چل دیئے۔ دوپہر کو موٹل میں واپس آکر کھانا کھایا اور اپنے اپنے کمرے میں جاکر سوئے۔ جہاز کے لمبے سفر نے ہمیں کافی تھکا دیا تھا۔ شام تک سوئے رہے۔ پہلے بلانشے کی آنکھ کھلی۔ اس نے آکر مجھے جگایا۔

"شام ہوگئی ہے جیکی۔ اٹھو۔ کارنےگی کے ہاں بھی چلنا ہے۔"

جس وقت ہم کارنےگی کے دیئے ہوئے ایڈریس پر اس کے دفتر پہنچے تو شام ہو چکی تھی۔ کارنےگی ہمارے انتظار میں دفتر ہی میں بیٹھا تھا۔ اسکاسٹاک ایکسچینج کا کاروبار تھا جس کو میں بالکل نہ سمجھ سکا۔ دو کمروں پر مشتمل دفتر تھا۔ درمیان میں پارٹیشن تھی۔ کارنےگی ہمیں دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"میرا خیال ہے ہمیں باہر کسی جگہ چل کر کافی پی لینی چاہیے۔" بلانشے نے کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی۔"

کارنےگی نے ہمیں اپنی چمکیلی قیمتی کار میں بٹھایا اور نیویارک کی مصروف ترین سڑکوں سے ہوتا ہوا ایک ریستوران کے پارک میں گاڑی کھڑی کر دی۔ یہ ریستوران بھی تھا اور بار بھی تھی۔ یعنی یہاں کافی اور سنیکس کے ساتھ ساتھ بیئر اور وائن بھی ملتی تھی۔ کونے والی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کارنےگی نے ہم سے پوچھا کہ ہم کیا پیئیں گے۔ بلانشے نے کہا۔

"میں کافی پیوں گی۔"

میں نے بھی کافی کی خواہش ظاہر کی۔ کارنیگی نے ویٹر کو دو کافی اور ایک بیئر کا آرڈر دیا اور سگار سلگانے کے بعد ہماری طرف متوجہ ہو کر دھیمی آواز میں بولا۔

"تم لوگوں کو کسٹم پر کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی۔ ویسا ہمارا آدمی تمہیں دیکھ رہا تھا۔ اس نے مجھے وہیں فون کر دیا تھا کہ مال کلیئر ہو گیا ہے۔"

بلانشے کہنے لگی۔

"میرا کیمرہ کھول کر نہیں دیکھا گیا۔ اگر کھولا جائے تو میرے پکڑے جانے کا خطرہ تھا۔ کیونکہ میرے کیمرے میں ہیروئن بڑی بے احتیاطی سے لگائی گئی تھی۔"

میرا خیال تھا کہ مسٹر کارنیگی شاید مجھے کہے کہ تمہارے کیمرے میں کچھ بھی نہیں تھا۔ تم یہ کیمرہ کس لئے لے آئے تھے۔ مگر اس نے ایسی کوئی بات نہ کی تھی۔ بلکہ الٹا کہنے لگا۔

"ہاں مس بلانشے تمہارے کیمرے میں مال ٹھیک طرح سے نہیں لگایا تھا۔ اس بار پیرس میں کسی جگہ کسی نے بے احتیاطی سے کام لیا ہے۔ ہم اس کی پوری تحقیقات کریں گے۔ لیکن مسٹر جیکی کے کیمرے میں مال بڑے صحیح انداز میں اور بڑی مہارت سے لگایا تھا۔"

میں مسٹر کارنیگی کو تکنے لگا۔ اس سے یہ ثابت ہو گیا تھا کہ بلانشے کو جال میں پھنسانے کی سازش میں مسٹر کارنیگی بھی میڈم سلویا کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ کیونکہ خود میڈم سلویا نے مجھے میرا کیمرہ دکھاتے ہوئے کہا تھا۔

"جیکی تمہاری کیمرے میں مال نہیں لگایا گیا، تم صاف ہو۔"

اسکا مطلب تھا کہ بلانشے چاروں طرف سے مافیا کے جرائم پیشہ لوگوں میں گھر چکی تھی اور وہ کسی بھی وقت نیویارک یا یورپ کے کسی بھی ملک کی پولیس کے ہتھے چڑھ سکتی تھی۔ اس معاملے میں میڈم سلویا کو کوئی ضرورت نہیں تھی کہ وہ بلانشے کو اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے قتل کروائے۔ صرف ایک تولہ ہیروئن بلانشے کے قبضے سے نکل آنے پر وہ پندرہ بیس سال کے لئے جیل میں بند ہو سکی تھی۔ بلانشے کے ساتھ ساتھ اب مجھے بھی اپنی فکر پڑ گئی کہ کہیں یہ خطرناک عورت میڈم سلویا مجھے بھی راستے سے ہٹانے کے لئے ایسی حرکت نہ کر بیٹھے۔ اس سے کچھ بھی بعید نہیں تھا۔ وہ دولت اور ہوس کے دیوتا کی پجارن تھی۔ اسکا انسانی رشتوں اور ضابطوں سے دور کا بھی تعلق نہیں رہا تھا۔ میں مسلسل اس الجھن میں مبتلا تھا کہ جو بھیانک خطرہ بلانشے کے سر پر منڈلا رہا ہے اس سے بلانشے کو آگاہ کروں یا نہ کروں۔ آگاہ کرنے کی صورت میں بلانشے تو بچ جاتی تھی لیکن میری خیر نہیں تھی۔ بلانشے اس ملک کی رہنے والی تھی۔ اس کے یورپ اور دوسرے شہروں میں بھی تعلقات تھے۔ وہ اپنی جان بچانے کے لئے کہیں بھی جا سکتی تھی جبکہ میں لندن اپنے دوست کے پاس بھاگ جانے کے سوائے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا اور میڈم سلویا کا ڈرگ مافیا مجھے لندن میں بھی بڑی آسانی سے ہلاک کر سکتا تھا۔ میرے سامنے ایک ہی راستہ تھا کہ بلانشے کو میڈم سلویا کی سازش سے خبردار کر کے خود دوسری فلائیٹ پر پاکستان چلا جاؤں اور یہ میں نہیں کرنا چاہتا تھا۔ پیرس کا گلیمر اور رنگینیاں اور دولتمند بننے کا لالچ مجھ پر بھوت بن کر سوار ہو چکا تھا۔ میرا ضمیر اگر ایک بار مجھے کہتا کہ بلانشے نے مصیبت کے وقت تمہاری مدد کی تھی تمہیں بھی اس کی مدد کرنی چاہیے۔ اسے تباہ ہونے سے بچا

لو، تو میرے اندر کا شیطان مجھے ایک ہزار بار کہتا کہ تم دوسروں کی مصیبت میں کیوں پڑتے ہو۔ بلانشے تمہاری کوئی ماسی نہیں لگتی۔ وہ ایک جرائم پیشہ عورت ہے اور جرائم پیشہ عورتوں کے ساتھ ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ اگر بلانشے کا بس چلتا تو وہ میڈم سلویا کو راستے سے ہٹانے کی ضرور سازش کرتی اور اسے ہلاک کرنے سے بھی گریز نہ کرتی۔

مسٹر کارنے گی نے ہمیں چند ایک ضروری ہدایات دیں۔ جن میں یہ ہدایت بھی شامل تھی کہ ہمیں رات کے وقت ہارلیم کے علاقے میں نہیں جانا ہو گا۔ اور یہ کہ صرف تین دن نیویارک میں قیام کریں گے اس کے بعد واپس پیرس روانہ ہو جائیں گے۔ بلانشے نیویارک میں زیادہ دن ٹھہرنا چاہتی تھی۔ مسٹر کارنے گی نے کہا۔

"سوری میڈم! تم دونوں کی واپسی کی سیٹیں بک کروائی جا چکی ہیں۔ اب تمہیں مجھ سے ملنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

بلانشے سے رہا نہ گیا۔ اس نے دبی زبان میں اپنی اور میری کمیشن کے بارے میں پوچھا تو مسٹر کارنے گی نے کہا۔

"تمہاری کمیشن میڈم سلویا کے اکاؤنٹ میں پیرس کے بینک میں جمع کروا دی گئی ہے۔ وہاں پہنچتے ہی تمہیں تمہاری کمیشن مل جائے گی۔"

مسٹر کارنے گی ہمیں ہمارے ہوٹل میں چھوڑ کر چلا گیا۔ بلانشے کچھ بے چین اور پریشان لگ رہی تھی۔ شاید اس نے آنے والے کسی خطرے کی بو سونگھ لی تھی۔ لیکن اس نے اپنے اندرونی خلفشار کو مجھ پر ظاہر نہ کیا۔ ہم نے تین دن نیویارک کی خوب سیر کی۔ چوتھے روز ہم واپس پیرس روانہ ہو گئے۔ پیرس ہم منہ اندھیرے پہنچے۔ سیدھے اپنے اپارٹمنٹ میں آئے اور شام

تک سوئے رہے۔ سو کر اٹھے تو میڈم سلویا کا فون آ گیا۔ اس نے کہا کہ میرے پاس پہنچو۔ ہم تیار ہو کر اس کے بنگلے پر پہنچ گئے۔

میں نے میڈم کے چہرے پر کچھ اس قسم کے تاثرات دیکھے جیسے اسے کوئی نقصان اٹھانا پڑا ہو۔ اس کو جو نقصان اٹھانا پڑا تھا وہ مجھے معلوم تھا۔ اس نے بلانشے کو نیویارک جیل میں پہنچانے کا پورا پورا بندوبست کیا تھا مگر اپنی خوش قسمتی کی وجہ سے بلانشے بچ گئی تھی۔ بلانشے نے سرسری طور پر میڈم سے کہا۔

"میڈم! اس بار مال کیمرے میں ٹھیک طور پر نہیں لگایا گیا تھا۔ کسی جگہ کسی نے بے احتیاطی سے کام لیا ہے۔"

میڈم سلویا نے بلانشے کی طرف گہری نظر سے دیکھا اور کہا۔

"ایسا کبھی نہیں ہوا۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہمارے آدمی اس کام میں بڑا تجربہ رکھتے ہیں۔

پھر اس نے دراز میں سے دو لفافے نکال کر ہمیں دیئے اور کہا۔

"ان میں تم لوگوں کی کمیشن امریکی ڈالروں کی شکل میں موجود ہے۔"

پھر اس نے بلانشے سے کہا۔

"بلانشے تم اسی وقت نمبر ۴ سے جا کر مل لو۔ وہ تمہیں اگلے پروگرام کے بارے میں بریف کرے گا۔ جیکی کو میرے پاس کچھ دیر ٹھہرنا ہے۔"

بلانشے اسی وقت اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ٹھیک ہے میڈم۔ تھینک یو۔"

جب بلانشے کمرے سے نکل گئی تو میڈم سلویا نے میری طرف اپنی سرد بھوری آنکھوں سے گھور کر دیکھا اور پوچھا۔

"نیویارک ایئر پورٹ پر کیا ہوا تھا؟"

"کسٹم والوں نے ہماری زیادہ چیکنگ نہیں کی تھی۔ ایک تو وہاں رش بہت تھا۔ دوسرے جہاں تک میرا خیال ہے انہوں نے سیاح سمجھ کر ہم پر زیادہ توجہ نہیں دی۔"

میڈم سلویا کا چہرہ پتھر کی طرح بغیر کسی تاثر کے تھا۔ ظاہر ہے اسے اس بات کا افسوس تھا کہ بلانشے پکڑی نہیں گئی تھی جبکہ میڈم نے اس کی گرفتاری کا پورا بندوبست کیا ہوا تھا۔ اس کے بعد میڈم نے اس موضوع پر کوئی بات نہ کی۔ کہنے لگی۔

"کل سے تم بلانشے کے اپارٹمنٹ میں نہیں رہو گے۔ میں نے پوانتے نوف کے علاقے میں ایک جگہ تمہارے لئے سنگل بیڈ فلیٹ کا انتظام کر دیا ہے۔ تم کل صبح وہاں چلے جانا۔"

پھر اس نے مجھے بلڈنگ اور کمرے کا نمبر بھی بتا دیا۔

"بلڈنگ کے رینٹل آفس میں تمہارے نام کی بکنگ کرلی گئی ہے۔ تمہیں وہاں کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔ جاؤ گے اور تمہیں تمہارے اپارٹمنٹ کی چابی مل جائے گی۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

میں اٹھنے لگا تو میڈم نے کہا۔

"میری دوسری گاڑی باہر کھڑی ہے۔ ڈرائیور تمہیں بلانشے کے اپارٹمنٹ تک پہنچا دے گا۔ اور ہاں، کل صبح تم اپنے نئے اپارٹمنٹ میں شفٹ ہو جاؤ گے۔"

اس نے ایک بار پھر مجھے پوانتے نوف والی بلڈنگ کا نام اور نمبر بتایا اور مجھ سے ہاتھ ملا کر دوسرے کمرے کی طرف چلی گئی۔ میں گہری سوچ میں ڈوبا آہستہ آہستہ چلتا بنگلے کے پورچ میں آیا تو میڈم کی دوسری گاڑی باہر کھڑی تھی۔

جب میں بلانشے کے اپارٹمنٹ میں آیا تو وہاں تالا لگا ہوا تھا۔ اپنی چابی سے تالا کھول کر کمرے میں آ کر میں پلنگ پر نیم دراز ہو گیا اور سوچنے لگا کہ میڈم سلویا اب کونسی چال چل رہی ہے۔ اس کی سیاست اور شطرنج ایسی چالیں میری سمجھ سے باہر تھیں۔ بہرحال مجھے محسوس ہونے لگا تھا کہ بلانشے کی طرح میں بھی اس کے بچھائے ہوئے جال میں الجھتا جا رہا تھا۔ مگر میرا اس جال سے نکلنے کو جی بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ میں پیرس کی رنگا رنگ زندگی اور اعلیٰ ترین سوسائٹی کو خیرباد نہیں کہنا چاہتا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں میڈم سلویا کے ساتھ چلوں گا۔ اس کے کہنے پر عمل کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ دولت کماؤں گا اور پیرس کی اعلیٰ سوسائٹی تک رسائی حاصل کر لوں گا۔ بلانشے سے آخر میرا کیا رشتہ ہے۔ وہ تو اس سمندر کی پرانی اور تجربہ کار مچھلی ہے اور اپنا بچاؤ کر سکتی ہے۔

رات کے دس بجے کے قریب بلانشے واپس آئی۔ کہنے لگی۔

”نمبر چار نے نئے پروگرام کی تفصیلات سمجھاتے ہوئے دیر کر دی۔ تم نے کچھ کھایا ہے کہ نہیں؟“

اس کے ہاتھ میں لفافہ تھا۔ کہنے لگی۔

”یہ لو۔ میں تمہارے لئے کچھ برگر اور پھل لائی ہوں۔ میں نے تو نمبر چار کے ساتھ ہی ڈنر کر لیا تھا۔“

وہ گنگناتی ہوئی غسل خانے میں چلی گئی۔

میں نے لفافے میں سے برگر اور پھل وغیرہ نکال کر پلیٹ میں رکھا اور کھانے لگا۔ بلانشے غسل خانے میں شاور کے نیچے نہارہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ کوئی گیت بھی گا رہی تھی۔ شاور بند ہو گیا۔ بلانشے نے غسل خانے سے مجھے آواز دی۔

"جیکی! سنگار میز پر میرا تولیہ پڑا ہے۔ وہ مجھے پکڑا دو پلیز۔"

میں نے اٹھ کر تولیہ سنگار میز سے اٹھایا اور غسل خانے کے دروازے پر دستک دے کر کہا۔

"یہ لو اپنا تولیہ۔"

بلانشے نے دروازہ ذرا سا کھول کر ہاتھ بڑھایا۔ تولیہ پکڑ کر مصنوعی غصے میں کہا۔

"تمہیں شرم نہیں آتی۔ میری طرف کیا دیکھ رہے ہو؟"

اور پھر جلدی سے دروازہ بند کر لیا۔

"میں کھانا کھا چکا تھا۔ سگریٹ سلگا کر صوفے پر آکر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ بلانشے کو کس طرح بتاؤں کہ میں میڈم کے حکم پر کل اس کے اپارٹمنٹ کو چھوڑ رہا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ بلانشے کے ساتھ اس اپارٹمنٹ میں رہتے ہوئے مجھے بلانشے سے کافی انس ہو گیا تھا۔ میں اسے محبت نہیں کہوں گا کیونکہ یورپ میں خاص طور پر لندن اور پیرس میں محبت کرنے والے کو بے وقوف اور احمق سمجھا جاتا ہے۔ میں اسے اپنا بڑا اچھا دوست سمجھنے لگا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ بلانشے میں دوستی نبھانے کی بڑی خوبیاں تھیں۔ جب اسے پتہ چلے گا کہ میں اس کو چھوڑ کر جا رہا ہوں تو

اسے یقیناً دکھ ہو گا۔ دکھ تو مجھے بھی تھا لیکن میری خود غرضی آڑے آ رہی تھی اور مجھے زیادہ افسوس نہیں ہو رہا تھا۔ بلانشے غسل خانے سے باہر آ کر سیدھی سنگار میز والے کمرے میں گھس گئی۔

وہ کوئی گیت بھی گنگنا رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ مجھ سے ادھر ادھر کی باتیں بھی کرتی جا رہی تھی۔ کہنے لگی۔

"صبح تم بھی اپنی رقم اپنے بینک میں جمع کروا دینا۔ اس بار میڈم نے کم رقم دی ہے۔ مگر پھر بھی پندرہ پندرہ ہزار ڈالر ہمارے لئے کافی ہیں۔ میرا خیال ہے اگلے پھیرے میں ہمیں اس سے دوگنی رقم ملے گی۔ نمبر چار نے مجھے جو بریفنگ دی ہے اس کے مطابق ہمارا اگلا پھیرا بڑا اہم ہو گا۔"

اس دوران میں شب خوابی کا لباس پہن کر بستر میں گھس چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بلانشے بھی اپنے بالوں کو پیچھے باندھتے ہوئے سلیپنگ گاؤن پہنے خوشبوؤں میں بسی پلنگ پر آ کر بیٹھ گئی۔ کہنے لگی۔

"پہلے ایک سگریٹ پیوں گی۔"

اس نے سگریٹ سلگایا اور بڑے مزے سے سگریٹ پیتے ہوئے کوئی فرنچ گیت گنگنانا شروع کر دیا۔ اسے اتنے اچھے موڈ میں دیکھ کر میں نے سوچا کہ اسے کچھ نہ بتاؤں۔ کل اس کی عدم موجودگی میں اپارٹمنٹ سے چلا جاؤں گا۔ میرا کونسا سامان ہے۔ پھر اسے فون پر بتا دوں گا کہ اس طرح میڈم کے کہنے پر جگہ بدلنی پڑ گئی ہے۔ پھر سوچا کہ نہیں' بلانشے کو دوہرا صدمہ ہو گا۔ ایک تو یہ کہ میں اس کے اپارٹمنٹ سے چلا گیا' دوسرے یہ کہ میں اسے بتائے بغیر ہی چلا گیا۔

سگریٹ ختم کر کے بلانشے بستر میں لیٹ گئی۔

"پیرس کی راتیں ٹھنڈی ہونا شروع ہو گئی ہیں۔ اگلے مہینے سردیوں کی آمد والی خزاں کی بارشیں شروع ہو جائیں گی۔"

میں ہوں ہاں میں جواب دے رہا تھا۔ بلانشے نے محسوس کیا کہ میں کسی خیال میں گم ہوں۔ اس نے میری طرف منہ کر کے پوچھا۔

"جیکی! کیا بات ہے؟"

میں نے کہا۔

"کچھ نہیں"

وہ بولی۔

"کوئی بات ضرور ہے۔ مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ۔ جو بات ہے صاف صاف کہو۔ میں تمہاری دوست ہوں۔ دشمن نہیں۔"

تب میں نے ساری بات بیان کر دی۔ بلانشے لیٹی لیٹی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"جیکی! میں تمہارے ذاتی معاملات میں دخل نہیں دینا چاہتی۔ لیکن تمہیں ایک مشورہ ضرور دوں گی۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ ہمارے گرد کوئی جال سا پھیلایا جا رہا ہے۔ کیا تمہیں محسوس نہیں ہوتا۔"

میں نے انجان بن کر نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو ایسا محسوس نہیں ہوتا۔"

بلانشے چپ سی ہو گئی۔ پھر بولی۔

"تم محسوس کر بھی نہیں سکتے۔ جیکی! میں تمہیں نئے اپارٹمنٹ میں جانے سے بالکل نہیں روکوں گی۔ لیکن ایک بات تمہاری دوست کی حیثیت سے ضرور کہوں گی کہ میڈم سلویا سے خبردار رہنا۔ وہ کوئی گہری چال

چل رہی ہے۔ تم میرے دوست ہی نہیں بلکہ ایک سیدھے سادھے احمق آدمی ہو۔ تمہیں کوئی نقصان پہنچاتو مجھے افسوس ہو گا۔"

کسی نے بالکل ٹھیک کہا ہے کہ جب انسان پر قدرت کی طرف سے کوئی عذاب نازل ہونے والا ہوتا ہے تو اس کی عقل ماری جاتی ہے۔ قدرت بار بار اسے اشاروں سے روکتی ہے مگر آدمی اپنی سرکشی کی دھن میں تباہی کے راستے پر بڑھتا چلا جاتا ہے اور قدرت کی کسی وارننگ کی پرواہ نہیں کرتا۔ میری بھی اس وقت عقل ماری گئی تھی۔ بجائے اس کے کہ میں بلانشے کی باتوں پر غور کرتا میں نے یہ سمجھا کہ بلانشے میری ترقی نہیں دیکھنا چاہتی۔ وہ نہیں چاہتی کہ میں اس دھندے میں ترقی کی منزلیں طے کروں۔ یہ اسکی کاروباری رقابت ہے۔ میں نے بلانشے سے کہا۔

"تم فکر نہ کرو بلانشے۔ میں اتنا بھی بیوقوف نہیں کہ میڈم سلویا کے بچھائے ہوئے کسی جال میں پھنس جاؤں۔ میں نے کافی تجربہ حاصل کر لیا ہے اور میں میڈم کی چالوں سے بھی واقف ہو گیا ہوں۔ اگر ایسی ویسی کوئی بات ہوئی تو میں تمہارے اپارٹمنٹ میں واپس آجاؤں گا۔"

بلانشے نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم کیوں آؤ گے؟ تمہیں تو وہاں وہ سب کچھ ملے گا جو میں تمہیں نہ دے سکی۔ دولت، محبت، شہرت، سوسائٹی میں اونچا مقام۔۔۔"

اور بلانشے نے منہ دوسری طرف کر لیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ رو رہی ہے۔ میں نے جلدی سے اس کا چہرہ اپنی طرف کیا اور اس کے بعد میں نے جھوٹ بولنا شروع کر دیا۔

"یقین کرو بلانشے میں تمہارا اپارٹمنٹ چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا۔ مجھے دولت، شہرت، سوسائٹی میں اونچا مقام حاصل کرنے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔ خدا جانے کیا ہو گیا ہے مجھے کہ میں میڈم سلویا کی بات رد نہیں کر سکا۔ میں اسے یہ نہیں کہہ سکا کہ میں بلانشے کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔"

بلانشے آنسو پونچھ کر بولی۔

"نہیں نہیں جیکی تم ضرور جاؤ۔ تمہیں اپنا مستقبل بنانے کا سنہری موقع مل رہا ہے۔ میں تمہارے راستے میں رکاوٹ نہیں بنوں گی اور پھر مجھے کیا حق حاصل ہے کہ میں تمہیں روکوں؟ آخر میرا تمہارا رشتہ ہی کیا ہے؟ یہی ناں کہ تم مجھے پارک میں ملے۔ تم مجھے اچھے لگے اور میں تمہیں اپنے پاس لے آئی۔ یہ کوئی رشتہ نہیں ہے۔ ایسے رشتے تو پیرس میں روزانہ بنتے اور ٹوٹتے رہتے ہیں۔"

میں نے بلانشے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"ایسی بات نہیں ہے بلانشے۔ ہم ایشیائی لوگ اس قسم کے رشتوں کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ میں تمہاری بے حد قدر و منزلت کرتا ہوں۔ میرے دل میں تمہارا بڑا احترام ہے۔ میں تمہیں اپنا سب سے مخلص دوست سمجھتا ہوں۔ اگر تمہیں میرا الگ ہونا اچھا نہیں لگتا تو میں نہیں جاتا۔ میں میڈم سے کہہ دوں گا کہ مجھے بلانشے کو چھوڑ کر جانا منظور نہیں۔"

بلانشے آخر عورت تھی۔ عورت خواہ پیرس کی ہو یا ٹمبکٹو کی۔ اس قسم کی باتیں اسے موم بنا دیتی ہیں۔ شاید اس قسم کی باتوں اور خاص کر مرد کی باتوں پر فوراً یقین کر لینا اس کی فطرت میں شامل کر دیا گیا ہے۔

بلانشے پر بھی میری باتوں کا اثر ہوا مگر وہ مجھ سے کھل کر اعتراف محبت کرانا چاہتی تھی۔ اس نے تڑپ کر میری طرف دیکھا اور جھنجلا کر کہا۔

"تم میری قدر نہ کرو۔ تم میرا احترام نہ کرو۔ مجھے قدر اور احترام کرنے والے آدمیوں سے سخت نفرت ہے۔"

میں نے ایک بار پھر جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔

"تو پھر میں تمہیں اپنے دل کی بات کھول کر بتاتا ہوں۔ بلانشے میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ جس طرح چاند سمندر کی لہروں سے اور سمندر کی لہریں چاند سے محبت کرتیں ہیں، جس طرح پھول شبنم سے اور صبح کی شبنم پھولوں سے محبت کرتی ہے، میرے دل میں تمہارے واسطے اسی لمحے محبت پیدا ہو گئی تھی جب میں نے پہلی بار تمہیں بنچ پر بیٹھے دیکھا تھا۔"

ہم مشرقی لوگ جب جھوٹ بولنا شروع کرتے ہیں تو پھر ہمارے جھوٹ کا مقابلہ دنیا کا کوئی آدمی نہیں کر سکتا۔ محبت میں جھوٹ بولتے بولتے ہم شاعروں کو بھی پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور ہماری مشرقی ادب و شاعری کی بیک گراؤنڈ ہماری بڑی مدد کرتی ہے۔ میں بھی یہی کر رہا تھا۔ مجھے بلانشے سے اس قسم کی محبت بالکل نہیں تھی کہ میں اس کی جدائی میں آنسو بہاؤں یا اسے محبت بھرے خطوط لکھوں۔ یہ سب کچھ میں اس کی دلجوئی کے لئے کر رہا تھا۔ یہی ہم مشرقی لوگوں کی سب سے بڑی کمزوری ہوتی ہے کہ ہم خود بھی صرف بات نہیں کرتے، ٹال مٹول کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی ٹال مٹول کرنے پر مجبور کر لیتے ہیں۔ جہاں دو ٹوک بات کرنے کی ضرورت ہوتی ہے وہاں ہم معاملے کو شاعرانہ مبالغے میں الجھانا اور دوسرے کو اندھیرے میں ہی بھٹکتا چھوڑ دیتے ہیں۔ میں نے بھی اپنے اسی مشرقی وصف سے کام لیا تھا اور بلانشے کو صرف

یہی کہنے کی بجائے کہ میں تمہیں صرف اپنا دوست سمجھتا ہوں' اس کی دلجوئی کے خیال سے اسے مزید غلط فہمیوں میں ڈال دیا اور اپنی جھوٹی محبت کا اس طرح اظہار کیا کہ وہ جلتی موم کی طرح پگھلنے لگی۔ اس نے میرے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

"جیکی میں تم سے کچھ نہیں چاہتی۔ صرف تمہاری محبت کی طلبگار ہوں۔ جس طرح تم ایشیائی لوگ عورت سے محبت کرتے ہو ہمارے یورپ کے مرد اس سے بالکل محروم ہیں۔ میں کتنی خوش قسمت ہوں کہ مجھے راہ چلتے تمہاری محبت مل گئی ہے۔"

آدمی ایک مقام پر جھوٹ بولتا ہے تو بولتا ہی چلا جاتا ہے۔ میں نے مزید جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔

"بلانشے میں تم سے اسی طرح محبت کرتا رہوں گا۔ تمہیں کبھی اپنے دل سے نہیں بھلاؤں گا۔ ہم مشرقی لوگ جب کسی عورت سے محبت کرتے ہیں تو پھر وقت آنے پر اس کے لئے جان بھی قربان کر دیتے ہیں۔"

بلانشے پر میری بات کا اتنا اثر ہوا کہ وہ میرا ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگا کر بے اختیار رونے لگی۔ مجھے اس وقت اپنے آپ پر ایک ایسے نقلی پیر کا گمان ہوا جس کا مرید سچا ہو۔ بلانشے کہہ رہی تھی۔

"تم بے شک اسی طرح کرو جیسے میڈم سلویا چاہتی ہیں۔ تمہارا مستقبل بہتر ہو رہا ہو گا تو مجھے خوشی ہو گی۔ اور پھر ہم ایک ہی شہر ہوں گے۔ ایک دوسرے کو ملتے رہیں گے۔"

میں نے فوراً اس کی بات کو پکڑ لیا اور کہا۔

"میں بھی تو یہی کہہ رہا تھا کہ ہم ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لئے تو جدا نہیں ہو رہے ہیں۔ میں تو روزانہ تمہیں ملنے آیا کروں گا۔"

بلانشے کہنے لگی۔

"اور تم فکر مت کرنا۔ میں تمہارا ہر طرح سے خیال رکھوں گی اور اگر کوئی خطرے کی بات ہوئی تو تمہیں فوراً اس خطرے سے نکال لوں گی۔"

جس پیرس شہر کو ہم بے وفا' خود غرض اور ہرجائی عورتوں کا شہر بھی کہتے ہیں یہ اسی شہر کی عورت تھی جو میری جھوٹی محبت کے فریب میں آکر اپنا سب کچھ مجھ پر لٹانے کے لئے تیار ہو گئی تھی۔ یقین کریں بلانشے میرے ساتھ سچ بول رہی تھی۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی' دل سے کہہ رہی تھی۔ وہ جرائم پیشہ اور پیرس کی نیم طوائف قسم کی عورت تھی مگر اس کا دل اتنا سچا اور بے داغ ہو گا یہ مجھے بھی معلوم نہیں تھا۔ مجھے اس وقت اپنا آپ اس کے مقابلے میں بڑا چھوٹا اور پست لگنے لگا تھا۔ کیونکہ میں اسے دھوکا دے رہا تھا۔ میں نے اس سے پہلے بھی اس کے ساتھ دشمنوں والا برتاؤ کیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس کے کیمرے میں ہیروئن لگائی گئی ہے اور وہ ایئرپورٹ پر پکڑی جائے گی مگر میں نے اسے بالکل نہیں بتایا تھا اور اسے تباہی کے غار میں گرتے دیکھ کر بھی خاموش رہا تھا۔ یہ تو اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ بچ گئی تھی اور اب بھی میں نے اس سے اس بات کا ذکر نہیں کیا تھا کہ میڈم سلویا اس کی دشمن ہو چکی ہے اور وہ کسی بھی وقت اس کی زندگی برباد کر سکتی ہے۔

رات گزر گئی۔

دوسرے روز میں نے بلانشے کو الوداع کہا اور ٹیکسی میں بیٹھ کر ڈی پوانتے نوف کی طرف روانہ ہو گیا۔ پیرس شہر کے تقریباً سبھی علاقوں سے اب

میں کافی شناسا ہو چکا تھا۔ دریا کا ایک پل عبور کرنے کے بعد ایک طرف عالی شان عمارتوں کے قریب سے ٹیکسی گزرنے لگی۔ ایک جگہ میں نے بلڈنگ کی لابی کی پیشانی پر وہی نمبر لکھا ہوا دیکھا جو میڈم سلویا نے مجھے بتایا تھا۔ میں نے ٹیکسی چھوڑ دی۔

یہ ایک نارمل سائز کی ہائی رائز بلڈنگ تھی، مگر شہر کے اعلیٰ ترین علاقے میں واقع تھی۔ میں لابی سے گزرتا ہوا رینٹل آفس میں آ گیا۔ وہاں ایک خوش لباس اور خوش شکل لڑکی بیٹھی فون پر کسی سے بات کر رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے بڑی شائستگی سے ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اب میں شکستہ فرنچ میں تھوڑی بات کر لیتا تھا۔ میں نے اسے اپنا نام بتایا اور میڈم سلویا کا بھی نام لیا۔ لڑکی نے فوراً کسی جگہ فون کیا اور مجھ سے کہنے لگی۔

"آپ کے اپارٹمنٹ کا نمبر ۳۱۱ ہے۔"

اس کے بعد اس نے مجھ سے دو تین جگہ دستخط کرائے اور اپارٹمنٹ کی چابی نکال کر دی۔ اس نے کہا۔

"اس چابی کو پلیز سنبھال کر رکھیے گا۔ گم ہو جانے کی صورت میں آپ کو ہمارا بلڈنگ مینیجر دوسری چابی مہیا کر دے گا لیکن آپ کو دو سو فرانک ادا کرنے پڑیں گے۔"

وہ بڑی صاف فرانسیسی زبان بول رہی تھی۔ میں ٹوٹی پھوٹی زبان میں بات کر رہا تھا۔ مگر ذرا نہیں شرما رہا تھا۔ بلانشے نے یہ نقطہ مجھے سمجھاتے ہوئے کہا تھا کہ تم سب سے فرانسیسی میں بات کیا کرو۔ زبان اسی طرح آتی ہے۔ اگر انگریزی میں ہی بات کرو گے تو فرانسیسی زبان تمہیں کبھی نہیں آئے گی۔ لڑکی میری شکستہ فرانسیسی پر کسی وقت زیرِ لب مسکرا بھی دیتی تھی۔ چابی لفافے میں

ڈال کر میرے حوالے کرتے ہوئے اس نے مجھے میرے اپارٹمنٹ کی چیزوں کے بارے میں بتایا کہ اپارٹمنٹ چھوڑنے کے بعد اگر ان چیزوں میں سے کوئی چیز ٹوٹی ہوئی ملے گی تو آپ کو اس کا معاوضہ بھی ادا کرنا پڑے گا۔ یہاں آ کر مجھے معلوم ہوا کہ اس بلڈنگ میں سجے سجائے اپارٹمنٹ کرائے پر ملتے ہیں۔ اور بجلی' پانی' گیس' ایئر کنڈیشننگ اور چیزوں کی مرمت وغیرہ سب کرائے ہی میں شامل تھا۔

میں چابی لے کر لفٹ کے ذریعے تیسری منزل پر اتر گیا۔ میرا اپارٹمنٹ تیسری منزل پر تھا۔ کیونکہ میرے کمرے کا نمبر تین سے شروع ہوتا تھا اور یہ منزل کا ہندسہ ہوتا ہے۔ رینٹل آفس کا ایک آدمی میرے ساتھ تھا۔ اس نے چابی سے میرا اپارٹمنٹ کھول کر مجھے دکھایا اور مجھ سے ایک کاپی پر دستخط لے کر چلا گیا۔ اپارٹمنٹ واقعی بے حد خوبصورت اور قیمتی فرنیچر' گلدانوں اور ٹیبل لیمپوں سے سجا ہوا تھا۔ بیڈ روم میں بھی بستر پر صاف چادریں اور پتلا سا کمبل تہہ کر کے رکھا ہوا تھا۔ میرے پاس صرف ایک اٹیچی کیس تھا جس میں میرے پہننے کے کپڑے وغیرہ تھے۔ میں نے تولیہ' صابن اور شیو وغیرہ کا سامان نکال کر باتھ روم میں رکھ دیا۔ اس کے بعد اپارٹمنٹ لاک کر کے قریبی گروسری سٹور میں سے کھانے پینے کی چیزیں خرید لے آیا۔ انہیں کچن کی الماریوں اور ریفریجریٹر میں لگا دیا۔ چینی کی پلیٹیں' کافی کے مگ' گلاس' کیتلی اور کچن ویئر کی دوسری چیزیں بھی خرید لایا۔ میں نے دوپہر تک اپارٹمنٹ میں ضرورت کی ہر چیز لا کر رکھ دی تھی۔ کھانا وغیرہ پکانا میرے لئے کوئی مشکل نہیں تھا۔ ویسے بھی وہاں ہر شے پکی پکائی باہر سے مل جاتی تھی۔ گھر میں لا کر صرف گرم کرنے کی ضرورت ہوتی تھی۔

دوپہر کے وقت میڈم سلویا کا فون آ گیا۔

"نیا اپارٹمنٹ مبارک ہو۔"

میں نے اسکا شکریہ ادا کیا تو وہ کہنے لگی۔

"میں رات دس بجے تمہارا اپارٹمنٹ دیکھنے آؤں گی۔ تم گھر پر ہی رہنا۔"

میں نے کہا۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گا میڈم۔"

جب میں نے تکلفاً یا محض بات کرنے کے لئے اس کے آگے بلانشے کا ذکر کیا کہ وہ میرے اچانک اس طرح چلے آنے سے کچھ اداس سی ہو گئی تھی تو میڈم سلویا نے سختی سے کہا۔

"میرے آگے اس کا کبھی نام بھی نہ لینا۔ اب تم بھی اسے بھول جاؤ۔ اب تمہارا براہ راست مجھ سے معاملہ ہو گا۔"

اور اس نے ایکدم فون بند کر دیا۔

میں کچھ شرمسار سا ہو گیا۔ میں نے کندھے سکیڑ کر اپنے آپ سے کہا۔

"مجھے کیا ضرورت پڑی ہے تمہارے آگے بلانشے کا نام لینے کی۔ اب تو میرا تم سے معاملہ ہے میڈم تم۔۔۔ براہ راست معاملہ۔"

اور میں نے اٹھ کر ریفریجریٹر میں سے ٹھنڈی بیئر کاٹن نکالا اور اسے کھول کر ٹی وی کے ایک چینل پر رقص کا پروگرام دیکھنے لگا۔ دوپہر کو میں چکن روسٹ کر کے افغانی نان کے ساتھ کھایا جو مجھے گروسری سٹور سے مل گیا تھا۔ یہ نان نیویارک سے پیرس آتے تھے۔ اس کے بعد میں سو گیا۔ خوب

سویا۔ آنکھ کھلی تو رات کے نو بج رہے تھے۔ ٹی وی کا موسیقی چینل اون کر کے میں غسل خانے میں گھس گیا۔ نہانے کے بعد کپڑے بدل کر کافی بنائی اور اپارٹمنٹ کی گیلری میں کرسی پر بیٹھ کر کافی پینے اور اپارٹمنٹ کے سامنے سے گزرنے والی گاڑیوں کا نظارہ کرنے لگا۔ سڑک پر دونوں جانب مرکری بلب روشن تھے۔ سامنے سڑک کے دوسری جانب پارک میں بھی روشنی ہو رہی تھی۔ ہوا میں خنکی تھی۔ بلانشے نے ٹھیک کہا تھا۔ پیرس میں موسم سرما کی آمد آمد تھی۔ اس نے کہا تھا۔

"اب پیرس میں سردیوں کی آمد کی بارشیں شروع ہو جائیں گی۔"

مجھے اب میڈم سلویا کا انتظار تھا۔ اس نے دس بجے کا وقت دیا تھا۔ سڑک پر سے کوئی قیمتی سیاہ رنگ کی لیموزین اپارٹمنٹ بلڈنگ کی لابی کی طرف گھومتی تو میں اسے غور سے دیکھتا۔ دس بجنے میں دو منٹ باقی تھے کہ مجھے میڈم سلویا کی سیاہ لیموزین اپارٹمنٹ بلڈنگ کی لابی کی طرف گھوم کر آتی دکھائی دی۔ تیسری منزل کی گیلری سے مجھے اس کا نمبر بھی نظر آ گیا تھا۔ میں گیلری کا شیشے کا پٹ بند کر کے ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گیا۔ ڈرائنگ روم کے شیشے کی دیوار پر بھی بادامی رنگ کے پردے گرے ہوئے تھے۔ فضا میں ہلکی ایئر کنڈیشننگ کی خوشگوار خنکی رچی ہوئی تھی۔ میں نے جو پرفیوم لگایا ہوا تھا فضا میں اسکی خوشبو بھی تھی۔

کمرے کی گھنٹی بجی۔ میں نے دروازہ کھولا تو سامنے میڈیم سلویا کھڑی تھی۔ اس نے پیرس کی امیر کبیر فیشن عورتوں کی طرح شام کا لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے آتے ہی کمرے کی فضا میں انتہائی قیمتی پرفیوم کی خوشبو پھیلنے لگی۔

اس نے کھڑے کھڑے کمرے کے سازوسامان پر نگاہ ڈالی۔ اپنا ریشمی سکارف گلے سے اتار کر صوفے پر ڈالا اور کچن میں آ گئی۔ میں اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ کیا تمہیں اپنا اپارٹمنٹ اچھا لگا جیکی؟"

میں نے میڈم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

"بہت اچھا ہے میڈم۔"

میڈم نے پلٹ کر اپنی مقناطیسی کشش والی بھوری آنکھوں سے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"آئندہ میرا شکریہ ادا نہ کرنا۔ تم مجھے اچھے لگے ہو۔ اس لئے میں نے یہ سب کچھ کیا ہے۔ اگر تم مجھے اچھے نہ لگتے تو تم میرے گھر میں قدم بھی نہ رکھ سکتے تھے۔"

وہ صوفے پر دونوں بازو کھول کر بیٹھ گئی۔ میں نے کوکا کولا کا ٹین فریج میں سے نکالا تو اس نے کہا۔

"میرا دل بیئر پینے کو چاہ رہا ہے۔"

میں نے بیئر کا ایک ٹین اپنے لئے اور ایک ٹین اس کے لئے کھولا اور اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا۔

"میڈم آپ نے مجھے مال کی سپلائی لے جائے بغیر جو کمیشن دلوایا ہے' اس کے لئے میں کس طرح آپ کا شکریہ ادا کروں؟"

میڈم سلویا سگریٹ سلگا رہی تھی۔ اس نے لائیٹر کا شعلہ بجھاتے ہوئے کہا۔

"تم شکریہ اس طرح ادا کرو گے کہ اس بار ڈبل سپلائی لے کر جاؤ گے۔ یہ سپلائی کوکین کی ہو گی۔"

وہ اپنے گلاس میں ٹن کی بیئر انڈیل رہی تھی۔ میں نے پوچھا۔

"کیا اس بار بھی نیویارک کا پھیرا لگانا ہو گا؟"

"نہیں۔" اس نے گلاس اپنے سرخ ہونٹوں کے قریب لاتے ہوئے کہا۔

"اس بار تمہیں ہالینڈ کا چکر لگانا ہو گا۔"

میں نے پوچھا۔

"کیا بلانشے بھی میرے ساتھ ہو گی؟"

میڈم نے برا سامنہ بنا کر کہا۔

"اس کو تم چھوڑ دو۔ تم اسکی کیوں فکر کرتے ہو؟ میں اسے اس دفعہ جرمنی بھیج رہی ہوں۔"

میں خاموش رہا۔ میڈم مجھے میرے ہالینڈ کے ٹرپ کی تفصیلات سمجھانے لگی۔

"اس بار تم انڈین پاسپورٹ پر ہرے راما ہرے کرشنا فرقے کے ساتھ سادھو بن کر جاؤ گے۔ تمہارے ساتھ ایک عورت بھی ہو گی۔ وہ فرنچ نیشنل ہی گی۔ وہ ڈچ زبان بولتی اور سمجھتی ہے۔ وہ ہرے راما فرقے کی جوگن بنی ہو گی۔ تم ہندو مائیتھالوجی کو ہم سے زیادہ سمجھتے ہو۔ ایئرپورٹ پر تم بڑی خوبی سے ایک سادھو کی اداکاری کر سکو گے اور ہرے راما ہرے کرشنا فرقے کے بارے میں اگر کوئی سوال پوچھا گیا تو گھبراؤ گے نہیں۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟"

"یس میڈم! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میں ہرے راما ہرے کرشنا والوں کے عقیدے کو جانتا ہوں۔ ان کی کوئی بات مجھ سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔"

جب میں نے میڈم سے دریافت کیا کہ سپلائی کا مال کس طریقے سے ہمارے ساتھ بھیجا جائے گا تو میڈم کہنے لگی۔

"تم دونوں نے اپنے جسم کو جس جوگیوں والی گیروے رنگ کی کاٹن کی چادروں سے ڈھانپا ہو گا کوکین ان چادروں کے کناروں کو تھوڑا سا الٹا کر اس کے اندر بھری ہو گی۔ لیکن چادروں کے کنارے اس طرح سلے ہوں گے کہ کسی کو اس پر شک بھی نہیں پڑ سکے گا۔ کسٹم والوں کو دھوکا دینے اور ان کا دھیان دوسری طرف لگانے کے لئے تمہاری گردنوں میں موٹے موٹے دانوں والی مالا پڑی ہو گی اور تمہارے تھیلوں میں موٹے دانوں والی مالا بھی ہو گی۔"

میڈم اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی:۔ "کسٹم والوں کو ان مالاؤں پر شک پڑ سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ انہیں توڑ کر دیکھیں۔ تم لوگ ضرور احتجاج کرنا۔ مگر ان کو مالا توڑنے سے روکنا بالکل نہیں کیونکہ مالاؤں میں کچھ نہیں ہو گا۔ اس طرح تم دونوں ایئرپورٹ پر سے صاف طور سے نکل سکو گے۔۔۔۔ یہ ھہگ کی ایئرپورٹ ہو گی۔ ایئرپورٹ کے باہر تمہیں ہمارا ایک آدمی ملے گا۔ میں تمہیں اس کی تصویر بھی دکھا دوں گی۔ اس کو تمہاری تصویر میں نے بھیج دی ہے۔ پھر بھی تم ایک دوسرے کی پہچان کوڈ ورڈز سے کر سکو گے۔ وہ کوڈ ورڈ بھی میں تمہیں یہاں سے روانہ ہونے سے پہلے بتا دوں گی۔"

میں نے پوچھا۔

""ہمیں اندازاً کتنے دنوں کے بعد اس ٹرپ پر چلنا ہوگا؟۔""

""تین چار دن کے بعد تم تیار رہنا""

میں نے کہا۔

""جو عورت میرے ساتھ جائے گی کیا اس سے پہلے مل لینا ضروری نہیں؟""

میڈم نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔

""اس کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تمہیں ایئر پورٹ پر ہی ملے گی۔ تھوڑی دیر کا تو تمہارا اس کا ساتھ ہو گا۔ وہ ہالینڈ کے شہر ہیگ پہنچنے کے بعد تم سے الگ ہو جائے گی۔""

اس کے بعد میڈم سلو تھوڑی دیر بیٹھی اور پھر چلی گئی۔ رات سوا گیارہ بجے بلانشے کا فون آ گیا۔ کہنے لگی۔

""تم نے تو مجھے فون نہیں کیا۔ تم بڑے بے وفا ہو۔ میں نے تمہارے رینٹل آفس سے تمہارے اپارٹمنٹ کا فون نمبر لیا ہے۔ تم کیا کر رہے ہو؟۔""

میں نے کہا۔

""نئے اپارٹمنٹ کی فضا سے ہم آہنگ ہونے کی کوشش کر رہا ہوں۔""

بلانشے نے ہنستے ہوئے کہا۔

""تم بڑی جلدی یہ مرحلے طے کر لو گے۔ اور کہو میڈم تو نہیں آئی تھی۔ وہ تو ضرور آئی ہو گی۔ تم تو اس کے بڑے چہیتے ہو۔""

میں نے بلانشے کے آگے جھوٹ بولا۔

؟بالکل نہیں۔ وہ بالکل نہیں آئی۔ میں صبح سے اکیلا اپارٹمنٹ کو سیٹ کرنے میں لگا رہا۔"

بلانشے کہنے لگی۔

"میں آجاؤں؟"

میں چاہتا تھا کہ بلانشے میرے پاس آئے۔

"اگر تمہیں کہیں اور نہیں جانا تو آجاؤ۔"

میرے اتنا کہنے پر بلانشے نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا کہ میں آ رہی ہوں۔ بلانشے سے مل کر مجھے ہمیشہ یہ احساس ہوتا تھا کہ جیسے میں اپنے کسی بڑے اچھے دوست سے مل رہا ہوں۔ میں اس سے مخلص نہیں تھا مگر وہ میرے ساتھ بڑی مخلص تھی اور صحیح معنوں میں میری ہمدرد تھی۔ بلانشے کے پاس پہلے جو پرانی گاڑی ہوا کرتی تھی وہ اس نے بیچ دی تھی۔ بیس منٹ کے بعد میں گیلری میں سے ایک چھوٹی گاڑی کو اپارٹمنٹ بلڈنگ کی طرف آتے دیکھا تو میں نے کوئی خیال نہ کیا۔ گاڑی پارکنگ لاٹ میں کھڑی ہوئی اور جب بلانشے گاڑی میں سے نکلی تو معلوم ہوا کہ یہ اس کی گاڑی ہے۔ میں گیلری سے ہٹ کر سٹنگ روم میں آگیا۔ دو منٹ بعد بلانشے اندر داخل ہوئی۔ اندر آتے ہی اس نے فضا میں کچھ سونگھ کر کہا۔

"جیکی! تم نے جھوٹ بولا تھا؟ کم از کم مجھ سے مت جھوٹ بولا کرو۔
"

میں نے تعجب سے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"تمہارا کیا مطلب ہے؟۔"

بلانشے نے پرس صوفے پر اچھالتے ہوئے کہا۔

”میڈم سلویا یہاں آئی تھیں۔ کمرے میں اس کی پرفیوم کی خوشبو پھیلی ہوئی ہے۔“

اب مزید جھوٹ بولنا ٹھیک نہیں تھا۔ میں نے شرمندگی کے ساتھ کہا۔

”میں تمہیں ضرور بتادیتا کہ میڈم آئی تھی۔ مگر بلانشے میری مجبوری تو تم سمجھتی ہو۔ میڈم نے مجھے منع کیا تھا کہ میں اس کے یہاں آنے کے بارے میں کسی کو نہ بتاؤں۔“

بلانشے صوفے پر بیٹھ گئی۔ پرس میں سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر اس نے سگریٹ سلگایا اور کچن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا تمہارے فریج میں بیئر ہے؟۔“

میں نے اسے فریج میں سے بیئر کاٹن نکال کر دیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ میں نے کھانا کھایا تھا؟ میں نے کہا۔

”ہاں۔۔ چکن روسٹ کر لیا تھا۔“

بلانشے نے کہا۔

”اب تمہیں خود کھانا پکانا پڑے گا۔ میرے پاس رہتے تھے تو کم از کم کھانے کا تو آرام تھا۔“

میں نے کہا۔

”ہاں بلانشے۔ تمہارے پاس واقعی مجھے بڑا آرام تھا۔ سب سے بڑھ کر تو آرام یہ تھا کہ تم میرے پاس ہوتی تھیں۔ یہاں تو میں بالکل اکیلا ہو گیا ہوں۔“

بلانشے نے ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد مجھ سے پوچھا۔

"میڈم نے اگلے ٹرپ کے بارے میں کچھ بتایا کہ ہمیں کہاں جانا ہو گا؟۔"

میں نے بلانشے کو کچھ نہ بتایا کہ ہمیں کہاں جانا ہو گا۔ صرف اتنا کہا:

"میڈم نے اسکا کچھ ذکر نہیں کیا۔ وہ تو یہ دیکھنے آئی تھی کہ یہاں مجھے کسی قسم کی کوئی ضرورت تو نہیں ہے۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر چلی گئی۔"

بلانشے نے طنزاً کہا:

"وہ کیوں نہ تمہارا خیال رکھے گی؟ تم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو ناں؟"

میں نے بلانشے کی بات کی نفی کرتے ہوئے کہا:

"نہیں بلانشے نہیں، ایسی بات بالکل نہیں ہے۔ وہ تمہارا بھی اسی طرح خیال رکھتی ہے۔ ہم اس کا کارندے ہیں۔ ہم اس کے گروپ کے ممبر ہیں۔ وہ اگر ہمارا خیال رکھتی ہے تو اس میں محبت وغیرہ کی کوئی بات نہیں ہے۔"

بلانشے بھی گھنٹہ پون گھنٹہ بیٹھ کر چلی گئی۔ اس کے بعد میں نے ساری بتیاں گل کر دیں اور بستر پر لیٹ گیا۔ میں نے بلانشے کے آگے جتنے جھوٹ بولے تھے، وہ سب میرے دماغ میں گھوم پھر کر مجھے تنگ کرنے لگے۔ لیکن انسان بڑی عجیب چیز ہے۔ وہ اپنے ہر جھوٹ کا کوئی نہ کوئی جواز پیدا کر لیتا ہے۔ میں نے بھی ایسا ہی کیا اور پھر کہیں جا کر میرے ضمیر کو تھوڑا سا چین ملا۔ بلکہ وہ دب گیا اور میں بھی سو گیا۔

دوپہر کو میڈم سلویا کا فون آیا کہ میرے پاس پہنچو۔ تم سے کاروبار کے سلسلے میں کچھ ضروری مشورے کرنے ہیں۔ اس نے گاڑی بھیج دی تھی۔ جب گاڑی آئی تو میں اس میں بیٹھ کر میڈم کے بنگلے پر پہنچ گیا۔ میڈم سلویا نے مجھے دیکھتے ہی کہا:

"پرسوں تم اپنے ہالینڈ کے ٹرپ پر روانہ ہو رہے ہو۔ اسی روز دوپہر کو تمہیں تمہارا انڈین پاسپورٹ مل جائے گا۔ اس پر ہالینڈ کا ویزا بھی لگا ہوا ہو گا۔"

پھر میڈم نے اچانک مجھ سے پوچھا:

"رات میرے جانے کے بعد بلانشے تم سے ملنے کس لئے آئی تھی؟"

میں تو اپنی جگہ پر ساکت سا ہو گیا۔ اسکا مطلب تھا کہ میڈم سلویا کا کوئی آدمی باقاعدہ میری جاسوسی کر رہا تھا۔ وہ میری رہائش گاہ کے باہر ہی منڈلاتا پھرتا ہو گا۔ یا ہو سکتا ہے کہ وہاں کا کوئی گارڈ ہی اسکا آدمی ہو۔ میں اسکی تردید نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ میڈم کے آدمی نے بلانشے کو میرے اپارٹمنٹ میں جاتے اور پھر وہاں سے نکلتے بھی دیکھا ہو گا۔ میں نے کہا:

"بس وہ یونہی ملنے کے لئے آ گئی تھی۔ کہہ رہی تھی کہ میں تمہارا نیا اپارٹمنٹ دیکھنے آ گئی ہوں۔ اسے میرا اپارٹمنٹ بہت پسند آیا ہے۔"

میڈم کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ابھر آئے۔

"کوئی بات نہیں۔ پرسوں تم ہیگ کے لئے روانہ ہو گے اور وہ جرمنی کی طرف ہیروئن لے کر جائے گی۔ یہ اسکا آخری پھیرا ہو گا۔"

میڈم نے مجھے گھور کر دیکھا:

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وہ میرے دشمنوں سے مل کر میرے خلاف سازباز کر رہی ہے؟"

دراصل میڈم کو صرف یہ بات بری لگ رہی تھی کہ بلانشے مجھ سے کیوں ملتی ہے۔ ورنہ بلانشے کو میڈم کے دشمنوں سے مل سازش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میڈم سلویا مجھے اپنی جائیداد سمجھنے لگی تھی۔ اسے یہ ہرگز گوارا نہیں تھا کہ مجھ پر اس کے علاوہ کوئی دوسرا بھی اپنا حق جمائے۔ میں نے کہا:

"میڈم! کہیں آپ کو بلانشے کے بارے میں غلط فہمی تو نہیں ہو رہی؟ میرا مطلب ہے ہو سکتا ہے کسی نے آپ کو غلط رپورٹ دی ہو؟"

میڈم نے سخت لہجے میں کہا:

"کسی میں اتنی جرات نہیں کہ مجھے غلط رپورٹ دے۔ بلانشے کے بارے میں میں نے خود تفتیش کی ہے۔ وہ میری دشمن ہے اور میں تمہیں آخری بار خبردار کرتی ہوں۔ تم اس سے تعلقات ختم کر لو۔ نہیں تو تمہیں ان تمام مراعات سے ہاتھ دھونا پڑیں گے جو میں نے تمہیں دے رکھی ہیں۔"

میڈم نے محسوس کیا کہ اسکا لہجہ کچھ زیادہ سخت ہو گیا ہے۔ وہ میرے صوفے پر میرے ساتھ آ کر بیٹھ گئی اور کہنے لگی:

"جیکی! میں تمہیں ترقی کے سب سے بلند مقام پر دیکھنا چاہتی ہوں۔ ہیگ کا پھیرا میں تم سے صرف اس لئے لگوا رہی ہوں کہ تمہیں اس کام کا عملی تجربہ بھی ہو جائے اور تم اس دھندے کے تمام اسرار و رموز سے آگاہ ہو جاؤ۔ اس کے بعد تمہیں خود کہیں ڈرگز (Drugs) لے کر جانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ تم پیرس میں بیٹھ کر حکم چلاؤ گے اور تمہیں باہر سے

تمہارا کمیشن ملتا رہے گا۔ تم پیرس کی ایک معمولی طوائف کے لئے اپنا اتنا شاندار مستقبل کیوں تباہ کرنا چاہتے ہو؟ بولو!"

مجھ پر اس وقت جنس کا ہیجان طاری ہو چکا تھا۔ میں نے میڈم سے کہا:

"میڈم! یقین کرو۔ مجھے بلانشے ذرا اچھی نہیں لگتی۔ وہ میرے پاس آگئی تھی تو میں اسے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ چلی جاؤ۔ آخر ہم نے ایک ساتھ کافی وقت گذارا ہے اور غریبی کے دن کاٹے ہیں۔"

میڈم سلویا بڑی گہری اور عیار عورت تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ میرے گریبان سے نکال لیا اور سامنے والے صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔

"اب ان باتوں کو بھول جاؤ۔ تم ایشیا کے کسی ملک میں نہیں ہو جو اس قسم کے اخلاقی ضابطوں کی پابندی کرو۔ تم یورپ کے سب سے زیادہ خود غرض شہر پیرس میں ہو۔ یہاں دوستیاں نہیں دیکھی جاتیں۔ اپنا مفاد دیکھا جاتا ہے۔ اس کے بعد میں اس موضوع پر تم سے کوئی بات کرنا پسند نہیں کروں گی۔ پرسوں تمہاری شام کی فلائیٹ ہے۔ دوپہر کو تمہارے پاس میری گاڑی پہنچ جائے گی۔ میرے بنگلے سے تمہیں ایک آدمی ایئر پورٹ تک لے جائے گا' اب تم جا سکتے ہو۔"

میڈم ایک بار پھر اپنے خاص سرد اور بے مہر انداز میں بول رہی تھی۔ میں نے اٹھ کر میڈم کو خدا حافظ کہا اور بنگلے کے پورچ میں آگیا جہاں مجھے لے جانے کے لئے گاڑی کھڑی تھی۔

یہ بات مجھے بالکل اچھی نہیں لگی تھی کہ میڈم سلویا کا ایک آدمی اپارٹمنٹ بلڈنگ میں کسی جگہ موجود میری نگرانی کر رہا ہے۔ اگرچہ وہ صرف اس بات کی نگرانی پر مامور تھا کہ بلانشے تو مجھ سے ملنے نہیں آئی۔ مجھے میڈم پر غصہ بھی آیا مگر میں اپنے ذاتی مفادات اور حرص و ہوس کے جال میں پھنسا ہوا تھا۔ میں میڈم سلویا کی دشمنی مول نہیں لینا چاہتا تھا لیکن میرے دل نے کہا کہ پرسوں بلانشے پر مصیبت نازل ہونے والی ہے۔ اسے ضرور آگاہ کر دو۔ نہیں تو وہ ماری جائے گی۔ جرمنی کے ٹرپ پر وہ ضرور پکڑی جائے گی۔ اب میں نہ تو خود بلانشے کے ہاں جا سکتا تھا' نہ اسے اپنے ہاں بلا سکتا تھا۔ میں اسے فون ہی کر سکتا تھا۔ کیونکہ مجھے یقین تھا کہ میڈم سلویا کا جاسوس میرا فون ٹیپ نہیں کر رہا ہو گا۔ اچانک مجھے خیال آگیا کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ میرا فون بھی ٹیپ کیا جا رہا ہو تو پھر تو میں بھی بلانشے کے ساتھ ہی تباہ ہو جاؤں گا۔ کیونکہ اپارٹمنٹ بلڈنگ کے رینٹل آفس والے میڈم کے اپنے آدمی تھے۔ وہ لوگ بڑی آسانی سے مجھے باہر سے آنے والی فون کال یا فون پر میری گفتگو کو ٹیپ کر سکتے تھے۔

میں عجیب الجھن میں پھنس گیا تھا۔

بلانشے سے میرا ملنا جلنا منقطع کر دیا گیا تھا۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ بلانشے کو کسی طرح پرسوں جرمنی کے ٹرپ پر جانے سے روک دینا چاہئے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کس طرح خبر کروں۔ آخر ایک ترکیب میرے ذہن میں آ گئی۔ بلانشے کی ایک سہیلی پیرس کے ایک پرفیوم سٹور میں کام کرتی تھی۔ بلانشے نے مجھے اس سے ملایا بھی تھا۔ اسکا نام سٹیفنی تھا۔ وہ فرنچ لڑکی تھی اور اپنے گاؤں سے پیرس آکر جاب کر رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ سٹیفنی کے سٹور میں جاکر فون کیا جائے۔ یا پھر سٹیفنی کے ہاتھ بلانشے کو پیغام بھجوا دوں کہ وہ پرسوں بیماری کا بہانہ بناکر جرمنی کے ٹرپ پر نہ جائے۔ ظاہر ہے جو آدمی میری نگرانی کر رہا ہے' وہ میرے پیچھے کہاں مارا مارا پھرے گا۔ اسے تو جہاں تک میرا خیال تھا یہی کام دیا گیا تھا کہ وہ یہ دیکھے کہ بلانشے مجھ سے ملنے آتی ہے یا نہیں۔ میرا خیال غلط بھی ہو سکتا تھا لیکن میں نے بلانشے کی زندگی تباہ ہونے سے بچانے کا بھی اس بار دل میں فیصلہ کر لیا تھا۔

کچھ دیر میں اپنے اپارٹمنٹ میں بیٹھا ٹی وی پروگرام دیکھا رہا۔ پھر بلڈنگ کے عقبی دروازے سے نکلا تو سڑک پر آکر ٹیکسی پکڑی اور اس پرفیوم سٹور میں آ گیا جہاں بلانشے کی سہیلی کام کرتی تھی۔ سٹور میں خوشبوئیں پھیلی ہوئی تھیں۔ بھڑکیلے لباس والی عورتیں اور لڑکیاں مختلف کاؤنٹروں پر کھڑی اپنی اپنی پسند کے پرفیومز دیکھ رہی تھیں۔ بہت بڑا سٹور تھا۔ میں نے ایک کاؤنٹر پر سٹیفنی کو دیکھا اور اس کے پاس چلا آیا۔ وہ میری طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"ہیلو جیکی! بلانشے کیسی ہے۔؟"

وہ کاؤنٹر پر اتفاق سے اکیلی ہی تھی اور پرفیومز کے ڈبوں پر قیمتوں کی چٹیں لگا رہی تھی۔ میں نے آس پاس بڑی گہری نگاہوں سے دیکھا۔ وہاں مجھے کوئی مرد نظر نہ آیا۔ زیادہ عورتیں ہی تھیں۔ یقیناً میری جاسوسی کے لئے میڈم نے کسی مرد کو ہی لگایا ہوگا اور وہ سٹور میں نہیں تھا۔ میں نے سٹیفنی سے کہا:

"مجھے بلانشے کو فون کرا دو۔ اس سے ضروری بات کرنی ہے۔"

سٹیفنی نے قریبی کیبن کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"اندر جاکر فون کرلو۔"

میں کیبن میں جاکر بلانشے کا فون نمبر ڈائیل کرنے لگا۔ دل میں یہی دعا کر رہا تھا کہ خدا کرے بلانشے اپارٹمنٹ میں موجود ہو۔ مجھے بہت کم امید تھی مگر وہ اپارٹمنٹ میں موجود تھی۔ اس نے فون اٹھاکر ہیلو کہا تو میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

"بلانشے میں جیکی بول رہا ہوں۔"

"میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ اس وقت میرا خیال کیسے آگیا؟ میڈم سے فرصت مل گئی کیا؟"

بلانشے نے طنز کے تیر چلاتے ہوئے کہا۔ میں نے کہا:

"میں نے تم سے ایک انتہائی خفیہ بات کرنے کے لئے اس وقت فون کیا ہے۔"

"کہو۔" بلانشے نے کہا۔

تب میں نے اسے کہا کہ وہ پرسوں بیمار پڑ جائے اور گھر سے باہر بالکل نہ نکلے۔ وہ حیران سی ہوکر پوچھنے لگی:

"بیمار پڑ جاؤں؟ گھر سے نہ نکلوں؟ یہ تم کس لئے کہہ رہے ہو؟"

میں نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا:

کوئی ایسی بات ہوگی جو میں تمہیں کہہ رہا ہوں۔ تم مجھ سے بالکل کوئی سوال نہ کرو۔ بس۔کل سے تم بیمار پڑ جاؤ۔ کسی بھی بیماری کا بہانہ بنالو اور گھر سے بالکل باہر مت نکلو۔ اور کسی سے اسکا ہرگز ہرگز ذکر بھی نہ کرنا کہ میں نے تم سے بیمار پڑنے کے لئے کہا تھا۔ اور سنو! میرے اپارٹمنٹ پر بھی مت آنا۔ جب میں فون کروں تو آنا۔ ٹھیک ہے؟"

بلانشے کی پریشان کن آواز آئی:

"مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔"

میں نے سختی سے کہا:

"تم کچھ نہیں سمجھو گی۔ بس میں جو کہہ رہا ہوں' اس پر عمل کرو۔ کل سے تم ایک ہفتے کے لئے بیمار ہو اور کہیں آجا نہیں سکتیں۔ اب میں فون بند کرتا ہوں۔"

اور میں نے فون بند کر دیا۔

میں نے ایک خطرہ ضرور مول لے لیا تھا۔ مگر میرا ضمیر پہلی بار مجھے شاباش دے رہا تھا کہ میں نے اپنی ایک ہمدرد اور مخلص دوست کو تباہی سے بچالیا ہے۔ مجھے یقین تھا کہ بلانشے میری ہدایات پر ضرور عمل کرے گی۔ وہ سمجھ گئی ہوگی کہ میں اسے کسی آنے والے خطرے سے بچانا چاہتا ہوں۔ آخر وہ کوئی احمق یا ناسمجھ عورت نہیں تھی۔ جس قسم کے حالات سے وہ گذر رہی تھی' وہ انہیں بھی اچھی طرح سمجھتی تھی۔

میرا ضمیر بڑا مطمئن ہو گیا۔

وہاں سے میں سیدھا پیرس کے ایک عجائب گھر میں چلا گیا اور کافی دیر تک وہاں تاریخی نوادرات اور اولڈ ماسٹرز کی تصویریں دیکھتا رہا۔ وہاں سے شام کے وقت واپس آیا۔ رات گزر گئی۔ دوسرا دن بھی گزر گیا۔ تیسرے روز صبح صبح میڈم سلویا نے مجھے فون پر ہدایت کی کہ میں گاڑی بھیج رہی ہوں' میرے ہاں چلے آؤ۔ میں نے جلدی جلدی ناشتہ کیا اور تیار ہو کر بیٹھ گیا۔ جب گاڑی آئی تو اس میں سوار ہو کر میڈم سلویا کے بنگلے میں پہنچ گیا۔ اس نے مجھے میرا انڈین پاسپورٹ دے کر کہا۔

"یہ نقلی پاسپورٹ ہے۔ اس پر ہالینڈ کا ویزا لگا ہوا ہے۔ تم شام تک میرے پاس ہی رہو گے۔ اور ہاں' میں تمہیں بتانا ہی بھول گئی تھی۔ تمہاری دوست کی بیٹی پاکستان اپنے نانا کے پاس پہنچ گئی ہے۔"

مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ میں نے میڈم کا شکریہ ادا کیا تو وہ بڑی لگاوٹ کے ساتھ بولی۔

"تم پھر میرا شکریہ ادا کرنے لگے؟ میرا شکریہ ادا نہ کیا کرو۔ مجھے تمہارے لئے کوئی کام کر کے بڑی خوشی ہوتی ہے۔"

میں کسی طرح سے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آج بلانشے بھی اپنے ٹرپ پر روانہ ہو رہی ہے یا نہیں۔ مگر مجھے کوئی طریقہ نہیں سوجھ رہا تھا۔ یہ جان کر مجھے اطمینان ہو گیا تھا کہ میڈم سلویا کو یہ اطلاع نہیں ملی تھی کہ میں نے بلانشے کو فون کیا ہے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو وہ مجھے دیکھتے ہی مجھ پر برس پڑتی۔ وہ اسی قسم کی عورت تھی۔ حسد کا جذبہ اس میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

وہ میرے سامنے والے صوفے پر بیٹھی باتیں کر رہی تھی کہ اسے کسی کا ٹیلی فون آ گیا۔ وہ فون پر باتیں کرنے لگی۔ پھر ریسیور کو کریڈل پر رکھتے ہوئے میری طرف دیکھ کر بولی۔

"معلوم ہوتا ہے ہمیں آج دریا کی سیر کرنی ہوگی۔"

میں احمقوں کی طرح مسکرانے لگا۔ میرا خیال تھا کہ ابھی ھ ہ گ کی فلائیٹ میں سارا دن پڑا ہے۔ شاید وہ میرے ساتھ پک نک منانا چاہتی ہے۔ وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ جب وہ واپس آئی تو اس نے ہلکا پھلکا لباس پہن رکھا تھا۔ گلے میں نیلے رنگ کا سکارف تھا۔ بال پیچھے پھول دار ربن کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ میرے قریب سے گزرتے ہوئے بولی۔

"آؤ جیکی! دریا پر چلتے ہیں۔ کھانا بھی وہیں کھائیں گے۔"

میں اس کے پیچھے چل دیا۔

گاڑی ہمیں میڈم کے بنگلے سے لے کر پیرس کے جنوبی علاقے کی طرف روانہ ہو گئی۔ ہم کافی دیر تک سفر کرتے رہے۔ میڈم پچھلی سیٹ پر میرے ساتھ بیٹھی سگریٹ پی رہی تھی۔ ہم شہر کے آباد علاقے سے نکل آئے تھے۔ گاڑی کھیتوں اور نالوں کے درمیان سے گزر رہی تھی۔ پھر دریا ہمارے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ کہیں کہیں دریا میں کشتیاں چلتی نظر آ رہی تھیں۔ دھوپ نہیں نکلی ہوئی تھی۔ آسمان کو ہلکے ہلکے بادلوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ گاڑی دریا کے مغربی کنارے والی خوبصورت درختوں میں گھری ہوئی چھوٹی سی سڑک پر دور تک چلتی گئی۔ ایک جگہ پہنچ کر گاڑی درختوں میں گھوم گئی۔ تھوڑی دور جا کر دریا کا کنارا آ گیا۔ یہاں دریا کا پاٹ چوڑا ہو گیا تھا۔ دریا میں ایک طرف کنارے کے ساتھ دو منزلہ ہاؤس بوٹ لنگر انداز تھا۔ اس کے اوپر وائرلیس

کا ایک اسٹینا لگا ہوا تھا۔ دوسری منزل کے ڈیک کے جنگلے کے پاس ایک نوجوان کھڑا جنگلی کے پیتل کے گولوں کو کپڑے سے رگڑ رگڑ کر چمکا رہا تھا۔ گاڑی کو دیکھ کر ہاؤس بوٹ میں سے ایک عورت تیزی سے نکل کر ہماری طرف آئی۔ اس نے سفید ایپرن باندھا ہوا تھا۔ سر کے بال سفید ٹوپی میں چھپے ہوئے تھے۔

آتے ہی اس نے میڈم کو جھک کر سلام کیا۔ میڈم نے فرانسیسی میں اس کے بیڈ روم کی صفائی کے بارے میں پوچھا۔ اتنی فرانسیسی زبان میں سمجھنے لگا تھا۔ عورت نے جو خادمہ تھی، بڑے ادب سے بتایا کہ بیڈ روم کی روز کی طرح صفائی کر دی گئی ہے۔ بیڈ روم کا سن میں سمجھ گیا کہ آج میڈم کی نیت اچھی نہیں ہے۔

ہم ہاؤس بوٹ کے ایک بڑے خوبصورت چمکتے ہوئے کمرے میں جا کر بیٹھ گئے۔ دریا میں کھڑے ہونے کی وجہ سے ہاؤس بوٹ آہستہ آہستہ ہل رہا تھا، جیسے ہلکا ہلکا زلزلہ آ رہا ہو۔ اسی وقت خادمہ شیشے کے دو لمبوترے گلاسوں میں سفید پانی ایسی شیری لے آئی۔ شیری میں سے سوڈے واٹر کی طرح چھوٹے چھوٹے بلبلے نیچے سے اٹھ کر اوپر کو جا رہے تھے۔ ہم نے شیری کا ایک ایک گھونٹ پیا۔ یہ خاص فرانس کی شیری تھی جس کا ذائقہ شیمپین کی طرح تھوڑا ترش مگر شیریں بھی تھا۔ یہ سارے مشروب شراب کی اولادیں ہیں۔ ان میں شراب کی سی تیزی اور تندی نہیں ہوتی۔ اتنا نشہ بھی نہیں ہوتا۔ ہاں اگر آدمی زیادہ چڑھا جائے تو اس کی حالت بگڑ سکتی ہے۔ مگر یورپ میں لوگ یہ مشروب زیادہ نہیں پیتے۔ بس ایک آدھ پیگ پی لیتے ہیں۔ شیمپین، شیری، وائن اور پورٹ وائن کی اتنی مقدار طبیعت میں تھوڑی سی

گرمی اور فرحت پیدا کر دیتی ہے۔ ویسے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ انہیں ہرگز ہاتھ نہیں لگانا چاہیے۔ میں نے یہ سارے عیب کئے ہیں۔ آدمی یہ سوچ کر پینے لگتا ہے کہ کوئی بات نہیں ذرا سی شمپین یا بیئر ہی تو ہے۔ اس کے پینے کا کوئی حرج نہیں۔ لیکن یہ خانہ خراب آہستہ آہستہ ہمیں اپنے والدین یعنی شراب خانہ سوز کے پاس لے جاتی ہے۔ اور جب شراب سے تعارف ہوتا ہے اور منہ کو لگتی ہے تو پھر چھوٹتی نہیں اور صرف شراب پینے والے کو ہی نہیں اس کے سارے خاندان کو تباہ کر کے چھوڑتی ہے۔ صرف ہندوستان اور پاکستان میں ہی نہیں' یورپ میں بھی شراب نے خاندانوں کے خاندان برباد کئے ہیں اور اب بھی کر رہی ہے۔

اب تو میں بھی اس ام الخبائث کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا لیکن جس زمانے میں اس کا گرویدہ تھا' اس زمانے میں بھی میں نے اس کی ایک خاص مقدار مقرر کر رکھی تھی اور اس سے کبھی تجاوز نہیں کرتا تھا۔ بہرحال کچھ بھی ہو اس شے سے دور رہنے میں ہی عافیت ہے۔ ہمارے مذہب میں اسی لئے یہ حرام ہے۔

لیکن میں اس زمانے کی بات کر رہا ہوں جب میں ساری حرام چیزوں میں گھرا ہوا تھا۔ اتنا ضرور ہے کہ میں کھانے پینے میں سوائے شراب کے اور کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔ امریکہ میں میں نے کچھ ایسے مسلمان بھی دیکھے ہیں جو خنزیر کا گوشت بھی کھاتے تھے اور کہتے تھے یہ بڑا طاقتور ہے۔ میری اکثران سے بحث ہوتی تھی اور میں جب ایسے دوستوں کے پاس جاتا تھا تو وہاں کوئی چیز نہیں کھاتا تھا۔

ہم ہاؤس بوٹ کے جس کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے یہ پہلی منزل میں واقع تھا اور اس کی ایک جانب کھڑکیاں کھلتی تھیں جن میں سے دریا کی طرف سے بڑی خوشگوار ہوا آ رہی تھی۔ لنچ ہم نے اسی کمرے میں بیٹھ کر کیا۔ اس کے بعد میڈم سلویا مجھے ہاؤس بوٹ کا بیڈ روم دکھانے لے گئیں۔ بیڈ روم بھی بڑا سجا ہوا تھا۔ اسکی فضا بڑی خواب ایسی تھی۔ کھڑکیوں پر ریشمی پردے گرے ہوئے تھے۔ ایئر کنڈیشنر نے فضا کو بڑی خوشگوار حد تک ٹھنڈا کر رکھا تھا۔ فضا میں اعلیٰ پرفیوم کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ لکڑی کی دیواروں پر پھولدار کاغذ منڈھا ہوا تھا۔ جگہ جگہ اولڈ ماسٹرز کی تصویروں کے بڑے قیمتی پرنٹ فریموں میں سج رہے تھے۔

ہم نے ایک دو گھنٹے بیڈ روم میں آرام کیا۔ اس کے بعد میڈم سلویا نے کہا۔

"منہ ہاتھ دھو کر تیار ہو جاؤ۔ میرا آدمی تمہارے لئے سادھوؤں والا لباس لے کر آنے والا ہے۔"

ہم ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے منہ ہاتھ دھو کر بالوں میں کنگھی کی اور میڈم کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ وہ مجھے سمجھانے لگی کہ ھ۔گ۔ کے ایئر پورٹ پر اترنے کے بعد مجھے ہرے راما ہرے کرشنا جوگی کی پوری اداکاری کرنی ہوگی۔ چیکنگ کا عملہ اگر میرے گلے کی مالاوں کو اتارنے کے لئے کہے تو مالائیں فوراً اتار کر دے دینا۔ وہ مالاؤں کے منکے توڑ کر دیکھیں تو تھوڑا سا احتجاج ضرور کرنا۔ باقی مجھے یقین ہے کہ تمہاری چادر کے کناروں کی مغزی کی طرف کسی کا دھیان نہیں جائے گا۔ آج تک کوئی اس طرح ہیروئن یا کوکین نہیں لے کر گیا۔ ہم باتیں کر رہے تھے کہ دریا کے کنارے

درختوں میں ایک سیاہ رنگ کی لیموزین آکر رکی۔ اس میں سے سفید تنکوں کے ہیٹ والا ایک سوٹڈ بوٹڈ آدمی ہاتھ میں پلاسٹک کا تھیلا پکڑے اترا۔

ہم کھڑکی میں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ میڈم نے کہا۔

"ولیم آگیا ہے۔"

یہ شخص جس کا نام ولیم تھا' پیرس میں میڈم کا ایک خاص آدمی تھا۔ مگر میں اسے پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ میڈم نے اس سے میرا تعارف کرایا۔ اس نے مجھ سے خندہ پیشانی سے ہاتھ ملایا اور تھیلا میز پر رکھ کر بیٹھ گیا۔ میڈم نے پوچھا۔

"سب چیزیں لے آئے ہو ولیم۔"

"لیس میڈم۔ سب کچھ لے آیا ہوں۔"

ایسے موقع پر میڈم عام طور پر انگریزی میں گفتگو کرتی تھی تاکہ میں ہر چیز کو سمجھ سکوں۔ ولیم نے تھیلے میں سے گیروے رنگ کی تہہ کی ہوئی اور نسواری رنگ کے پلاسٹک کے منکوں کی چھ سات مالائیں اور ایک کپڑے کا تھیلا جو گلے میں لٹکایا جاتا ہے' نکال کر میز پر رکھ دیا۔

میڈم نے سب سے پہلے چادر کو کھول کر اسکے کناروں پر کی گئی مغزی کو غور سے دیکھا۔ پھر اسے سونگھا۔ ولیم نے کہا۔

"میڈم اس میں کیمیکل لگا دیا گیا ہے۔ اسکی بو نہیں آئے گی۔"

میڈم نے کہا۔

"میں دیکھ رہی ہوں۔ جیکی! تمہارے ملک میں تو اس قسم کے کپڑے والے سادھو بہت ہوتے ہیں۔ تم بڑی آسانی کے ساتھ اور درست طریقے سے اس چادر کو پہن لو گے۔"

میں نے کہا۔

"میڈم! اس قسم کے سادھو میں نے بہت دیکھے ہیں۔ ھندوستان کے تو ہر گلی کوچے میں اس طرح کا گیروا لباس پہن کر سادھو پھرا کرتے ہیں۔"

"تو پھر اندر جاکر ذرا سادھو بن کر دکھاؤ۔"

میں دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ میں نے ہندوستان کے سادھوؤں کی طرح اپنے بدن کے گرد چادر کو دھوتی کی طرح باندھا اور اسکا بڑا پلو اپنے کاندھے پر اس طرح ڈال لیا کہ میرا اوپر کا جسم ڈھک گیا۔ جب میں کمرے سے باہر آیا تو ولیم نے میڈم سے کہا۔

"میڈم مجھے کسی چیز کی کمی نظر نہیں آ رہی سوائے اس کے ماتھے پر تلک لگے گا اور گلے میں مالائیں پہنائی جائیں گی۔"

میں نے گلے میں دو مالائیں پہن لیں۔ دو تھیلے میں رکھ لیں۔ تھیلے میں پہلے ہی سے ہندوؤں کی کتاب گیتا کی انگریزی ترجمے والی چھوٹی سی کتاب پڑی تھی۔ میں نے اسے کھول کر کہیں کہیں سے پڑھا۔ میڈم نے ولیم کو اشارہ کیا۔ ولیم نے جیب سے سندور کی چھوٹی سی ڈبی نکالی اور میرے ماتھے پر اس طرح کی تین نسواری لکیریں ڈال دیں جس طرح یورپ میں ہرے راما ہرے کرشنا کے فرقے والے لگایا کرتے ہیں۔ میڈم نے میری طرف دیکھا اور ذرا سا مسکرائی۔

"جیکی تم اس لباس میں بھی پیارے لگ رہے ہو۔"

اس ریمارک پر ولیم نے میڈم کی طرف کنکھیوں سے دیکھا۔ وہ اس ریمارک کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ سب کچھ سمجھتا ہے۔ میڈم نے سٹیفنی کے بارے میں پوچھا تو ولیم نے کہا۔

”میں نے اسے تیار کروا دیا ہے۔ وہ ایئر پورٹ پر جیکی سے آکر ملے گی۔“

”فلائیٹ کا صحیح ٹائم کیا ہے؟۔“ میڈم نے پوچھا۔

ولیم نے اپنی کلائی کی گھڑی کی طرف نگاہ ڈالی اور کہا۔

”سوا آٹھ بجے جہاز اورلے سے ٹیک آف کرے گا۔ پیچھے قاہرہ سے آرہا ہے۔ لیٹ بھی ہو سکتا ہے۔“

میڈم نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

”جیکی! اگر جہاز لیٹ ہو گیا تو تم سٹیفنی کے ساتھ لاؤنج میں ہی رہنا۔ کسی کاؤنٹر پر جاکر بیئر یا وائن وغیرہ نہ پینے لگ جانا۔ اس فرقے کے لوگ یہ چیزیں نہیں پیتے۔“

جب شام گہری ہونے لگی تو میڈم نے ولیم سے کہا کہ وہ مجھے لے کر ایئر پورٹ پہنچ جائے۔ میڈم نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور گڈ لک کہا۔ مجھے اگر کوئی تشویش تھی تو بلانشے کی طرف سے تھی۔ کیونکہ میڈم نے اسکا ذکر تک نہیں کیا تھا کہ وہ جرمنی مال کی سپلائی لے کر جا رہی ہے یا نہیں۔ اسکے سپاٹ چہرے سے بھی میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکا تھا۔ لیکن میرا دل کہتا تھا کہ بلانشے بیماری کا بہانہ بنا کر اپنے اپارٹمنٹ میں ہی ہوگی۔

پیرس کا ایئر پورٹ روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ واقعی اس شہر کی ہر بات نرالی ہے۔ اورلے ایئر پورٹ پر بھی ویسی ہی رونق تھی جیسے کسی تفریح گاہ یا اوپیرا ہاؤس کے باہر ہوتی ہے۔ فرانس کے لوگ خوش مزاج اور زندہ دل ہیں۔ ہاں انگریزوں سے ضرور دل میں نفرت کا جذبہ رکھتے ہیں اور انہیں اپنے مقابلے میں کم تر سمجھتے ہیں۔

ہماری گاڑی پارک میں جاکر ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ ولیم خود گاڑی چلا رہا تھا۔ اس نے جان بوجھ کر مجھے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بٹھایا تھا۔ ولیم نے میری طرف گھوم کر کہا۔

"تم یہاں سے نکل کر گیٹ نمبر چار سے گزرو گے۔ گیٹ نمبر چار کے آگے پسنجرز لاؤنج آئے گا۔ وہاں تم پہلے بلاک کی کرسیوں میں سے کسی جگہ بیٹھ جاؤ گے۔ سٹیفنی تمہیں وہیں آکر ملے گی۔ تم نے سٹیفنی کی تصویر دیکھ لی ہوگی۔ اس کو بھی تمہاری ویڈیو فلم دکھادی گئی ہے۔"

مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ میری یہ ویڈیو فلم کہاں اور کس وقت تیار کرلی گئی تھی۔ میں نے ولیم سے بھی نہ پوچھا۔ پوچھنے کا کوئی فائدہ بھی نہ تھا۔ یہ ایک بڑا خطرناک قسم کا مافیا گروہ تھا جہاں ہر ممبر کی نقل و حرکت کو ہر وقت کوئی نہ کوئی واچ کرتا رہتا تھا۔ ولیم نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔

"باقی تمہیں جو کچھ کرنا ہے تمہیں معلوم ہے۔ ہیگ پہنچنے کے بعد اگر تم ایئرپورٹ سے کلین ہو کر نکل گئے تو سٹیفنی تمہاری راہنمائی کرے گی۔ او کے۔ گڈ لک!"

میں گاڑی سے اتر کر ایئرپورٹ کی عمارت کی طرف چل پڑا۔ ولیم کی گاڑی پارک میں ہی کھڑی رہی۔ خدا جانے وہ کس لئے وہیں رک گیا تھا۔ میں اس وقت بالکل ایک سادھو بن گیا تھا اور سادھوؤں کی طرح بڑی شان بے نیازی سے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ لئے چل رہا تھا۔ میری طرف کوئی بھی زیادہ متوجہ نہیں تھا۔ کسی کی نظر پڑ جاتی تو وہ ایک نظر دیکھ کر آگے نکل جاتا۔ یورپ امریکہ میں کوئی کسی کے معاملے میں تانک جھانک نہیں کرتا۔ آپ ننگے نہ ہوں، باقی جس قسم کا چاہے لباس پہن کر بازار میں آجائیں لوگ آپ کو ایک

نظر دیکھیں گے اور مسکرا کر آگے چل دیں گے۔ گیٹ نمبر ۲ کے پسنجر لاؤنج میں بہت کم لوگ تھے۔ آدھی سے زیادہ کرسیاں خالی پڑی تھیں۔ میں کرسیوں کے پہلے بلاک کی پہلی قطار کی ایک کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔ تھیلے میں سے گیتا کا انگریزی ترجمہ نکالا اور اس پر نظریں جمادیں۔ گیتا کیا پڑھنی تھی' میں اپنی گیروی چادر کے کناروں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ ان کناروں کو ذرا سا دہرا کر کے ان پر سلائی کی ہوئی تھی۔ اس سلائی کے اندر کوکین بھری ہوئی تھی۔

ناجائز منشیات کے ایک دو پھیرے لگانے کے بعد اگرچہ میرا ابتدائی ڈر خوف دور ہو گیا ہوا تھا مگر پھر بھی میرا دل ضرور گھبرا رہا تھا۔ یہی دھڑکا لگا تھا کہ کہیں پکڑا نہ جاؤں۔ اتنے میں میری بائیں جانب سے آکر کوئی میری ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ ایک دلکش چہرے والی گوری چٹی نوجوان لڑکی میری طرح گیروے کپڑوں میں ملبوس ماتھے پر تلک لگائے گلے میں تھیلا لٹکائے بال شانوں پر بکھیرے میری طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا:

"میرا نام سٹیفنی ہے۔"

میں نے کہا:۔ "میرا نام جیکی ہے۔"

"تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔"

اتنا کہہ کر وہ بھی تھیلے میں سے ایک کتاب نکال کر پڑھنے لگی۔ اس نے کتاب پر نظریں جمائے ہوئے ہی انگریزی میں کہا:

"ہمیں یہاں بھی اور جہاز میں بھی ایک دوسرے سے زیادہ باتیں نہیں کرنی۔"

میں نے ترچھی نگاہوں سے اس کی گیروی چادر کو دیکھا جو اس نے اپنے جسم کے گرد لپیٹ رکھی تھی۔ اس چادر کے کنارے بھی اندر کو دبا کر ان پر سلائی کر دی گئی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ ان کناروں کے اندر بھی کوکین بھری ہوئی ہے۔ ہم کوکین کی کافی مقدار لے کر جا رہے تھے۔ اگر پکڑے گئے تو بیس سال سے کم کیا سزا ہوگی۔ یہ سوچ کر میرے جسم میں خوف کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ دل نے کہا۔۔ برخوردار اب بھی وقت ہے۔ بھاگ جاؤ۔ مارے جاؤ گے۔ مگر دماغ نے فوراً ہی کہا۔۔ دل کی باتوں پر نہ جانا۔ یہ بے عقل چیز ہے۔ اس کی باتیں جذباتی ہوتی ہیں۔ تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔ تمہارا عظیم الشان مستقبل تمہاری راہ تک رہا ہے۔ پیرس کی حسین راتیں اور قیمتی لباس' اعلیٰ ترین بنگلہ' پیرس کی اونچی سوسائٹی کی عورتوں سے دوستی۔

اور میں دماغ کے راستے پر دوبارہ گامزن ہو گیا۔ سٹیفنی نے کتاب پر نظریں جمائے ہوئے کہا:

"فلائیٹ ٹھیک ہے۔ میں نے کمپیوٹر بورڈ پر دیکھ لیا تھا۔"

میں نے گھڑی پر نگاہ ڈالی اور کہا:۔" اس حساب سے تو ہمیں بورڈنگ کارڈ لے لینے چاہئیں۔"

"ہاں چلو۔"

ہم دونوں اٹھ کر اس کاؤنٹر پر آ گئے جس کی پیشانی پر ہماری فلائیٹ کا نمبر لکھا ہوا تھا۔ وہاں قطار لگی تھی۔ ہم بھی قطار میں کھڑے ہو گئے۔ دوسری فلائیٹ کی قطار میں کھڑی ایک لڑکی نے ہماری طرف مسکرا کر دیکھا۔ ہم نے بورڈنگ کارڈ لئے اور معمول کی چیکنگ کے بعد ٹرانزٹ لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئے۔ چیکنگ کے عملے نے صرف ہمارے تھیلے مشین میں سے گذار کر دیکھے

تھے۔ تھیلوں میں کوئی بھی قابل اعتراض شے نہیں تھی۔ اصل چیز تو ہماری زعفرانی چادروں کے کناروں میں مغزی کی صورت میں بھری ہوئی تھی۔ ہم دونوں ٹرانزٹ لاؤنج میں خاموشی سے کتابیں کھول کر بیٹھ گئے۔ نظریں کتابوں پر تھیں اور کسی وقت دھیمی آواز میں ایک دوسرے سے کوئی اشد ضروری بات کر لیتے تھے۔

سپیکر پر فلائیٹ کی روانگی کا اعلان ہوا تو ہم بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ گیٹ کی طرف چل پڑے۔ جہاز میں کافی سیٹیں خالی تھیں۔ قاہرہ کی اس فلائیٹ میں زیادہ تر مسافر پیرس میں اتر جاتے ہیں۔ ہم اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے جو ساتھ ساتھ ہی تھیں۔ پیرس سے ھیگ تک کی فلائیٹ اتنی لمبی نہیں تھی۔ جہاز کی کھڑکی میں سے نیچے ہالینڈ کے صدر مقام ھیگ کی روشنیاں نظر آئیں تو سٹیفنی نے کھڑکی کے قریب منہ لا کر کہا:

"گھبرانا بالکل نہیں۔ ہم نکل جائیں گے۔"

مگر ھیگ ایئرپورٹ کے کسٹم کاؤنٹر پر چیکنگ کا سخت انتظام دیکھ کر ایک بار تو میں گھبرا گیا۔ سٹیفنی نے اپنے چہرے پر جوگنوں والی مخصوص مسکراہٹ پھیلائی ہوئی تھی۔ اس نے مجھے بھی مسکرانے کے لئے کہا۔ میں نے بھی زبردستی اپنے چہرے پر مسکراہٹ طاری کر لی۔ لیکن میرے دل کی رفتار تھوڑی تیز ضرور ہو گئی تھی۔ اوپر سے میں بڑا بے فکرا اور بے نیاز بنا ہوا تھا۔

جب ہماری باری آئی تو ایک عمر رسیدہ کسٹم افسر نے ہم پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔ وہ فرانسیسی اور انگریزی میں بولے جا رہا تھا۔ اس نے ہمارے گلے سے مالائیں اتروا لیں۔ ہمارے تھیلے سے بھی مالائیں نکال کر

انہیں آلات کے ذریعے چیک کیا۔ جب وہ منکوں کو توڑنے لگا' یہ دیکھنے کے لئے کہ ان کے اندر کہیں چرس وغیرہ تو نہیں بھری ہوئی' تو میں نے میڈم کی ہدایت کے مطابق انگریزی میں بارعب اور پراسرار لہجے میں بلند آواز میں کہا:

"یہ ہماری مذہبی مالا کے منکے ہیں۔ دیوتا شو پوری نے ہمیں یہ مالائیں دی ہیں۔ اگر تم نے انہیں توڑا تو دیوتا شو پوری کا تم پر عتاب نازل ہو گا۔"

عمر رسیدہ کسٹم آفیسر نے انگریزی میں کہا:۔ "ہمیں اپنی قوم کا تمہارے دیوتا شو پوری سے زیادہ خیال ہے۔ ہم ان منکوں کو توڑ کر دیکھیں گے۔"

سٹیفنی نے بھی احتجاج کرنا شروع کر دیا۔ ہم کسٹم والوں کی توجہ مالا کے منکوں کی طرف ہی مرکوز رکھنا چاہتے تھے۔ ہماری جوگیانہ چادروں کی طرف کسی کا خیال بھی نہیں گیا تھا۔ حالانکہ سارا معاملہ ان چادروں کے کناروں میں بھرا ہوا تھا۔ کسٹم والوں نے ایک ایک کر کے ہمارے مالاؤں کے سارے منکے توڑ ڈالے۔ میں اور سٹیفنی اونچا بول کر احتجاج کرتے رہے۔ میں نے اداکاری کرتے ہوئے آسمان کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے کہا:۔

"اے آسمانوں کے دیوتا شو پوری! تمہاری مقدس مالائیں توڑ دی گئی ہیں۔ تم ان پر اپنا عذاب نازل کرنا۔"

اس شور شرابے کا نتیجہ یہ نکلا کہ کسٹم والوں کے اشارے پر گارڈز نے ہمیں دھکیلتے ہوئے گیٹ سے باہر نکال دیا۔ ہمارے سامان میں سے اور منکوں سے کچھ بھی نہیں نکلا تھا۔ ہم کسٹم والوں کو برا بھلا کہتے اور ان کے

خلاف قانونی چارہ جوئی کی دھمکیاں دیتے اور دل میں خدا کا شکر ادا کرتے وہاں سے نکل گئے۔ ایئرپورٹ سے باہر آکر ہم نے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔ میں نے سٹیفنی سے کہا:

"اب یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا چاہئے۔"

سٹیفنی نے دھیمی آواز میں کہا:۔"پارکنگ کی طرف آجاؤ۔"

ہم پارکنگ لاٹ میں آگئے جہاں بے شمار گاڑیاں کھڑی تھیں۔ فلائیٹ سے اترے ہوئے مسافر اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر روانہ ہورہے تھے۔ اتنے میں ایک فیٹ گاڑی ہمارے قریب آکر کھڑی ہوگئی۔ سٹیفنی نے کہا:۔"اس میں سوار ہوجاؤ۔"

ہم دونوں گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ ڈرائیور نے گاڑی پارکنگ سے نکالی اور ہیگ کی کشادہ روشن سڑکوں پر آگیا۔ سٹیفنی نے ڈچ زبان میں ڈرائیور کو کچھ کہا۔ اس نے بھی اسی زبان میں اسے کوئی جواب دیا۔ میں نے سٹیفنی سے پوچھا:

"ہمیں کہاں جانا ہو گا؟ کیا کسی ہوٹل میں جائیں گے؟"

وہ بولی:۔"خاموش رہو۔"

میں چپ ہوگیا۔ ہیگ کی کشادہ سڑکوں پر ٹریفک بڑی ترتیب اور سلیقے سے رواں تھی۔ اس شہر کی سڑکیں مجھے پیرس کے مقابلے میں زیادہ خوبصورت لگیں۔ گاڑی مختلف علاقوں اور مختلف سڑکوں پر سے ہوتی ہوئی شہر کے مضافات میں آگئی تھی۔ یہ نیم پہاڑی علاقہ تھا۔ ٹیلوں کی ڈھلانوں پر عمارتوں کی روشنیاں دور تک جھلملا رہی تھیں۔ ہماری گاڑی ایک بنگلے کے گیٹ میں سے گذر کر پورچ میں آکر کھڑی ہوگئی۔ ایک عورت اور مرد پہلے

سے وہاں کھڑے تھے۔ دونوں پختہ عمر کے تھے۔ آدمی کے منہ میں سگار تھا۔ وہ ہمیں ایک کمرے میں لے گئے۔ کمرے میں پرانے طرز کا فرنیچر تھا۔ دیواریں بھاری پردوں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ یہاں ہم نے اپنا لباس تبدیل کیا۔ زعفرانی چادریں سگار والے مرد کے حوالے کردیں۔ اس نے چادروں کے کناروں کو ٹٹول کر دیکھا اور مسکراتے ہوئے سٹیفنی سے ڈچ زبان میں کچھ کہا۔ سٹیفنی نے اسی زبان میں جواب میں کچھ کہا۔ میں نے اس سے پوچھا:۔

"یہ آدمی کیا کہہ رہا ہے؟"

سٹیفنی نے مجھے انگریزی میں کہا:

"خاموش رہو۔"

دونوں مرد اور عورت کمرے سے چلے گئے۔ چادریں ان کے پاس ہی تھیں۔ تب سٹیفنی نے کہا:

"سب کام ٹھیک ہو گیا ہے۔ خدا کا شکر ہے۔"

میں نے اس سے پوچھا کہ کیا یہاں سے بھی ہمیں کچھ سپلائی پیرس لے کر جانی ہوگی۔ سٹیفنی نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں یہاں سے کچھ نہیں لے جانا۔ ہالینڈ سے ہم دودھ، مکھن اور پنیر ہی لے جا سکتے ہیں اور ان چیزوں کی پیرس میں کوئی کمی نہیں ہے۔"

وہ مسکرا رہی تھی۔ اس وقت میں نے غور سے سٹیفنی کو دیکھا۔ جوگنوں کے حلئے میں اس نے مجھے اتنا متاثر نہیں کیا تھا۔ لیکن اب یورپی لباس میں ہلکے رنگ کے فراک اور کھلے بادامی بالوں کے ساتھ وہ بڑی خوبصورت لگ رہی تھی۔

میں نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا:۔ ”تم واقعی بڑی خوبصورت ہو سٹیفنی۔“

وہ پہلے تو شرما گئی۔ پھر سر اٹھا کر بولی:

”مجھ میں ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے۔“

اس دوران بوڑھی عورت اندر آئی۔ اس نے ڈچ زبان میں کچھ کہا اور باہر نکل گئی۔ سٹیفنی اس کے جاتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

”ہمارے سونے کا انتظام اوپر والی منزل میں ہے۔ مگر پہلے ہم کھانا کھائیں گے۔“

ساتھ والا کمرہ ڈائننگ روم تھا۔ وہاں ہم نے ان دونوں پر اسرار بوڑھوں کے ساتھ بیٹھ کر ڈنر کیا۔ ڈنر پر کسی نے بھی زیادہ بات نہ کی۔ ڈنر کے بعد بوڑھی عورت ہمیں لے کر اوپر والی منزل میں آ گئی۔ اس بنگلے میں کوئی ملازم یا خادمہ ابھی تک نظر نہیں آئی تھی۔

اوپر والی منزل میں ساتھ ساتھ دو بیڈ روم تھے۔ بوڑھی عورت نے سٹیفنی سے کچھ پوچھا جس پر اس نے شرماتے ہوئے کوئی جواب دیا۔ بعد میں سٹیفنی نے مجھے بتایا کہ بوڑھی عورت نے پوچھا تھا کہ تم لوگ ایک ہی بیڈ روم میں رہو گے یا الگ الگ بیڈ روم میں۔۔۔۔ ہم الگ الگ بیڈ روم میں چلے گئے۔ بیڈ روم بڑا سادہ سا تھا۔ بستر بڑے سلیقے سے بچھا ہوا تھا۔ صرف ٹیبل لیمپ روشن تھا۔ بستر پر شب خوابی کا لباس تہہ کر کے رکھا ہوا تھا۔ میں نے شب خوابی کا لباس پہنا اور سگریٹ سلگا کر پلنگ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس وقت بے اختیار میرا دھیان بلانشے کی طرف چلا گیا۔ خدا کرے کہ وہ بیماری کا بہانہ بنانے میں کامیاب ہو گئی ہو۔ اگر میڈم سلویا نے اسے زبردستی

مال دے کر جرمنی بھیج دیا ہے تو پھر اس وقت بلا نشے یقیناً فرینکفرٹ ایئر پورٹ کی حوالات میں بند ہوگی۔ ھیگ شہر میں پیرس کے مقابلے میں حبس بالکل نہیں تھا۔ یہاں خنکی زیادہ تھی۔ میں نے اپنے اوپر چادر کرلی اور سگریٹ ایش ٹرے میں بجھا کر بستر پر لیٹ گیا۔ پھر میں نے ٹیبل لیمپ بھی بجھا دیا۔

ٹیبل لیمپ کے بجھتے ہی کمرے میں گھپ اندھیرا ہو گیا۔ وہاں کوئی کھڑکی بھی نہیں تھی۔ ایک دروازہ ہی تھا جو بند تھا اور اس کے آگے پردہ گرا ہوا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ ھیگ میں ابھی تک دروازوں کے آگے پردے ڈالنے کا رواج چل رہا تھا۔ اس وقت مجھے مصور وان گو کا خیال آگیا۔ وہ ہالینڈ کا رہنے والا تھا اور ھیگ کے شہر میں اس کی چچازاد بہن رہتی تھی۔ جس سے وہ محبت کرتا تھا مگر اسکا چچا' وان گو کو ایک آوارہ اور سنکی پینٹر سمجھ کر اس سے نفرت کرتا تھا۔ ایک بار وان گو کے چچا نے اس کو اپنے گھر سے بھی نکال دیا تھا۔ اس کو کیا خبر تھی کہ تاریخ میں اس بے معنی سے دنیادار شخص کا نام اگر زندہ رہا تو صرف اس لئے زندہ رہے گا کہ وان گو جس لڑکی سے محبت کرتا تھا' وہ اس لڑکی کا باپ تھا۔ جرمنی کے عظیم فلسفی شوپنہار کے ساتھ بھی اس قسم کا واقعہ ہوا تھا۔ شوپنہار کی ماں نے دوسری شادی کرلی تھی۔ وہ سوسائٹی میں پھرنے پھرانے والی فیشن پرست عورت تھی اور چھوٹے موٹے ناول بھی لکھا کرتی تھی۔ وہ ماں ہو کر بھی شوپنہار کی شہرت سے حسد کرتی تھی۔ عجیب ماں تھی۔ ایک بار اس عورت نے اپنے گھر میں پارٹی کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ بڑے بڑے دانشور وکیل' صنعتکار اور ادیب جمع تھے۔ پارٹی کی رونق اپنے عروج پر تھی کہ شوپنہار اپنے گوئٹے کے ساتھ وہاں آگیا۔ (یہ واقعہ بعد میں گوئٹے نے اپنی یادداشتوں میں لکھا تھا۔) شوپنہار کی ماں نے شوپنہار کو دیکھا

تو منہ دوسری طرف کرلیا۔ پارٹی میں موجود لوگ شوپنہار کی عظمت سے واقف تھے۔ وہ اس کے گرد جمع ہوگئے اور یوں شوپنہار کی ماں کو نظر انداز کردیا۔ یہ عجیب و غریب ماں آگ بگولا ہوگئی۔ گوئٹے لکھتا ہے کہ اس نے اپنے بیٹے شوپنہار کو گھر سے نکل جانے کا حکم دے کر سیڑھیوں سے دھکا دے دیا تھا اور کہا تھا:

"میں تم سے زیادہ مشہور ادیبہ ہوں۔ تم اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہو"

یہاں گوئٹے نے ایک تاریخی جملہ کہا تھا جو ادب اور فلسفے کی تاریخ میں ریکارڈ کرلیا گیا ہے۔ گوئٹے نے شوپنہار کی ماں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:

"میڈم! اگر آپ کا نام تاریخ میں زندہ رہا تو صرف آپ کے بیٹے شوپنہار کی وجہ سے زندہ رہے گا۔ آپ کی کتابیں زندہ نہیں رہیں گی۔"

گوئٹے کی بات سوفیصد درست نکلی۔ آج شوپنہار کی ماں کے ناولوں کا کوئی نام بھی نہیں جانتا۔ جرمن ادب کے کسی تذکرے میں اسکا ذکر تک نہیں ملتا۔ لیکن لوگ صرف اس وجہ سے اس عورت کو آج بھی جانتے ہیں کہ اس نے اپنے عظیم فرزند کو دھکا دے کر گھر سے نکالا تھا۔ نفسیات کے ماہرین نے تجزیہ کیا ہے کہ شوپنہار اسی وجہ سے ساری زندگی عورتوں کے خلاف لکھتا رہا اور اس نے شادی بھی نہیں کی تھی۔

میں گوئٹے شوپنہار اور وان گو کے بارے میں سوچتے سوچتے نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا کہ دروازے پر کسی نے دستک دی۔ میں نے اندھیرے میں آنکھیں کھول دیں۔ دستک بڑی آہستہ آہستہ دوسری بار ہوئی تو میں نے ٹیبل لیمپ روشن کردیا۔

"کون ہے؟" میں نے انگریزی میں پوچھا۔

دوسری طرف سے انگریزی میں ہی سٹیفنی کی آواز آئی:

"میں ہوں سٹیفنی"

میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ سامنے شب خوابی کے لباس میں سٹیفنی کھڑی تھی۔ بڑی شرمسار سی ہو کر بولی:

"آئی ایم ویری سوری جیکی! میں نے تمہیں جگا دیا مگر میرا سگریٹ پینے کو بے حد جی چاہ رہا تھا اور میرے سگریٹ ختم ہو گئے ہیں۔ پلیز مجھے ایک سگریٹ لا دو۔"

میں نے کہا:۔ "اندر آ جاؤ۔"

وہ اندر آ کر پلنگ کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ میں نے سگریٹ کیس میں سے ایک سگریٹ نکال کر اسے دیا۔ لائٹر سے سلگایا اور ایک سگریٹ میں نے بھی لگا لیا۔ وہ ہلکا سا کش لگا کر بولی:

"دراصل مجھے کسی نئے بیڈ روم میں نیند نہیں آتی' اس وقت سے جاگ رہی تھی۔ سوچا سگریٹ پیا جائے۔ دیکھا تو ڈبیا خالی تھی۔ تمہیں بڑی تکلیف دی ہے میں نے جیکی' آئی ایم سوری۔"

میں نے کہا:۔ "کوئی بات نہیں سٹیفنی مجھے بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔ اچھا ہوا تم آ گئیں۔ دونوں مل کر کچھ دیر باتیں کرتے ہیں۔"

کچھ دیر ہالینڈ کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی۔ سٹیفنی ہالینڈ کی رہنے والی تھی مگر وہ غیر ادبی عورت تھی۔ اس نے شوپنہار کا نام تو سن رکھا تھا مگر اسے یہ علم نہیں تھا کہ وہ کتنا بڑا فلاسفر تھا۔ وان گو کے بارے میں بھی اس کی معلومات درسی کتب تک ہی محدود تھیں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کس شہر میں رہتی ہے اور کیا اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتی ہے۔ سٹیفنی نے کہا:

"میرے ماں باپ پرتگال میں ہیں۔ میں ان سے الگ یہاں رہتی ہوں۔ ایمسٹرڈیم میں ایک فلیٹ لے رکھا ہے۔"

جب میں نے اس سے پوچھا کہ اس کی شادی ہو چکی ہے تو ایک لمحے کے لئے اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر کہا:

"یہ غلطی میں بھی کر چکی ہوں۔ میرا خاوند مجھے دو لڑکیاں دے کر کسی دوسری عورت کے ساتھ امریکہ بھاگ گیا ہے۔ ایک لڑکی سات برس کی ہے۔ دوسری چار برس کی ہے۔ میں ان کی پرورش کر رہی ہوں۔"

میں نے پوچھا:۔ "تم جب کسی پھیرے پر جاتی ہو تو بچیوں کو کس کے حوالے کر کے جاتی ہو؟"

سٹیفنی نے کہا:۔ "ایک عورت کو میں صرف اسی کام کے پیسے دیتی ہوں کہ جب میں شہر سے باہر جاؤں تو وہ پیچھے میری بچیوں کے پاس رہے۔ ان کے کھانے پینے کا خیال رکھے اور وقت پر سکول لے جائے اور سکول سے واپس گھر لے آئے۔"

میں نے ہالینڈ میں بلکہ یورپ کے شہروں میں مہنگائی کا ذکر چھیڑتے ہوئے کہا:

"یہاں جتنی آمدنی ہو' گذارہ مشکل ہی سے ہوتا ہے۔ تقریباً سارے پیسے گروسری مکانوں کے کرایوں پر خرچ ہو جاتے ہیں۔"

سٹیفنی سگریٹ پی رہی تھی۔ کہنے لگی:

"یورپ کی اکانومی اس طریقے سے بنائی گئی ہے کہ امیر طبقے کو چھوڑ کر مڈل کلاس کا ایک اوسط آدمی جو کماتا ہے وہ سارے کا سارا خرچ ہو جاتا ہے۔ یہاں آدمی کچھ بچا نہیں سکتا۔"

جب میں نے اس سے براہ راست سوال پوچھا کہ اسے اس کام سے کتنی آمدنی ہوتی ہوگی تو وہ سنجیدہ ہوگئی۔

"تمہیں اس قسم کا ذاتی سوال نہیں پوچھنا چاہئے تھا۔ بہر حال تم میرے دھندے میں ہی ہو۔ اس لئے تمہیں معاف کرتی ہوں۔ آئندہ اس قسم کا سوال کسی سے مت کرنا۔"

اسکا سگریٹ ختم ہو گیا تھا۔ اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں ڈالا اور بولی :۔ "تمہارا شکریہ' اب میں چلتی ہوں۔" اور وہ میرے بیڈ روم سے چلی گئی۔ یہاں میں ان نوجوانوں کی اطلاع کے لئے جو یورپ ابھی تک نہیں گئے' ایک بات بتانا ضروری سمجھتا ہوں۔ یورپ امریکہ کی سیر و سیاحت کو یا وہاں کوئی ملازمت کرنے کے واسطے جانے والے نوجوانوں کو یہ حقیقت ہمیشہ اپنے ذہن میں رکھنی چاہئے کہ یورپ امریکہ کی ترغیبات جنسی کا ضابطہ اخلاق ہمارے ہاں سے بالکل مختلف ہے۔ ہمارے ہاں جنسی اخلاقیات کا ضابطہ مرد کی عورت پر برتری کو سامنے رکھ کر بنایا گیا ہے جبکہ یورپ امریکہ میں ایسا نہیں ہے۔ وہاں مرد اور عورت میں سے کسی کو دوسرے پر برتری یا فوقیت حاصل نہیں ہے۔ وہاں عورت کو اس کی مرضی کے خلاف کوئی ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ خواہ وہ عورت طوائف ہی کیوں نہ ہو۔ اصل میں عورت ہمارے ہاں بھی یہی چاہتی ہے کہ اس کی مرضی کے بغیر کوئی اسے ہاتھ بھی نہ لگائے۔ لیکن ہمارے ہاں عورت غلام ہے۔ مظلوم ہے۔ مرد اسے اپنی زر خرید کنیز سمجھتا ہے۔ ہمارے ہاں مرد' عورت کو پانی سے بھری ہوئی مٹی کی صراحی سمجھتا ہے کہ جب پیاس لگی' اس میں سے پانی گلاس میں ڈال کر پی لیا۔ ہماری عورتیں یورپ امریکہ کی عورتوں کے مقابلے میں زیادہ وفا شعار' ایثار پیشہ اور بھائیوں' بیٹوں

اور خاوندوں پر جان قربان کرنے والی عورتیں ہیں۔ لیکن ہم نے ان کی مٹی پلید کر رکھی ہے۔ ان کا اس قدر ستیاناس کیا ہے کہ نہ صرف ان کی ساری قدرتی صلاحیتوں کو خاک میں ملا دیا ہے بلکہ انہیں کسی کام کے لائق نہیں چھوڑا۔ لیکن یورپ کی عورت نے مرد کو اپنا ستیاناس کرنے کی اجازت نہیں دی۔ میں یورپ امریکہ کی گھریلو عورتوں میں بھی رہا ہوں اور وہاں کی طوائف اور نیم طوائف عورتوں سے بھی میرے تعلقات رہے ہیں۔ وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنے انسانی اور سماجی حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔ میں یورپ جانے والے شوقین مزاج بلکہ آوارہ مزاج نوجوانوں کو خبردار کرتا ہوں کہ وہ یورپ میں جاکر یہ بالکل خیال نہ کریں کہ وہ برصغیر کے کسی شہر میں پھر رہے ہیں۔ جہاں وہ عورت کو سرعام چھیڑیں گے تو وہ بے چاری کچھ آہ و بکا نہیں کرے گی اور منہ چھپا کر گذر جائے گی۔ اگر پیرس لندن یا نیویارک میں ہمارے کسی آوارہ مزاج نوجوان نے وہاں کی کسی عورت سے چھیڑ خوانی کی تو وہ اسے عدالت میں لے آئے گی اور یاد رکھیں کہ وہاں کی عدالتوں میں مجرموں کو ٹھیک ٹھیک سزا ملتی ہے۔ شکاری لوگ یورپ میں بھی عورتوں کا شکار کھیلتے ہیں لیکن پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ ایسی عورتیں ہوتی ہیں جو گنوار' ناسمجھ اور بے آسرا ہوتی ہیں اور گاؤں سے شہر آئی ہوئی ہوتی ہیں۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ مرد کے جال میں وہ بھی اپنی مرضی سے پھنستی ہیں۔ ہمارے ہاں کی طرح گھات لگا کر شکاری نہیں بیٹھتا۔ وہاں تو آمنے سامنے شکار کھیلا جاتا ہے۔ میدان کھلا ہے۔ ایک طرف شکاری ہے۔ دوسری طرف شیرنی ہے۔ عجیب شکار ہوتا ہے کہ شیرنی پر جال پھینکا نہیں جاتا بلکہ اسے جال پیش کیا جاتا ہے۔ اگر شیرنی کی مرضی ہوگی تو جال میں بڑی سکون سے چلتی ہوئی آجائے گی۔ اگر آپ اسے

زبردستی جال میں پھانسنے کی کوشش کریں گے تو وہ آپ کو زندہ نہیں چھوڑے گی۔

یہی وجہ تھی کہ جب سٹیفنی آدھی رات کے وقت اکیلی میرے بیڈروم میں آئی تو میرے اندر ایک لمحے کے لئے بھی کسی قسم کا جنسی ہیجان پیدا نہیں ہوا تھا اور میں نے ایک لمحے کے لئے بھی ایسا نہیں سوچا تھا کہ ایک عورت آدھی رات کو مل گئی ہے، بس اب یہ جانے نہ پائے۔ پکڑ لو اس کو۔ نہیں ایسی کوئی بات میرے دماغ میں نہیں آئی تھی۔ وہ میرے پاس بیٹھی سگریٹ پیتی رہی۔ باتیں کرتی رہی۔ ہاں میں اس انتظار میں ضرور رہا کہ شاید اس کی طرف سے کسی قسم کی پیشکش کا اظہار کیا جائے۔ مگر سٹیفنی نے ایسی کوئی پیش رفت نہیں کی اور میں نے بھی اس بات کا خیال ذہن سے نکال دیا اور ہم دو دوستوں کی طرح بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ پھر وہ چلی گئی اور میں دروازہ بند کر کے صاف ذہن کے ساتھ سو گیا۔ ذہن کو صاف شفاف رکھنا ضروری ہے۔ ذہن کو کبھی گندا نہ کریں۔ کپڑوں پر کیچڑ لگ گیا تو کپڑے دھوبی صاف کر دے گا۔ ذہن میں کیچڑ لگ گیا تو اس کو صاف کرنا محال ہو جائے گا۔ میں خاص طور پر پاکستان کی نئی نسل کے نوجوانوں سے مخاطب ہوں کہ وہ اپنے ذہن کو پاک صاف رکھیں۔ وقت سے پہلے جنسی ہیجان خیزیوں سے اپنے جذبات اور ذہن کو پراگندہ نہ کریں۔ یورپ کے گمراہ دانشوروں نے اپنی کتابوں کے ذریعے یہ بات ہمارے ذہنوں میں بٹھا دی ہے کہ جنسی بھوک بھی عام روٹی پانی کی بھوک پیاس کی طرح ہے اور جب جنسی بھوک لگے تو اسے فوراً مٹا دینا چاہئے۔ یعنی اسے پورا کر دینا چاہئے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ میں اسے تسلیم ہی نہیں کرتا کہ جنسی بھوک روٹی پانی کی بھوک پیاس کی طرح کی

کوئی بھوک پیاس ہے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت اور دلیل میں یہ دوں گا کہ آدمی کو تین دن پانی نہ ملے' ایک ہفتہ کھانے کو نہ ملے تو وہ مر جائے گا۔ مگر عورت اگر اسے ساری زندگی نہ ملے تو وہ پھر بھی زندہ رہتا ہے بلکہ زیادہ صحت مند ہو کر زندہ رہتا ہے۔ پھر یہ جنسی بھوک کیسے ہوئی۔ بھوک تو وہ ہوتی ہے کہ اگر اسے پورا نہ کیا جائے تو آدمی ختم ہو جاتا ہے۔ جیسے روٹی کی بھوک پانی کی بھوک۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ جنسی رجحان کو قدرت نے انسان کے تابع رکھا ہے۔ وہ جب چاہے اس رجحان کو بروئے کار لا کر اپنی نسل کو جاری رکھنے کے لئے اولاد پیدا کر سکتا ہے۔ اور جنس کا مقصد بھی یہی ہے۔ یہ بڑا انمول جوہر ہے جو قدرت نے ہمارے خون میں جاری و ساری کیا ہوا ہے۔ ہمارے نوجوانوں کو اس جوہر کی حفاظت کرنی چاہئے تاکہ وہ شادی کے بعد صحت مند صالح ذہن والی اور سلیم الاعضاء اولاد پیدا کر سکیں۔ گندی تصویریں' گندے رسالے اور فلمیں دیکھ کر ہمیں اپنے اندر مصنوعی اور بے وقت کا جنسی ہیجان پیدا نہیں کرنا چاہئے۔ ہمیں اپنے ذہن کو گندے رسالوں کی گندی تصویروں اور گندی فلموں کے عکس سے بچا کر رکھنا چاہئے۔ ذہن تو اللہ کا دیا ہوا انمول اور پاکیزہ خزانہ ہے جس میں ساری کائنات کا حسن اور پاکیزگی سمٹی ہوئی ہے۔ ہمارے نوجوانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے خیالات اپنے ذہن اور اپنے جسم کو ہمیشہ برائی کی باتوں سے پاک و صاف رکھیں۔ پھر وہ دیکھیں گے کہ ان کے اندر ایک ایسی زبردست مقناطیسی طاقت پیدا ہو جائے گی کہ بڑے سے بڑا بادشاہ اور طاقتور سے طاقتور آدمی بھی ان کے آگے سنبھل کر بات کرے گا۔ ہماری نئی نسل کے نوجوان اکثر یہ کہتے ہیں کہ جی آپ نے بھی تجربے کر کے یہ باتیں سیکھی ہیں۔ ہمیں بھی تجربے کر لینے دیں۔ ہم بھی تجربہ کرنا چاہتے

ہیں۔ ہمیں تجربہ کرنے سے منع کیوں کرتے ہیں؟ میں ایسے نوجوانوں سے صرف ایک سوال پوچھتا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ اگر ان کی آنکھوں کے سامنے ایک آدمی اندھے کنوئیں میں صفائی کرنے اترتا ہے اور زہریلی گیس کی وجہ سے کنوئیں کے اندر ہی مرجاتا ہے تو کیا وہ اس سے سبق حاصل نہیں کرتے؟ کیا وہاں کسی نے کبھی کہا ہے کہ نہیں جی میں خود تجربہ کر کے دیکھوں گا کہ اندر زہریلی گیس ہے کہ نہیں؟ اس کنوئیں سے تو سب بھاگ جاتے ہیں۔ بس اسی طرح جن اندھے اور گندے کنوئیں میں گر کر میں مر چکا ہوں۔۔۔۔ ان سے دور رہیں اور ان میں اترنے کا تجربہ کبھی نہ کریں۔ میری زندہ لاش سے سبق حاصل کریں۔۔۔ میں نوجوانوں کو نصیحت نہیں کر رہا بلکہ انہیں ایک ایسی اذیت ناک غیر قدرتی موت سے بچانا چاہتا ہوں جو قدرت کو ہرگز پسند نہیں ہے۔

اب میں واپس اپنے سفرنامے کے واقعات کی طرف آتا ہوں۔ ہالینڈ کے دارالحکومت ھیگ میں ہم نے ایک رات گذاری۔ دوسرے روز سٹیفنی مجھ سے ہاتھ ملا کر چلی گئی اور میں واپس پیرس روانہ ہو گیا۔ میرا پھیرا بڑا کامیاب رہا تھا۔ میں جب اپنے پیرس والے فلیٹ میں پہنچا تو تھوڑی دیر بعد میڈم سلویا کا ٹیلی فون آگیا۔ اس کو میرے آنے کی اطلاع مل چکی تھی۔

"ہیلو چیکی! کہو سفر کیسا رہا؟"

میں نے کہا:۔ "تھینک یو میڈم! خوب سیر کی۔ بڑا اچھا ویک اینڈ گذرا۔"

"اس وقت تم ہوائی جہاز کے سفر کے تھکے ہوئے ہو۔ میں صبح دس بجے فون کروں گی۔"

اس وقت رات کے آٹھ ساڑھے آٹھ بجے کا وقت ہو گا۔ پیرس کی رات کا شباب شروع ہو چکا تھا۔ میں نے سوچا کہ بلانشے کو فون کر کے اس کی خیریت معلوم کرنی چاہئے۔ فلیٹ سے میں فون ٹیپ ہونے کے ڈر سے نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بلڈنگ میں میڈم سلویا کا جاسوس بھی موجود تھا۔ جو مجھے بظاہر نظر نہیں آیا تھا اور مجھے اس کا سراغ لگانے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ وہ تو میرے پیچھے میڈم نے صرف اس لئے لگا دیا تھا کہ میں بلانشے سے اگر ملنے جاؤں یا وہ مجھے ملنے آئے تو میڈم کو خبر ہو جائے۔ اس کے علاوہ جاسوس کو میرے کسی کام سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن اسی وقت میں بلانشے کو فون کر کے اس کی خیریت ہر حالت میں معلوم کرنا چاہتا تھا۔ یونہی مجھے وہم سا ہونے لگا تھا کہ بلانشے کسی مصیبت میں پھنس گئی ہے۔

میں نے کسی ریستوران یا کسی دوسرے علاقے کے پبلک ٹیلی فون بوتھ سے فون کرنے کا فیصلہ کیا اور فلیٹ کو تالا لگا کر وہاں سے نکل آیا۔ پیرس کی سڑکیں اب میرے لئے اجنبی نہیں رہی تھیں۔ میں نے ایک ریستوران بھی سوچ لیا تھا جہاں سے میں بڑے سکون کے ساتھ بلانشے کو فون کر سکتا تھا۔ یہ ریستوران دریائے سین کی دوسری جانب واقع تھا۔ میں اپنی بلڈنگ کے سامنے والے بس سٹاپ پر آکر کھڑا ہو گیا۔ میں نے بڑے غور سے جائزہ لیا۔ مجھے وہاں کوئی آدمی اس قسم کا نہ لگا جو میرے پیچھے لگا ہوا ہو۔ پھر بھی میں محتاط

تھا۔ بس آئی۔ میں بس میں سوار ہو کر وہاں سے کافی آگے جاکر اتر گیا' وہاں سے دوسری بس پکڑی اور دریائے سین کے مغربی کنارے والے ایک پل کے سٹاپ پر اتر گیا۔ یہاں سے ریستوران کوئی ایک فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔ کنارے پر لگی ہوئی مرکری لائٹس روشن تھیں۔ ان کا عکس دریا میں جھلملا رہا تھا۔ فٹ پاتھ پر کہیں کہیں کوئی انسان نظر آتا تھا۔ کسی وقت کوئی گاڑی تیزی سے گذر جاتی۔ دریا کنارے ایک بنچ پر ایک جوڑا بوس و کنار میں مصروف تھا۔ میں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ یورپ کے شہروں کے عام مناظر میں سے ایک منظر تھا جس میں اب میرے لئے کوئی کشش نہیں رہی تھی۔ یہ ان لوگوں کی تہذیب کا حصہ تھا۔ ان کے کلچر کا حصہ انہی کو مبارک ہو۔

سامنے ریستوران تھا جس کے باہر روشنی میں اس کے نام کا بورڈ صاف پڑھا جاتا تھا۔ باہر ایک طرف کچھ موٹر سائیکلیں اور دوسری جانب تین چار چھوٹی فرنچ کاریں کھڑی تھیں۔ میں ریستوران میں داخل ہو گیا۔ ریستوران کی فضا میں تمباکو کافی اور مختلف پرفیومز کی خوشبوئیں بسی ہوئی تھیں۔ سگرٹوں کے دھوئیں سے روشن فضا دھندلی ہو رہی تھی۔ مجھے معلوم تھا اس کا ٹیلی فون بوتھ کہاں ہے۔ میں یہاں پہلے بھی بلانشے کے ساتھ دو تین مرتبہ آچکا تھا۔

میں نے بوتھ میں آکر بلانشے کا نمبر ملایا۔ دل دھڑک رہا تھا کہ خدا کرے بلانشے مل جائے۔ کہیں اس کو کوئی حادثہ پیش نہ آگیا ہو۔ گھنٹی بج رہی تھی۔ پھر اچانک کسی نے ریسیور جلدی سے اٹھایا اور بلانشے کی آواز آئی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

"بلانشے میں ہوں جیکی۔"

''تم ھنگ سے کب واپس آئے؟ کیسا رہا ٹرپ؟ تھینک گاڈ تم خیریت سے ہو۔''

میں نے کہا:'' میں تمہاری آواز سن کر خدا کا شکر ادا کر رہا ہوں کہ تم خیریت سے ہو۔''

بلانشے نے پوچھا:'' آخر تم مجھے اصل بات کیوں نہیں بتاتے؟ تم نے مجھے کیوں گھر میں بیماری کا بہانہ بنا کر بٹھا دیا تھا؟ میں تو آج بھی سارا دن گھر سے باہر نہیں نکلی۔''

''کیا میڈم کا فون آیا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

بلانشے نے کہا:''فون بھی آیا تھا پرسوں اور وہ خود بھی میرے فلیٹ پر پہنچ گئی تھی۔ میں یہ باتیں فون پر نہیں کرنا چاہتی، تم کہاں سے بول رہے ہو۔ فوراً میرے پاس آجاؤ۔''

میں نے کہا:''بلانشے میں تمہارے پاس نہیں آسکتا۔''

''کیوں؟'' بلانشے نے ناراضگی سے پوچھا۔''کیا میڈم نے تمہیں منع کر دیا ہے؟''

میں نے کہا:''میں بھی فون پر تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا۔''

بلانشے نے پوچھا:''تم کہاں سے فون کر رہے ہو؟''

جب میں نے اسے ریستوران کا نام بتایا تو وہ بولی:

''بس میں آرہی ہوں۔ تم یہیں رہنا۔''

''مگر میری بات تو سنو۔ بلانشے۔ ہیلو۔۔۔ ہیلو۔۔۔''

بلانشے نے فون بند کر دیا تھا۔ میں دوبارہ فون کرنے لگا تو خیال آیا کہ بہتر یہی ہے کہ بلانشے ریستوران میں آجائے، اس سے زبانی باتیں ہو جائیں

گی۔ میں ٹیلی فون بوتھ سے نکل کر کونے والی ٹیبل پر بیٹھ گیا جہاں سے مجھے ریستوران کا دروازہ صاف نظر آرہا تھا۔ اس ریستوان سے بلانشے کے گھر کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا اور اب تو بلانشے نے نئی فیٹ کار بھی خرید رکھی تھی۔ مجھے امید تھی کہ وہ دس پندرہ منٹ میں پہنچ جائے گی۔ میں نے اپنے لئے کافی منگوائی اور سگریٹ سلگا کر بیٹھ گیا۔ دس پندرہ منٹ گذرے ہوں گے کہ ایک بار جو ریستوران کا دروازہ کھلا تو مجھے بلانشے کا چہرہ دکھائی۔ سیاہ پرس حسب معمول اس نے کاندھے پر ڈال رکھا تھا۔ وہ بلیو رنگ کے فراک میں ملبوس تھی۔ بالوں میں بلیو کلر کا ربن بندھا ہوا تھا۔ انگلیوں میں سگریٹ سلگ رہا تھا۔ اس نے ریستوران مین داخل ہونے کے بعد ایک نظر چاروں طرف ڈالی۔ میں نے ہاتھ کھڑا کیا ہوا تھا۔ ریستوران کی فضا نیم روشن تھی۔ پھر بھی بلانشے کو میں نظر آگیا۔ وہ مسکراتی ہوئی میرے پاس آکر بیٹھ گئی۔

"یہ تم کیا ڈرامہ کر رہے ہو میرے ساتھ؟"

بلانشے نے میرے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ میں نے اپنا ایک ہاتھ میز پر رکھا ہوا تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا:۔

"اس ڈرامے میں تمہاری بھلائی تھی۔"

بلانشے نے زور سے میرا ہاتھ جھٹک کر پرے کر دیا۔

"پلیز مجھے بتاؤ تم نے مجھے فون پر یہ کیوں کہا تھا کہ بیمار بن کر دو تین روز کے لئے فلیٹ پر رکی رہو۔"

میں نے بلانشے کے لئے کافی کا آڈر دیا اور میز پر اس کی طرف جھک کر پوچھا:

"بلانشے! پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ میڈم سلویا تمہارے فلیٹ پر کس لئے آئی تھی۔ اس کے بعد میں تمہیں ساری بات کھول کر بیان کر دوں گا۔ تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ چاہے اس میں میری جان کو ہی خطرہ کیوں نہ ہو۔"

بلانشے نے سگریٹ کا لمبا کش لگا کر سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے کہا:

"پہلے تو میڈم کا صبح صبح فون آیا کہ بلانشے تمہیں جرمنی جانا ہو گا۔ تیار ہو کر شام کو میرے ہاں پہنچ جاؤ۔ میں نے تمہاری ہدایت کے مطابق اپنے آپ کو بیمار بنایا ہوا تھا۔ چنانچہ میں نے آواز میں نقاہت پیدا کرتے ہوئے کہا۔ میڈم میری طبیعت سخت خراب ہے۔ رات سے پیٹ میں سخت درد ہو رہا ہے۔ میں تو بستر سے اٹھ کر دو قدم بھی نہیں چل سکتی۔ اس نے میری بات سن کر صرف اتنا کہا۔ او کے۔ پھر کسی روز سہی۔ اور فون بند کر دیا۔"

"پھر کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

بلانشے کہنے لگی:۔ "میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میڈم سلویا میرے فلیٹ پر آ جائے گی۔ وہ تو تھینک گاڈ کہ میں کہیں چلی نہیں گئی۔ فلیٹ پر ہی موجود تھی۔ دروازے کی گھنٹی بجی تو میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ سامنے میڈم سلویا کھڑی تھی۔ مین نے اسی وقت ہاتھ اپنے پیٹ پر رکھ لیا اور بستر پر آ کر بیٹھ گئی۔ میڈم نے آتے ہی پوچھا۔ تم بیمار کیوں ہو؟ کیا بیماری ہے تمہیں؟ تم بہانہ کر رہی ہو۔ تم بڑی بہانے ساز ہو گئی ہو۔ مجھے یہ کام چوری بالکل پسند نہیں۔ تمہیں معلوم نہیں، میں نے جرمنی مال کی سپلائی کی تاریخ دے رکھی ہے۔ میں نے کہا میڈم میرا پیٹ خراب ہے۔ ساری رات بیٹھ کر گذاری ہے۔ میں اگر ٹھیک ہوتی تو میں نے پہلے کبھی انکار کیا ہے جو اب انکار کرتی۔ میڈم کھڑی غصے میں بول رہی تھی اور غصے میں بولتی چلی گئی۔

میڈم کھڑی غصے میں بول رہی تھی اور غصے میں بولتی چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے دروازہ بند کر دیا۔ اور کیا کر سکتی تھی۔ اب خدا کے لئے تم مجھے بتاؤ کہ آخر تم نے مجھے بیمار بن جانے کے لئے کیوں کہا تھا؟ آخر مجھے میڈم کی باتیں کیوں سننی پڑیں؟"

اس دوران میں سوچتا رہا کہ بلانشے پر ساری باتیں ظاہر کرنا بہتر ہو گا یا نہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں ہو گا کہ نیکی برباد اور گناہ لازم ہو جائے۔ یعنی بلانشے تو بچ جائے اور میں میڈم کے چنگل میں پھنس کر اس کے انتقام کا نشانہ بن جاؤں۔ میں میڈم کی فطرت سے واقف تھا۔ وہ حاسد بھی تھی اور بے حد انتقام لینے والی عورت بھی تھی۔ لیکن مجھے بلانشے کا خیال بھی تھا۔ میں اسے برباد ہوتے بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ جبکہ میری ذرا سی زبان ہلنے سے وہ بربادی سے بچ سکتی تھی۔ اتنا میں جانتا تھا کہ یہ لوگ وعدے کے بڑے پابند ہوتے ہیں اور جھوٹ بولنے کو بہت بڑا عیب سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اگر بلانشے نے مجھ سے کوئی وعدہ کیا تو وہ اسی ضرور پورا کرے گی۔ میں نے اسے کہا:۔

"اگر تم مجھ سے وعدہ کرو کہ یہ بات کسی کو نہیں بتاؤ گی اور میرا نام نہیں لو گی تو میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔"

بلانشے نے بڑے غور سے میری طرف دیکھا۔

"جیکی! خیریت تو ہے؟ آخر ایسی کونسی بات ہے کہ جس کے لئے تم مجھ سے وعدے لے رہے ہو۔"

میں نے کہا:۔ "بس کچھ ایسی بات ہے۔ پہلے مجھ سے وعدہ کرو۔"

بلانشے کہنے لگی :۔ ”میں تو ویسے بھی کبھی جھوٹ نہیں بولتی لیکن اگر تمہیں یقین نہیں آ رہا تو میں وعدہ کرتی ہوں کہ تم مجھے جو کچھ بتاؤ گے اسے میں اپنے دل میں رکھوں گی اور کسی کے آگے اس کا ذکر نہیں کروں گی۔“

میں نے بلانشے سے کہا:۔

”بلانشے میں تمہاری دوستی اور تمہاری محبت کی بڑی قدر کرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں تم ایک بے ضرر اور سیدھی سادھی عورت ہو۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ میں تمہیں اپنا بہترین دوست سمجھتا ہوں۔ سب سے پہلے میں ایک گناہ کی تم سے معافی مانگوں گا کہ نیویارک کے ٹرپ پر میں نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ تمہارے کیمرے میں جان بوجھ کر ہیروئن بے احتیاطی سے لگائی گئی ہے تاکہ ایئرپورٹ پر پکڑی جاؤ۔“

بلانشے کی آنکھیں حیرت کے مارے کھلی تھیں اور وہ مجھے اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے اسے میری کسی بات کا یقین نہیں آ رہا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا:

”یہ بتانے کی شاید ضرورت نہیں کہ تمہاری گرفتاری کا انتظام کرنے والی میڈم سلویا تھی۔ اس نے مجھے اپنے اعتماد میں لے کر اس گھناؤنی سازش سے آگاہ کر دیا تھا لیکن یہ میری کمینگی تھی، خود غرضی تھی کہ میں خواہش کے باوجود تمہیں اس بھیانک خطرے سے آگاہ نہیں کر سکا۔ میرے کیمرے میں ہیروئن لگائی ہی نہیں گئی تھی۔ وہ تو خوش قسمتی سے تم بچ گئیں۔“

بلانشے نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دیا:

”جیکی! میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ تم میری زندگی تباہ ہوتے دیکھ رہے تھے اور خاموش تھے۔ مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی۔“

اور بلانشے نے ہتھیلیوں میں منہ چھپالیا۔ میں نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور بڑے عجز آمیز لہجے میں کہا:

"بلانشے! پلیز مجھے معاف کر دینا۔ اگر میری نیت ٹھیک نہ ہوتی۔ اگر میں دل سے تمہاری دوستی کی قدر نہ کرتا ہوتا تو تمہیں اس وقت بھی آنے والے خطرے سے آگاہ نہ کرتا۔"

بلانشے نے پرس میں سے ٹشو پیپر نکال کر آنکھوں میں آئے ہوئے آنسو پونچھے اور کہا:

"جیکی! کیا تم ایشیائی لوگ اسی طرح محبت کرتے ہو؟ بہر حال میں تمہیں معاف کرتی ہوں۔ اب بتاؤ۔ اب کیا بات ہے۔"

میں نے کہا:۔ "میڈم سلویا تمہاری پکی دشمن بن گئی ہوئی ہے۔ وہ ہر حال میں تمہیں اپنے راستے سے ہٹانا چاہتی ہے۔ میں نہیں جانتا وہ تم سے کس بات کا انتقام لے رہی ہے۔"

یہاں میں نے اسے نہ بتایا کہ وہ صرف میری وجہ سے اس کی دشمن بنی ہوئی ہے۔ اس کے بعد میں نے بلانشے کو سب کچھ بتا دیا کہ میڈم اسے جرمنی کے ٹرپ پر بھی محض اس لئے بھیج رہی تھی کہ وہ ایئرپورٹ پر پکڑلی جائے۔ بلانشے کا چہرہ غصے کی وجہ سے لال پیلا ہو رہا تھا۔ کہنے لگی:

"میں جانتی ہوں وہ میری دشمن کیوں بنی ہوئی ہے۔ وہ مجھ سے محض تمہاری وجہ سے انتقام لینا چاہتی ہے۔ وہ نہیں چاہتی کہ میں تم سے ملوں۔ تم مجھ سے ملو۔ میں میڈم کی خصلت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ یہ بڑی بدذات عورت ہے۔ کسی چیز کو پسند کرتی ہے تو پھر اس پر قبضہ جمانا چاہتی ہے۔ اسے یہ ہرگز گوارا نہیں ہوتا کہ کوئی دوسرا شخص بھی اس چیز کی ملکیت کا

دعوی کرے۔ خیر میں تمہاری شکر گذار ہوں کہ تم نے پہلی بار نہ سہی لیکن اس بار وقت پر بچالیا۔"

میں نے کہا:۔"اس نے میرے پیچھے اپنا ایک جاسوس بھی لگادیا ہے۔۔۔وہ میرے فلیٹ والی بلڈنگ کے آس پاس کہیں منڈلاتا رہتا ہے اور میڈم کو میری نقل و حرکت کی خبر دیتا ہے۔ جس رات تم مجھ سے ملنے میری فلیٹ پر آئی تھیں۔ اس کے دوسرے دن میڈم میرے پاس آئی اور اس نے مجھ سے پوچھا کہ بلانشے رات تمہارے پاس کیا لینے آئی تھی۔ اس سے ثابت ہو گیا تھا کہ کوئی آدمی بلڈنگ کے باہر اس بات کی خبر رکھتا ہے کہ مجھ سے کون ملنے آیا اور کون مل کر گیا ہے۔"

بلانشے نے کہا:۔"ان باتوں کو چھوڑو۔ میڈم سلویا مجھے پھانسی نہیں لگوا سکتی۔ میں اس کے گروپ سے الگ ہو جاؤں گی تو وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ اگر اس کے کرائے کے غنڈے مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کریں گے تو میں میڈم کو صاف صاف کہہ دوں گی کہ میں اخباروں میں بیان دے کر اس کی نام نہاد شرافت کا پول کھول دوں گی۔ اس کے بعد میڈم خاموش ہو جائے گی۔ مگر تم جو اس کے جال میں پھنس گئے ہو۔ تم اپنا آپ اس سے کیسے بچاؤ گے؟ تم یہاں اجنبی ہو۔ تمہیں کوئی نہیں جانتا۔ آج میڈم تمہیں چاہتی ہے تو کل جب اس کا جی تم سے بھر جائے گا تو تمہیں اٹھا کر ٹریش کین میں پھینک دے گی۔ اسکا ٹریش کین میں پھنکوانے کا طریقہ بڑا بھیانک ہوتا ہے۔ وہ اپنے آدمیوں سے تمہیں اٹھوا کر سانپوں کی وادی میں پھنکوا دے گی۔ اگر ایسا ہوا تو مجھے بے حد افسوس ہو گا۔"

یہ سن کر میرے سارے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ میرا چہرہ زرد پڑ گیا۔ میں نے کانپتے ہوئے بلانشے سے پوچھا:

"ان حالات میں تم مجھے کیا مشورہ دیتی ہو؟"

بلانشے نے سگریٹ سلگایا۔ ایک دو سیکنڈ کے لئے کچھ سوچا۔ پھر کہنے لگی:

"میرا مشورہ تو یہی ہے کہ یہاں سے بھاگ جاؤ۔ تمہارا اصلی پاسپورٹ تمہارے پاس موجود ہے۔ ہوائی جہاز کا ٹکٹ لو اور پیرس سے سیدھا اپنے وطن کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ اگرچہ تمہاری جدائی کا مجھے دکھ ضرور ہو گا مگر مجھے بھی تمہاری زندگی عزیز ہے۔"

میں سوچنے لگا کہ بلانشے بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ میں جس دلدل میں دھنستا چلا جا رہا تھا وہ مجھے زندہ چھوڑنے والی دلدل نہیں تھی۔ بلانشے کے ساتھ میڈم جو ظالمانہ سلوک کر رہی تھی۔ اس نے مجھے خبردار کر دیا تھا۔ اگر وہ اپنی پرانی سہیلی کو معاف نہیں کر سکتی تو مجھے ایک غیر ملکی کو کیسے معاف کرے گی۔ بلانشے نے ٹھنڈی کافی کا گھونٹ بھرنے کے بعد کہا:

"میں بھی سوچ رہی ہوں کہ میڈم سے جنگ کرنے کی بجائے برازیل چلی جاؤں۔ وہاں میری ایک سہیلی رہتی ہے۔ میں اس کے پاس چلی جاؤں گی اور وہاں کوئی جاب کر کے سکون کی زندگی بسر کروں گی۔ یہ عورت بڑی خطرناک اور قاتل قسم کی عورت ہے۔ میں اس کے ساتھ پورا نہیں اتر سکتی۔"

وہ چپ ہو گئی۔ وہ پریشان ہو گئی تھی۔ میں بھی خاموش تھا۔

"سب سے پہلے تو میں اپنا فلیٹ تبدیل کرتی ہوں۔" بلانشے نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔۔۔ "کیونکہ بہت ممکن ہے میڈم اپنے کسی آدمی سے میرے فلیٹ میں ناجائز منشیات کا پیکٹ رکھوا کر پولیس کا چھاپہ ڈلوا کر مجھے گرفتار کرا دے۔ کچھ عرصہ پہلے اس نے اپنے گروہ کی ایک عورت کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔ وہ عورت جیل میں پندرہ سال کی سزا بھگت رہی ہے۔"

"تم کہاں جاؤ گی؟ میڈم وہاں بھی تمہارا پیچھا کر سکتی ہے۔ اور تمہارے فلیٹ میں کوکین رکھوا سکتی ہے۔"

بلانشے نے کہا:۔ "میں جہاں بھی جاؤں گی' اس کا ایڈریس میڈم کو نہیں دوں گی۔ یہی کہوں گی کہ میں اپنی ایک سہیلی کے گھر منتقل ہو گئی ہوں۔ اس کے بعد میں برازیل جانے کو کوشش کروں گی۔ برازیل کا ویزہ مشکل سے ملتا ہے مگر میں یہ مشکل حل کر لوں گی۔"

میں نے بلانشے کو محتاط رہنے کی ہدایت کرتے ہوئے کہا:

"تم مجھے میرے فلیٹ پر فون نہ کرنا۔ میرا فون میڈم کے آدمی ٹیپ کرتے ہیں۔"

"تو پھر تمہارا میرا رابطہ کیسے قائم رہے گا؟" بلانشے نے پوچھا۔

میں نے کہا:۔ "میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ یہی ہو سکتا ہے کہ تم مجھے کسی کے ہاتھ میرے فلیٹ پر اپنے نئے فلیٹ کا پتہ اور فون نمبر بھجوا دینا۔ میں خود تمہیں فون کر لوں گا۔"

"ہاں۔۔۔ یہی ہو سکتا ہے۔" بلانشے نے مایوسی کے انداز میں کہا۔

ہم ریستوران میں کچھ دیر اور بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ بلانشے کہنے لگی:

"میں زیادہ دیر بیمار بن کر نہیں رہ سکتی۔ میڈم مجھے ضرور کسی ٹرپ پر بھیجنے کے لئے کہے گی۔ لیکن میں نہیں جاؤں گی۔ میں کوئی اور بہانہ بنا کر پیرس سے بظاہر غائب ہو جاؤں گی۔ میں اسے کہوں گی کہ میری ایک آنٹی مارسیلز میں رہتی ہے' وہ بیمار ہے اس کے پاس جا رہی ہوں۔ بہرحال میں تمہیں ضرور خبر کر دوں گی۔ تم سے ضرور ملتی رہوں گی۔"

بلانشے کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔ اس کے بعد ہم ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ پہلے بلانشے ریستوران سے نکلی۔ اس کے بعد میں باہر آگیا۔ ٹیکسی پکڑی اور اپنے فلیٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ فلیٹ پر آکر میں نے کپڑے بدلے اور بستر میں لیٹ گیا۔ ذہن اس قدر پریشان تھا کہ نیند نہیں آرہی تھی۔ نیند کی دو گولیاں کھائیں اور سو گیا۔

دوسرے دن دس بجے میڈم سلویا کا فون آنے والا تھا۔ نیند کی گولیوں کی وجہ سے میں دیر تک سویا رہا۔ جب آنکھ کھلی تو دن کے پونے دس بج رہے تھے۔ میڈم کا فون آنے میں پندرہ منٹ رہتے تھے۔ میں نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا۔ ناشتہ تیار کیا اور سوچنے لگا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ آیا میں میڈم کے چنگل سے نکل کر واپس پاکستان چلا جاؤں یا یہیں رہ کر زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کے بعد وطن میں واپس جاؤں؟ بلانشے کے معاملے میں مجھے اپنی زندگی ابھی اتنی خطرے میں گھری ہوئی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ میں مرد تھا۔ مصیبت کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ اور پھر ہو سکتا ہے بلانشے کا خیال غلط ہو۔ میڈم میرے ساتھ ایسا سلوک نہ کرے جو وہ بلانشے کے ساتھ کر رہی ہے۔ آخر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ میں جتنی جلدی جلدی دولت کما سکتا ہو' کمالوں۔ پھر پیرس سے بھاگ کر لندن اپنے دوست فیروز کے پاس چلا جاؤں گا اور وہاں سے

واپس پاکستان روانہ ہو جاؤں گا۔ مجھے دولت جمع کرنے کا جو موقع میڈم سلویا نے فراہم کر دیا تھا' اس نے میری آنکھوں پر اندھی پٹی باندھ دی تھی۔

مجھے اس سنہری موقع سے محتاط رہتے ہوئے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہئے۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ظاہر ہے یہ میڈم کا فون ہی ہو سکتا تھا۔ میں نے سٹنگ روم میں آ کر ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے میڈم سلویا کی آواز آئی۔

"سو رہے تھے کیا؟"

میں نے کہا:۔ "نہیں میڈم! جاگ رہا تھا۔ تمہارے فون کا انتظار کر رہا تھا۔"

میڈم نے بڑی لگاوٹ کے ساتھ پوچھا:

"کیا تمہیں میرے فون کا انتظار بھی ہوتا ہے؟"

میں نے میڈم سلویا کو خوش کرنے کے لئے کہا:

"میڈم! آپ کے سوا میرا اس ملک میں اور کون ہے جس کے فون کا مجھے انتظار ہو گا؟"

میڈم نے فوراً کہا:

"بلانشے جو ہے۔ وہ بھی تو تمہیں فون کرتی ہے' تمہیں اس کے فون کا بھی انتظار رہتا ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر مجھے بتاؤ۔"

میں نے خالص ایشیائی انداز میں جھوٹ پر جھوٹ بولنا شروع کر دیا اور میڈم کو یقین دلانے کی کوشش کرنے لگا کہ بلانشے سے میرا کوئی ایسا ویسا

تعلق نہیں ہے۔ اب تو میں اسے کبھی ملتا بھی نہیں ہوں۔ میڈم کو خدا جانے یقین آیا یا نہیں آیا۔ وہ کہنے لگی:

"ان باتوں کو چھوڑو۔ جو حقیقت ہے وہ تم بھی جانتے ہو اور میں جانتی ہوں۔ میں نے تمہیں صرف یہ بتانے کے لئے فون کیا ہے کہ آج رات تم ڈنر میرے ساتھ کرو گے۔ میری گاڑی تمہیں لینے ٹھیک رات نو بجے آجائے گی۔"

اور اس نے فون بند کر دیا۔

"سارا دن میں نے پیرس شہر کی پارکوں ' عجائب گھروں اور ریستورانوں میں گھوم پھر کر گذار دیا۔ شام کو واپس فلیٹ پر آیا۔ ٹھیک نو بجے رات میڈم کی گاڑی آگئی۔ میں ساڑھے نو بجے میڈم کے بنگلے پر پہنچ گیا۔ میڈم کا چہرہ بتا رہا تھا کہ کوئی ناخوشگوار بات ہوگئی ہے۔ میں گڈ ایوننگ کہہ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ میڈم کچھ لمحے بالکل چپ چاپ بیٹھی رہی۔ اس کے بعد میری طرف دیکھے بغیر پوچھا:

"کل دن کے وقت تم بلانشے سے ملے تھے؟ تم لاڈیگاس ریستوران میں اس کے ساتھ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بیٹھے رہے تھے۔"

پھر اچانک میری طرف دیکھنے لگی۔ اس کی سرد بھوری آنکھوں سے چنگاریاں سی پھوٹ رہی تھیں۔ غصے میں بولی:

"وہ حرام زادی مجھے یہ کہتی ہے کہ میں بیمار ہوں۔ میرا پیٹ خراب ہے۔ میں کام پر نہیں جاسکتی اور تمہارے ساتھ گھنٹہ گھنٹہ بھر بیٹھی رہتی ہے۔ میں اس سے نمٹ لوں گی۔"

میں سمجھ گیا کہ میڈم کا جاسوس میرے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اس نے ساری اطلاع میڈم کو پہنچادی ہوگی۔ میں نے خفت مٹانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا:

"میڈم! مجھے بالکل معلوم نہیں کہ بلانشے بیمار تھی' وہ تو اسکا فون آگیا کہ میں تمہارے ساتھ کافی پینا چاہتی ہوں اور میں چلا گیا۔"

میڈم سلویا نے مجھے کھاجانے والی نظروں سے دیکھا اور کہنے لگی:

"میں تم مردوں سے اچھی طرح واقف ہوں تم عورتوں کے قریب بیٹھنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔"

آہستہ آہستہ میڈم کا پارہ اترنے لگا۔ جب اس کا مزاج میرے اندازے کے مطابق معمول پر آگیا تو اس نے مسکراتے ہوئے کہا:

"تم سے بھی مجھے شکایت ہے۔ سخت شکایت ہے' تم کو دوست دشمن کی بالکل پہچان نہیں ہے۔ کیا تم ابھی تک نہیں سمجھ سکے کہ میں ہی اس شہر میں تمہاری دوست ہوں۔"

میں نے فوراً کہا:۔"میڈم! یہ بات تو میں نے تم سے ٹیلی فون پر بھی کہی تھی کہ میرا سوائے تمہارے پیرس میں دوسرا کوئی دوست یا ہمدرد نہیں ہے۔"

میں دل میں خوش ہوا کہ میڈم کا دل میری طرف سے صاف ہو گیا ہے۔ مجھے کچھ عرصے تک اسے اپنا دوست بنائے رکھنے کی ضرورت تھی۔ میں اس کی وساطت سے اس کے ذریعے سے کم از کم پندرہ سولہ لاکھ ڈالر کمانے کے بعد پاکستان واپس جانا چاہتا تھا تا کہ اپنے وطن جاکر بڑی شان سے کوئی کاروبار شروع کرسکوں اور عیش و آرام کی زندگی بسر کروں۔ لیکن میڈم کئی

رنگ کی عورت تھی۔ اس کے کئی چہرے تھے۔ بظاہر اس نے یہی ظاہر کیا تھا کہ اسکا دل میری طرف سے صاف ہو گیا ہے لیکن حقیقت یہ تھی (جس کا مجھے بعد میں علم ہوا) کہ اس کو میرا بلانشے سے ریستوران میں جاکر ملاقات کرنا اس قدر برا لگا تھا کہ اس نے مجھے سبق سکھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ یہ سبق ایسا بھیانک تھا کہ جب آپ کو آگے چل کر معلوم ہو گا تو آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے کہ میڈم سلویا جیسی عورت ایسی گھناؤنی حرکت بھی کر سکتی ہے۔

ہم دونوں نے بڑے خوشگوار ماحول میں ڈنر کیا۔ میڈم نے شیری کچھ زیادہ چڑھالی تھی۔ وہ مجھے لطیفے بھی سناتی رہی۔ میں نے حسب عادت شیری کا صرف آدھا گلاس ہی پیا تھا اور میں اپنے ہوش و حواس میں تھا۔ ڈنر کے بعد کافی کا دور چلا۔ وہ رات مجھے میڈم سلویا کے ہاں ہی گذارنی پڑی اور میں ہی جانتا ہوں کہ کسی عذاب کی رات میں نے گذاری۔ واقعی میڈم سلویا جنس زدہ مریض عورت تھی۔ آدھی رات کو وہ کچن سے چاقو لے آئی اور میرے گریبان کو پھاڑ دیا اور بولی:

"میں تمہارے سینے کے کالے سیاہ بالوں کو کاٹ ڈالوں گی۔ یہ میرے دشمن ہیں۔ ان بالوں نے مجھے ایک ایشیائی کے آگے ذلیل کر دیا ہے۔ ۔۔۔"

خدا جانے وہ کیا کیا واہی تباہی بکتی رہی۔ اسے بہت زیادہ چڑھ گئی تھی۔ میں سوچتا کہ بھاگ جاؤں مگر دروازہ اس نے لاک کر دیا ہوا تھا۔ بھاگ بھی نہیں سکتا تھا۔ خدا خدا کر کے وہ بے سدھ ہو کر صوفے پر پڑ گئی اور خراٹے لینے لگی۔ میں نے سوچا کہ اب بھاگنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ اگر اسے چھوڑ کر چلا گیا تو کل وہ سخت ناراض ہو گی اور مزید میری

دشمن بن جائے گی۔ مجھے بھی نیند آ رہی تھی۔ میں نے میڈم سلویا کو صوفے پر ہی پڑا رہنے دیا اور خود پلنگ پر گر کر سو گیا۔

آنکھ کھلی تو سب سے پہلے میری نظر صوفے کی طرف اٹھی۔ میڈم صوفے پر نہیں تھی۔ میں اٹھ کر دوسرے کمرے میں گیا۔ وہاں میڈم ہلکے نیلے لباس میں صوفے پر بیٹھی تھی۔ ایک ہاتھ میں کافی کی پیالی تھی۔ وہ اخبار پڑھ رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے اخبار دوسری طرف رکھ دیا۔

"تم بہت دیر تک سوتے ہو جیکی۔ میں تو صبح صبح اٹھ بیٹھی تھی۔"

میں اب اس فکر میں تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے' اپنے فلیٹ پر پہنچوں۔ میڈم واقعی چاق و چوبند تھی۔ رات کی سرمستیوں کا اس پر ذرا سا بھی اثر معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ کوئی ایک گھنٹہ مزید مجھے میڈم کے بنگلے پر گذارنا پڑا۔ اس کے بعد اس کی گاڑی مجھے میرے فلیٹ پر چھوڑ گئی۔

فلیٹ میں آتے ہی میں بستر پر گرا اور ایسا سویا کہ جب اٹھا تو دن کے تین بج رہے تھے۔ میرا باہر جانے کو ذرا جی نہیں چاہ رہا تھا۔ کافی بنا کر پی اور ٹی وی دیکھنے لگا۔ شام تک ٹی وی دیکھتا رہا۔ رات کے کوئی آٹھ بجے کے قریب کمرے کی گھنٹی بجی۔ میں نے دروازہ کھولا۔ باہر ایک عورت کھڑی تھی۔ یہ نیگرو عورت تھی۔ مگر رنگ اتنا کالا نہیں تھا۔ اس نے انگریزی میں پوچھا:

"کیا مسٹر جیکی کا یہی فلیٹ ہے؟"

میں نے کہا:۔ "یس میڈم! میں ہی جیکی ہوں۔"

اس عورت نے ایک بند لفافہ میرے حوالے کیا اور کہا:

"یہ تمہارے لئے ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ الٹے قدم واپس چلی گئی۔

میں نے دروازہ بند کر کے لفافہ کھولا۔ سفید کاغذ پر انگریزی میں لکھا تھا:

"پیارے جیکی! میں بلانشے ہوں۔ بلانشے جو تمہیں اپنا بہترین دوست سمجھتی ہے نیچے میں اپنے نئے فلیٹ کا نمبر' پتہ اور ٹیلی فون نمبر لکھ رہی ہوں۔ مجھے فون بھی کرنا اور مجھ سے ملنے بھی آنا۔

بلانشے"

میں نے بلانشے کا فلیٹ نمبر' فون نمبر اور ایڈریس ایک الگ کاپی پر نوٹ کر لیا۔ اپنے فلیٹ سے میں اسے فون نہیں کر سکتا تھا۔ سوچا کل اسے شہر کے کسی دور دراز علاقے میں جا کر ٹیلی فون بوتھ سے فون کروں گا۔

دوسرے روز بھی میڈم سلویا کا فون آ گیا۔ میں نے سمجھا کہ پھر کوئی مصیبت نازل ہونے لگی ہے۔ مگر خیریت گذری۔ اس نے مجھے بلایا نہیں تھا۔ صرف اتنا کہا:

"ہو سکتا ہے کہ تمہیں جرمنی کا بھی ایک پھیرا لگانا پڑے۔ میں تمہیں ایک دو روز میں بتا دوں گی۔ اگر تمہارا جانا ہوا تو اس بار تم اکیلے ہی جاؤ گے۔ تم تیار رہنا۔"

میں نے کہا:۔ "میں بالکل تیار رہوں گا میڈم"

اس نے فون بند کر دیا۔ وہ دن بھی میرا ایک طرح سے بیکار دن ہی تھا۔ سوچا بلانشے کو فون کرنے کی بجائے کیوں نہ اس کے فلیٹ پر چلا جاؤں۔ پھر جاسوس کا خیال آ گیا جو میڈم نے میرے پیچھے لگا دیا تھا اور جو میری پہلے بھی بڑی کامیاب مخبری کر چکا تھا۔ بلانشے کو فون کرنے کی بجائے دل یہی چاہتا تھا کہ اس کے نئے فلیٹ پر جا کر اسے ملوں۔ اصل میں مجھے بھی اس جرائم پیشہ

لڑکی سے کچھ کچھ محبت ہوگئی تھی۔ ویسے تو اپنے ملک میں ہم لوگ بڑی جلدی عورت پر عاشق ہوجاتے ہیں لیکن یورپ میں آ کر میں نے سوچ سمجھ کر محبت کرنا بھی سیکھ لیا تھا۔ اصل میں عورت سے محبت بڑی سوچ سمجھ کر کرنی چاہئے۔ بغیر سوچے سمجھے محبت صرف درختوں، جنگلوں، پھولوں، بارشوں، برف باریوں، سرسبز وادیوں میں چمکتی سنہری دھوپ، بہتے دریاؤں اور بانس کے درختوں کے پاس اکیلے بیٹھ کر پی جانے والی چائے ہی سے کرنی چاہئے۔ جن تمام مظاہرات قدرت کا میں نے نام لیا ہے، اصل میں یہی چیزیں محبت کرنے کے لائق ہیں۔ باقی سب فریب ہی فریب ہے۔ لیکن کیا کریں، ہمیں یہ فریب کھانا پڑتا ہے۔ بلکہ قدرت خود چاہتی ہے کہ ہم عورت سے محبت کرنے کا فریب کھائیں۔

میں بلانشے کے نئے فلیٹ پر جانے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔ ایسی ترکیبیں کہ میں اپنے پیچھے لگائے گئے میڈم کے جاسوس کو جھانسہ دے کر بلانشے کے فلیٹ پر پہنچ جاؤں۔ اچانک مجھے پرانے پیرس کے ایک ریستوران کا نام یاد آ گیا۔ شاتوبویاں۔۔۔۔ اس نام کا فرانس کا ایک افسانہ نگار نویس بھی ہو گذرا ہے۔ یہ ریستوران اسی کے نام پر تھا۔ میں ایک بار وہاں گیا تھا۔ ویسے تو ہر کلب، ریستوران وغیرہ کے عقبی دروازے ہوتے ہیں لیکن اس ریستوران کا پچھلا دروازہ میں نے دیکھا ہوا تھا۔ میں نے سوچا کہ میڈم سلویا کے جاسوس کو اسی ریستوران میں جھانسہ دیا جاسکتا ہے۔

جب رات ہوگئی تو میں نے نہا دھو کر کپڑے تبدیل کئے۔ فلیٹ کا دروازہ بند کرکے لفٹ کے ذریعے نیچے لابی میں آیا اور بڑے مزے سے ٹہلتا ٹہلتا بلڈنگ سے نکل گیا۔

مجھے معلوم تھا کہ میڈم کا جاسوس میرے پیچھے لگ گیا ہو گا۔ یورپ میں ایسے جاسوسی کے پرائیویٹ ادارے ہیں کہ آپ ان کی فیس ادا کر کے ایک جاسوس کرائے پر لے سکتے ہیں۔ میڈم نے ایسا عیار جاسوس کرائے پر لیا تھا کہ کم بخت پچھلی بار میں نے بس بھی تبدیل کی مگر وہ میرے پیچھے لگا رہا۔

اس بار مجھے یقین تھا کہ میں اسے دھوکا دینے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ میں نے سڑک والے بس سٹاپ سے بس پکڑی اور دریائے سین کے دوسری طرف پرانے پیرس کے ایک سٹاپ پر اتر گیا۔ رات کا وقت تھا۔ لیکن یہ پیرس شہر تھا، کوئی ماموں کانجن نہیں تھا۔ سڑک دن کی طرح روشن تھی۔ ایسی ایسی مرکری لائٹیں روشن تھیں کہ فٹ پاتھ پر گری ہوئی سوئی بھی آسانی سے نظر آ جاتی تھی۔

ریستوران شاتو بویاں وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ میں کچھ دور تک دریا کے کنارے کنارے فٹ پاتھ پر چلتا رہا۔ اس کے بعد ایک جگہ پل پر سے دریا پار کیا۔ دوسری طرف آ گیا۔ یہاں سے ایک قدرے گنجان علاقے میں داخل ہو گیا۔ ایک مقام پر آ کر بازار دو گلیوں میں بٹ گیا تھا۔ یہاں کونے پر شاتو بویاں کا ریستوران تھا۔ میں بڑے آرام سے قدم اٹھاتا ریستوران کے اندر چلا گیا۔ اندر جاتے ہی میں اتنی تیزی سے بھاگا کہ جیسے میرے پیچھے

کوئی پولیس لگ گئی ہو۔ ریستوران میں کچھ لوگوں نے میری طرف حیرانی سے دیکھا مگر میں ہال روم سے ہو کر راہداری میں سے گزرتا ہوا عقبی دروازے میں ریستوران کی دوسری جانب نکل کر ایک گلی میں دوڑتا ہی چلا گیا۔ مجھے یقین تھا کہ اتنی جلدی جاسوس ریستوران کے دوسری طرف نہیں آسکے گا۔ وہ ریستوران میں داخل بھی نہیں ہوا ہو گا کہ میں اس کے دوسری طرف بھاگا جا رہا تھا۔ وہاں مجھے ایک خالی ٹیکسی مل گئی۔ میں اس میں دروازہ کھول کر بیٹھ گیا اور ڈرائیور سے فرانسیسی میں کہا۔

"ای فل ٹاور چلو۔"

پیرس کے ٹیکسی ڈرائیور اس قسم کے گاہکوں کے عادی ہوتے ہیں جو دوڑتے ہوئے آکر ان کی گاڑی میں سوار ہو جاتے ہیں اور یا تو کہتے ہیں کہ فلاں گاڑی کا پیچھا کرو اور یا کہتے ہیں کہ یہاں سے فوراً نکل چلو۔ کیونکہ پیرس میں اس قسم کے واقعات ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ ٹیکسی ڈرائیور جیسے پہلے ہی سے تیار بیٹھا تھا۔ فوراً گاڑی سٹارٹ کر دی اور تیزی سے وہاں سے نکل کر بڑی سڑک پر آگیا۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا اور تب ڈرائیور کو اس علاقے میں چلنے کو کہا جہاں بلانشے رہتی تھی۔

جیسا کہ میں نے آپ کو پہلے بتایا تھا کہ یہ علاقہ شہر کے شمال کی جانب کافی فاصلے پر تھا' وہاں ٹیکسی کو جاتے جاتے پورا آدھا گھنٹہ لگ گیا تھا۔ اسے سارے پیرس شہر میں سے گزرنا پڑا۔ میں بلانشے کے بتائے ہوئے چوک میں اتر گیا اور عمارتوں کے نمبر پڑھتا فٹ پاتھ پر چلنے لگا۔ ایک بلڈنگ پر وہی نام اور نمبر لکھا تھا جو بلانشے نے مجھے لکھ کر بھیجا تھا۔ میں خوش ہو گیا اور بلڈنگ کی لابی میں آکر بورڈ پر وہاں رہنے والوں کے نام دیکھنے لگا۔ نیچے جا کر ایک جگہ

بلانشے کا نام لکھا تھا۔ آگے فلیٹ کا نمبر بھی تھا۔ یہ فلیٹ چوتھی منزل پر تھا اور اسکا نمبر ۴۰۶۲ تھا۔

بلانشے کے فلیٹ کا دروازہ بند تھا۔ میں نے کال بیل دی۔ اندر سے کسی نے سوراخ کے آگے سے لوہے کی پتری ہٹا کر مجھے دیکھا اور پھر جلدی سے دروازہ کھل گیا۔ سامنے بلانشے بازو کھولے کھڑی تھی۔ وہ مجھ سے لپٹ گئی۔ میں نے کہا۔

"بلانشے تم نے کافی دور فلیٹ لیا ہے۔"

وہ بولی :۔"کیا کروں۔ تمہاری میڈم میرا پیچھا نہیں چھوڑتی۔"

میں نے کہا :۔"وہ میرا پیچھا بھی نہیں چھوڑتی۔"

"اسکا جاسوس کہاں ہے؟" بلانشے نے پوچھا۔

میں ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"اپنی طرف سے تو جھانسہ دے کر نکل آیا ہوں۔ اب مجھے پتہ نہیں کہ وہ میرے جھانسے میں آیا ہے یا نہیں۔ ہو سکتا ہے میرا تعاقب کر کے یہاں پہنچ گیا ہو۔"

بلانشے نے سٹنگ روم کی شیشے کی دیوار کا ریشمی پردہ ایک طرف سے ہٹا کر نیچے پارکنگ میں دیکھا۔ کہنے لگی۔

"یہاں سے تو کچھ پتہ نہیں چلتا۔ لیکن اگر وہ ہو گا بھی تو کہیں چھپ کر کھڑا ہو گا۔"

میں نے بے نیازی سے کہا۔

"چھوڑو اسے اب آ گیا ہوں۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

میں فلیٹ کا جائزہ لینے لگا۔ بلانشے کچن کی طرف جاتے ہوئے بولی۔

"میرا نیا فلیٹ پسند آیا؟"

میں نے کہا:۔"یہ تو بڑا صاف ستھرا ہے۔ تم نے سجایا بھی خوب ہے۔"

"تمہارے لئے کافی بناؤں یا بیئر پیو گے؟"

میں نے کہا:۔"نہیں۔ اس وقت کافی کو جی چاہتا ہے۔"

بلانشے کافی بنا کر لے آئی۔ ہم سٹنگ روم میں بیٹھ کر کافی پینے اور باتیں کرنے لگے۔ میڈم سلویا کے معاملے میں ہم ایک دوسرے کے ہم راز ہو گئے تھے۔ میں نے اسے بتایا کہ کل رات میڈم نے مجھے اپنے ہاں ڈنر پر بلایا تھا۔

"تم سے محبت جو کرتی ہے وہ۔"

بلانشے نے طنز کی۔ میں نے کہا۔

"ایسی بات نہیں ہے بلانشے۔ بات یہ ہے کہ وہ تمہاری جگہ مجھے مال کی سپلائی دے کر جرمنی بھیجنا چاہتی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے کہیں وہ مجھے پھنسانا تو نہیں چاہتی؟۔"

میں نے بلانشے کو یہ بتایا کس اس روز جو ہم ریستوران میں دیر تک بیٹھے رہے' میڈم کے جاسوس نے اس کی مخبری کر دی تھی۔

"ڈنر کے وقت کل رات وہ مجھ پر بھی برس پڑی کہ بلانشے سے تو میں نمٹ لوں گی۔ میں اس کو ایسی جگہ پھینکوں گی جہاں وہ بھوکی پیاسی مر جائے گی، لیکن تمہیں بھی میں سمجھ لوں گی جو میرے دشمنوں سے چھپ چھپ کر ملتے ہو اور میرے خلاف سازشیں کرتے ہو"

بلانشے نے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا۔

"یہ تو شیطان کی نانی ہے۔ جیکی! میں نے تو اپنے آپ کو غائب کر لیا ہے۔ پیرس ایسا شہر ہے جہاں آدمی اپنے آپ کو کچھ دیر کے لئے غائب کر سکتا ہے۔ میں اب اس کے نزدیک بھی نہیں پھٹکوں گی۔ وہ تو مجھے قتل کروا دے گی۔ تم نہیں جانتے۔ اسکا مافیا بڑا طاقتور ہے۔ یہ لوگ بڑی آسانی سے ایک دوسرے کا خون کر دیتے ہیں۔"

میں نے کہا۔

"تو پھر میں کیا کروں؟ مجھے تو کوئی مشورہ دو۔ وہ تو میرے بھی خلاف ہو گئی ہے۔"

بلانشے نے میرے بالوں کو سہلاتے ہوئے کہا۔

"پیارے جیکی! تمہاری تو وہ ابھی تک عاشق ہے۔ تمہیں ابھی کچھ نہیں کہے گی۔ ہاں اسے اس بات کا یقین ہو جانا چاہیے کہ تم مجھ سے یعنی بلانشے سے نہیں ملتے۔"

میں نے کہا۔

"لیکن تم سے ملے بغیر میں تو نہیں رہ سکتا۔ اور پھر میں اسکا زر خرید غلام بھی نہیں ہوں کہ وہ جس کو کہے مل لوں۔ جس کو ملنے سے منع کرے اسے نہ ملوں۔"

بلانشے نے کافی کی پیالی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"جیکی! پاگل مت بنو۔ ابھی مجھے مت ملو۔ جب تم اس بات کا فیصلہ کر لو گے کہ تمہیں میڈم کو چھوڑ دینا ہے تو پھر جو چاہے کرنا۔ لیکن ابھی تم اس پوزیشن میں نہیں ہو۔ اس لئے جس طرح کہتی ہے اسی طرح کرتے جاؤ۔"

وہ اٹھ کر کچن کی طرف برتن لے کر چلی گئی۔ اندر سے اسکی آواز آئی۔

"میں پیرس میں بھی زیادہ دیر تک میڈم کی نظروں سے غائب ہو کر نہیں رہ سکتی۔ اس کی مافیا کا جال سارے شہر میں پھیلا ہوا ہے۔ بہت جلد وہ میرا پتہ چلا لے گی۔"

"پھر تم کیا کرو گی؟ کہاں جاؤ گی؟۔" میں نے پوچھا۔

بلانشے کچن سے نکل کر میرے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی اور سگریٹ جلاتے ہوئے کہنے لگی۔

"میں آج برازیل کی ایمبیسی گئی تھی۔ وہاں میری ایک جاننے والی لڑکی کام کرتی ہے۔ اس نے بتایا تھا کہ برازیل کے سفارت خانے سے دو ماہ کے لئے فرانس کے کسی بھی شہری کو ویزے دینے بند ہو گئے ہیں۔ صرف سرکاری افسروں' بڑے صنعتکاروں اور ان لوگوں کو ویزے دیئے جاتے ہیں جن کی فیملی برازیل میں رہ رہی ہے۔"

بلانشے کا چہرہ اداس سا ہو گیا تھا۔ سگریٹ کا دھواں چھوڑتے ہوئے کہنے لگی۔

"میں تو کہتی ہوں چلو ہم دونوں امریکہ بھاگ جاتے ہیں۔ امریکہ کا ویزا تو ہمیں آسانی سے مل جائے گا۔ ایک بار ہمارے پاسپورٹ پر ویزا بھی لگ گیا ہے۔"

ایک بار تو خیال آیا کہ بلانشے کے ساتھ امریکہ بھاگ جاؤں پھر سوچا کہ امریکہ میں اتنی دولت نہیں کما سکوں گا کہ جتنی میڈم سلویا کے ساتھ پیرس میں رہ کر کما سکتا ہوں۔ امریکہ میں تو کوئی چھوٹی موٹی نوکری کرتے عمر گزر

جائے گی۔ میں نے اپنے دل کا حال تو بلانشے پر ظاہر نہ کیا۔ یہی کہا کہ میں ابھی امریکہ نہیں جانا چاہتا۔ اپنے وطن سے بہت دور ہو جاؤں گا۔ یہاں سے تو سات آٹھ گھنٹوں میں پاکستان پہنچ جاؤں گا۔

بلانشے کہنے لگی۔

"پہلے میں نے سوچا تھا کہ ہم دونوں میڈم سلویا سے الگ ہو کر یورپ میں اپنا دھندا شروع کریں گے۔ اب ایسا بھی نہیں کر سکتے۔ میڈم خاص طور پر میری جانی دشمن بن گئی ہے۔ اسے پتہ چلے گا کہ میں اپنا ایک الگ مافیا بنا رہی ہوں تو وہ مجھے کہاں معاف کرے گی۔"

میں نے بلانشے سے ہمدردانہ انداز میں کہا۔

"تو پھر تم کہاں جاؤ گی؟ مجھے تمہاری زندگی کی فکر لگی ہوئی ہے بلانشے۔ میڈم ہمیں ہر حالت میں ختم کر دینا چاہتی ہے۔ میں نے اسکی ساری زہریلی باتیں سنی ہیں۔ میں تو کہتا ہوں تم روس چلی جاؤ۔ وہ بالکل دوسری قسم کا ملک ہے۔ وہاں یہ عورت تمہارا پیچھا نہیں کر سکتی۔"

"روس جا کر کیا کروں گی؟" بلانشے نے طنزیہ مسکراتے ہوئے کہا۔

"روس تو کیمونسٹ ملک ہے۔ پہلے تو مجھے وہاں کا ویزا ہی نہیں ملے گا۔ ویسے بھی وہاں بڑی بیکاری ہے۔ اس سے امریکہ کہیں بہتر ہے۔ میرا خیال ہے کہ مجھے امریکہ کا ویزا لگوا ہی لینا چاہیے۔"

ہم نے اکٹھے کھانا کھایا۔ اس کے بعد بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔ میں نے بلانشے سے کہا۔

"تم مجھے بالکل فون نہ کرنا۔ میں تمہیں خود فون کروں گا اور کہیں باہر کسی تھیٹر یا آپیرا ہاؤس میں ملیں گے۔"

بلانشے خوش ہو کر بولی :۔"ہاں کوئی آپیرا دیکھیں گے۔"

میں واپس جانے لگا تو بلانشے جلدی سے اٹھ کر شیشے والی دیوار کی طرف گئی۔ اس نے ذرا سا پردہ ہٹا کر نیچے دیکھا۔

میرے پاس آکر کہا۔

"مجھے تو نیچے پارکنگ میں کوئی آدمی نظر نہیں آیا۔"

میں نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"تم فکر نہ کرو۔ جاسوس یہاں تک نہیں آیا ہو گا۔ میں نے اسے زبردست دھوکا دیا تھا۔ او کے۔ میں جاتا ہوں۔ کل کسی وقت فون کروں گا۔"

بلانشے نے کہا۔

"کل شام کے وقت کرنا۔ دن میرا بڑا مصروف گزرے گا۔"

"او کے۔ بائی۔"

اور میں بلانشے سے رخصت ہو کر نیچے آگیا۔ لابی سے باہر نکلنے کی بجائے میں دیوار کے ساتھ بچھے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا۔ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کوئی میرا پیچھا کرتا وہاں تک تو نہیں آیا۔ لوگ آجا رہے تھے۔ لابی میں سوائے میرے اور کوئی صوفے پر نہیں بیٹھا ہوا تھا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ میں میڈم کے جاسوس کو جھانسہ دینے میں کامیاب ہو گیا ہوں اور وہ یہاں نہیں ہے تو اطمینان سے اٹھ کر بلڈنگ کی لابی میں سے باہر آگیا۔ قریبی بس سٹاپ سے بس میں سوار ہوا اور آدھے گھنٹے بعد اپنے فلیٹ میں پہنچ گیا۔

رات گزر گئی۔ دوسرے روز شام کو مجھے بلانشے کو فون کر کے اس کی خیریت معلوم کرنی تھی۔ مجھے باہر بھی کوئی کام نہیں تھا۔ چنانچہ میں اپنے فلیٹ پر رسالے پڑھتا اور ٹی وی کے پروگرام دیکھتا رہا۔ دوپہر کے بعد فون کی

گھنٹی بجی۔ میں سمجھا بلانشے کا فون آگیا ہے مگر دوسری طرف میڈم سلویا بول رہی تھی۔

"کیا تمہیں معلوم ہے بلانشے کہاں گئی ہے؟۔"

میں سمجھ گیا کہ میڈم کو بلانشے کے غائب ہونے کی اطلاع مل گئی ہے۔ میں نے انجان بن کر کہا۔

"کیا وہ اپنے فلیٹ پر نہیں ہے؟"

میڈم نے بڑے پرسکون انداز میں کہا۔

"اس نے مجھے اطلاع کئے بغیر فلیٹ چھوڑ دیا ہے۔ یہ کاروباری بد دیانتی ہے۔ وہ میری ملازم ہے۔ اسے چاہیے تھا کہ مجھے اطلاع دیتی کہ وہ کہاں منتقل ہو رہی ہے۔"

میں نے کہا:۔"ہو سکتا ہے وہ آپ کو فون پر اطلاع کر دے۔"

میڈم کی آواز میں تلخی تھی۔ کہنے لگی۔

"وہ کل شام کی غائب ہے۔ تقریباً ۲۴ گھنٹے گزر گئے ہیں۔ اس دوران اگر اسے اطلاع دینی ہوتی تو ضرور دے دیتی۔ مگر وہ مجھے دھوکا دے کر غائب ہو گئی ہے۔ میں اسے بھی معاف نہیں کروں گی اور اسے ڈھونڈ نکالوں گی۔ اسے معلوم نہیں کہ میرے ہاتھ کتنے لمبے ہیں۔ بہر حال کل رات کی فلائیٹ سے تمہیں سپلائی لے کر فرینکفرٹ جانا ہے۔ شام کو میرے پاس پہنچ جانا۔"

میں نے کہا:۔"او کے میڈم! میں پہنچ جاؤں گا۔

میڈم نے بغیر سلام دعا کے فون بند کر دیا۔

مجھے یہ پریشانی لگ گئی کہ کہیں میڈم کے جاسوس نے اسے یہ تو نہیں بتا دیا کہ میں کل رات بلانشے کے نئے فلیٹ پر اس کے ساتھ تھا۔ شام کو میں نے ایک پبلک فون بوتھ سے بلانشے کو فون کر دیا۔ وہ فلیٹ پر ہی تھی۔ میڈم سے میری جو گفتگو ہوئی تھی میں نے اسے وہ ساری بتا دی۔ بلانشے کہنے لگی۔

"اس کے ہاتھ مجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔ میں بھی اسی کے ملک کی رہنے والی ہوں۔ اسی شہر کی رہنے والی ہوں جس میں میڈم رہ رہی ہے۔"

میں نے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن بلانشے وہ بڑی خطرناک عورت ہے۔ وہ قاتل ہے۔ ایک پورا جرائم پیشہ گروہ اس کے ساتھ ہے۔"

بلانشے کچھ دیر خاموش رہی۔ پھر بولی۔

"دیکھا جائے گا۔ اگر مجھے زیادہ خطرہ محسوس ہوا تو فرانس بہت بڑا ملک ہے، میں ایسی جگہ چلی جاؤں گی جہاں میڈم کے فرشتے بھی مجھے نہ ڈھونڈھ سکیں گی۔ میں تمہیں ضرور کہوں گی کہ اپنا خیال ضرور رکھنا۔ تم اس سے بچ کر رہنا۔"

میں نے کہا:۔"اللہ مالک ہے۔"

"او کے۔ پھر بات ہو گی۔"

بلانشے نے فون بند کر دیا۔ اب مجھے بھی اس بات کا شدید احساس ہونے لگا تھا کہ میں میڈم کے جال میں الجھتا جا رہا ہوں اور اس جال سے نکلنے کے لئے یا تو مجھے بڑی عقل مندی اور عیاری سے کام لینا پڑے گا یا پھر سب کچھ چھوڑ کر فرانس سے بھاگنا ہو گا۔ اگرچہ میڈم نے یہ نہیں کہا تھا کہ اسے خبر

مل گئی ہے کہ میں رات کو بلانشے کے فلیٹ پر گیا تھا لیکن اس کی آواز کا لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ مجھ سے خوش نہیں ہے۔

مجھے یہ خیال بھی پریشان کرنے لگا تھا کہ جرمنی کے ٹرپ پر میڈم مجھے کہیں پکڑوا نہ دے۔ پھر خیال آیا کہ وہ ایسا نہیں کرے گی۔ کیونکہ میڈم کو یہ خطرہ ضرور ہو گا کہ میں اناڑی ہوں، پکڑا گیا اور مجھ سے پوچھ گچھ ہوئی تو تشدد سے گھبرا کر کہیں میں اسکا نام نہ لے دوں۔

دل میں ایسے ہی پریشان خیالات لئے میں دوسرے دن شام کو تیار ہو کر میڈم کے بنگلے پر پہنچ گیا۔ وہ ٹیرس میں آرام کرسی پر بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ مجھے اس نے ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کے لئے کہا اور میری طرف گھورنے لگی۔ میں نے دل میں کہا کہ کہیں دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ یہ عورت یونہی نہیں گھور کر دیکھ رہی۔ اسے میری اور بلانشے کی تازہ ملاقات کا علم ہو چکا ہے۔ میڈم مسکرانے لگی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور کہا۔

''میڈم فلائیٹ کس ایئرلائن کے طیارے کی ہو گی؟''

میڈم نے پیالی میز پر رکھ دی اور جیب سے سنہری جلد والی چھوٹی سی نوٹ بک نکال کر کھولی۔ کچھ دیر وہ صفحے الٹتی رہی۔ پھر ایک صفحے پر نظر جما دیں اور کہا۔

''رات بارہ بجے والی برٹش ایئرویز کی فلائیٹ پر تمہاری سیٹ کنفرم کروا دی گئی ہے۔ تم انڈین پاسپورٹ پر ہی سفر کرو گے۔''

میں نے پوچھا۔

''مال کی سپلائی کس شکل میں جائے گی؟''

میڈم نے سگریٹ کیس کھول کر ایک سگریٹ مجھے پیش کیا۔
ایک سگریٹ خود سلگایا اور معمولی سا کش لگاتے ہوئے بولی۔

"تمہارے پاس تاش کے پتوں کا ایک پیکٹ ہو گا۔ ہیروئن تاش کے پتوں میں لگائی ہوئی ہو گی۔"

میں نے کہا۔ :۔"فرینکفرٹ ایئر پورٹ پر چیکنگ کا انتظام جدید ترین ہے۔ میرا خیال ہے یہ بات تمہارے ذہن میں ضرور ہو گی۔"

میڈم کا چہرہ بدستور سنجیدہ تھا۔ میرے چہرے پر نظریں گاڑے اس نے کہا۔

"میں کوئی اناڑی نہیں ہوں۔ میں سب کچھ جانتی ہوں۔ تاش کے سارے پتوں پر کیمیکل لگا دیا گیا ہے۔ اس کی بو کا سراغ کوئی ڈی ٹیکٹر نہیں لگا سکے گا۔"

وہ کرسی سے اٹھی اور کہا۔

"میرے ساتھ آؤ۔"

وہ مجھے بیڈ روم میں لے گئی۔ وہاں اس نے مجھے کیبنٹ میں سے میرا انڈین پاسپورٹ نکال کر دیا۔ ایک لفافہ دیا۔ کہنے لگی۔

"اس میں جرمن فرانک ہیں۔ پاسپورٹ پر جرمنی کا ویزا لگا ہوا ہے۔ تاش کا پیکٹ تمہارے بریف کیس میں دوسرے سامان کے ساتھ رکھا ہوا ہو گا۔ دوسرے کمرے میں آؤ۔"

دوسرے کمرے میں ایک سبز رنگ کا سیمسو نائیٹ کا بریف کیس میز پر پڑا تھا۔ اس نے مجھے بریف کیس کھول کر دکھایا۔ اس کے اندر سفر میں

کام آنے والا دوسرا سامان تھا۔ میڈم نے تاش کا پیکٹ بھی دوسرے سامان کے ساتھ رکھ دیا۔ کہنے لگی۔

"یہ بریف کیس تمہارے ساتھ ہی رہے گا۔ فرینکفرٹ ایئرپورٹ پر تمہیں باہر پارکنگ کے شمالی کونے میں گرین کلر کی ٹیوٹا کار نظر آئے گی۔ اس گاڑی کے پاس ایک آدمی کھڑا ہو گا۔ تمہیں اس آدمی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ جانا ہو گا۔ میں تمہیں اس آدمی کی تصویر دکھاتی ہوں۔"

میڈم نے مجھے اس آدمی کی تصویر نکال کر دکھائی۔ یہ بڑی بڑی مونچھوں والا موٹا آدمی تھا۔ سر کے بال اڑے ہوئے تھے۔ آنکھیں نیلے رنگ کی تھیں۔ میں نے یہ شکل اپنے ذہن میں بنالی۔ جب ہر شے تیار ہو گئی تو میڈم اور میں واپس ٹیریس میں آکر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ رات بڑی خوشگوار تھی۔ ابھی تک میڈم نے بلانشے کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ میں اسی انتظار میں تھا کہ وہ ضرور کوئی بات کرے گی۔ لیکن وہ دوسرے موضوعات پر گفتگو کرتی رہی، جب ہم ڈنر ٹیبل پر بیٹھے تب بھی میڈم نے بلانشے کے بارے میں مجھ سے کچھ نہ کہا۔ میں بھی خاموش رہا۔ آخر مجھے بلانشے کا ذکر چھیڑنے کی کیا ضرورت تھی۔

کھانا کھانے کے بعد کافی کا دور چلا تو میڈم کہنے لگی۔

"بلانشے نے میرے ساتھ غداری کی ہے۔ وہ مجھے بتائے بغیر غائب ہو گئی ہے۔ یقیناً وہ میرے دشمنوں کے ساتھ مل گئی ہے اور اب میرے خلاف ان کی سازشوں میں شریک ہو جائے گی۔ وہ انہیں میری ساری کاروباری کمزوریاں اور راز بتادے گی۔ میں بلانشے کی فطرت کو اچھی طرح جانتی ہوں۔"

میں نے اپنی پوزیشن صاف کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اس نے مجھے بھی فون پر نہیں بتایا کہ میں جا رہی ہوں۔"

میڈم نے اس طرح سانس لیا جیسے سانپ پھنکار مارتا ہے۔ کہنے لگی۔

"وہ روپوش ہو کر آخر جائے گی کہاں؟ میرے آدمی اسے دنیا کے جس کونے میں بھی ہو گی، وہاں سے اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔ وہ احسان فراموش ہے۔ اور میں یہ جانتی ہوں کہ تم بھی اس کے ساتھ ملے ہوئے ہو۔"

میڈم کے اس ریمارک پر میں چونک سا گیا۔ میں نے فوراً کہا۔

"نہیں نہیں میڈم! تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرا بلانشے سے اب کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"تعلق کیوں نہیں ہے؟ تم اس سے ملنے جاتے ہو۔ ریستورانوں میں جا کر ملتے ہو اور میرے خلاف سازشیں کرتے ہو۔ اس کی باتیں سنتے ہو۔ تمہاری یہ حرکتیں مجھے سخت ناپسند ہیں۔"

میں نے معذرت پیش کرتے ہوئے کہا۔

"بس یہی مجھ سے غلطی ہو گئی کہ اس نے فون پر بلایا اور میں اس سے ملنے ریستوران پر چلا گیا۔ میں معذرت خواہ ہوں۔ آئندہ مجھ سے ایسی حرکت کبھی نہیں ہو گی۔"

میڈم نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔

"مجھے اب تم پر بھی کوئی اعتبار نہیں رہا۔"

پھر ایکدم سے کہنے لگی۔

"تم بلانشے سے محبت کرتے ہو۔ میں جانتی ہوں تم اس بدکار عورت سے محبت کرنے لگے ہو۔ اور اس بات نے میرے دل میں شگاف ڈال دیا

ہے۔ کیا تمہیں بالکل احساس نہیں کہ میں تمہارا کس قدر خیال رکھتی ہوں؟ کیا تمہیں یہ بھی احساس نہیں کہ میں تمہارا مستقبل تعمیر کر رہی ہوں۔ تمہیں پیرس کا امیر ترین آدمی بنانا چاہتی ہوں۔ بولو! کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟۔"

میں نے دل میں سوچا کہ یہ عورت تو بالکل سنکی اور ناقابل اعتبار عورت ہے۔ یہ جنس زدہ عورت حسد میں آکر کچھ بھی کر سکتی ہے' کیا کرنا چاہیے مجھے؟ کیا اس کے پھندے سی نکل جاؤں؟ کرنسی نوٹوں کی گڈیاں بریف کیس میں لگی ہوئی نظر آئیں تو میری ساری مثبت سوچ بھاپ بن کر اڑ گئی اور میں نے شیطان کا ہاتھ مظبوطی سے ہاتھ میں تھام لیا اور میڈم سے کہا۔

"میڈم اگر میں اپنا دل چیر کر دکھا سکتا تو تم دیکھتی کہ مجھے تمہار کس قدر خیال اور قدر و منزلت کا احساس ہے۔ بلانشے تمہارا مقابلہ بھلا کہاں کر سکے گی؟ میں تو اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ بلانشے کی وجہ سے میری تم سے ملاقات ہو گئی۔"

میڈم کے چہرے پر محبت کی باتیں سن کر اس بار کسی قسم کا محبت آمیز تاثر نہ ابھرا۔ وہ اسی طرح پتھر کی طرح کرسی پر بیٹھی پتھر ایسے بے جان چہرے کے ساتھ مجھے دیکھتی اور میری باتیں سنتی رہی۔ سچ کہتا ہوں مجھے اس سے اس وقت خوف آنے لگا تھا۔ کہ کہیں یہ مجھے ایئرپورٹ پر گرفتار کروانے کا انتظام تو نہیں کر چکی۔ پھر خیال آیا کہ یہ عورت میرے ساتھ ایسا نہیں کرے گی کیونکہ اس طرح میری گرفتاری سے اسکا ملوث ہونا بھی ثابت کر سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ مجھ سے انتقام لینے کا کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرے۔ جب فلائیٹ کا وقت قریب آنے لگا تو میڈم کہنے لگی۔

"اب تم فوراً ایئر پورٹ پہنچو۔ تمہاری فلائیٹ پیچھے سے ٹھیک وقت پر آ رہی ہے۔ میں نے ایئر پورٹ پر فون کر کے معلوم کر لیا ہے۔"

میں نے میڈم ہاتھ ملایا۔ نیچے آکر گاڑی میں بیٹھا اور گاڑی پیرس کے ایئر پورٹ کی طرف روانہ ہو گئی۔ برٹش ایئرویز کی فلائیٹ ٹھیک وقت پر آ رہی تھی۔ ایئر پورٹ کے لاؤنج میں میرے بریف کیس کو مشین میں سے گذارا گیا۔ بریف کیس نے کہیں ایسی کوئی بات ظاہر نہ کی۔ میں بورڈنگ کارڈ لے کر طیارے میں سوار ہو گیا۔ ٹھیک رات کے بارہ بجے طیارہ فرینکفرٹ کے لئے ٹیک آف کر گیا۔ ذہن کچھ پریشان پریشان تھا۔ مجھے خطرہ تھا کہ کہیں میڈم نے میرے ساتھ دھوکا نہ کیا ہو۔ کہیں تاش کے پیکٹ میں بند تاش کے پتوں پر چڑھائی ہوئی ہیروئن کا پتہ نہ چل جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو میں بالکل ہی مارا جاؤں گا۔ پیرس سے فرینکفرٹ کی فلائیٹ بڑی مختصر سی تھی۔ میں بریف کیس اٹھائے طیارے سے نکل کر کسٹم لاؤنج میں آیا اور قطار میں کھڑا ہو گیا۔ یہاں کسٹم آفیسر ڈی ٹیکٹر سے مسافروں کا سامان وغیرہ چیک کر رہے تھے۔ جب میری باری آئی تو میرا ہیروئن کی تاش والا بریف کیس کسٹم آفیسر کے سامنے کاؤنٹر پر پڑا تھا۔ اس نے مجھ سے چابی لے کر اسے کھولا اور ایک ایک شے کے ساتھ ڈی ٹیکٹر آلہ لگا کر چیک کرنے لگا۔ سب خیریت رہی۔ لیکن جیسے ہی اس نے تاش کے پیکٹ کے ساتھ آلہ لگایا تو آلے میں سے ٹک ٹک کی آواز مسلسل آنے لگی۔ میرے تو پاؤں تلے سے زمین نکال لی گئی۔ میری ہیروئن کا سراغ لگا لیا تھا۔ کسٹم آفیسر نے پیکٹ کھول کر تاش کے پتوں کو ایک بار پھر آلے سے جانچ کر دیکھا۔ اس بار آلے میں سے زیادہ تیز ٹک ٹک کی آوازیں آنے لگیں۔ دوسرا کسٹم آفیسر بھی وہاں آ گیا۔ انہوں نے گھور کر میری طرف دیکھا۔ پھر

آپس میں جرمن زبان میں کوئی بات کی اور پہلے والے کسٹم آفیسر نے تاش کو پیکٹ میں ڈال کر بریف کیس میں اسی طرح رکھا۔ بریف کیس بند کر کے پاسپورٹ اور بریف کیس اپنے قبضے میں لے لیا اور مجھے کاؤنٹر کے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

اس وقت میرا رنگ اڑ چکا تھا۔ دل کے دھڑکنے کی رفتار تیز ہو چکی تھی۔ میں سمجھ گیا تھا کہ ہیروئن ڈی ٹیکٹ ہو گئی ہے اور اب میں بچ نہیں سکتا۔ میری آنکھوں کے سامنے فرینکفرٹ جیل کی سلاخوں والی کوٹھری آ گئی۔ جس میں بند رہ کر کم از کم پندرہ سال کی سزا کاٹنی ہو گی۔ میں کاؤنٹر کی دوسری طرف آیا تو یقین کریں میرے قدم ذرا سے لڑکھڑا گئے۔ میں نے کوشش کر کے اپنے آپ کو سنبھالا کہ اس طرح تو میں بالکل ہی مارا جاؤں گا۔ اگر ہوش و حواس قائم رکھے تو یہ تو کہہ سکوں گا کہ مجھے پتہ نہیں کہ یہ بریف کیس میں یہ تاش کا پیکٹ کس نے رکھوا دیا ہے۔ کسٹم آفیسر نے گارڈ کو بلا لیا۔ گارڈ فوراً میرے قریب آ کر اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے اس نے مجھے اپنے حراست میں لے لیا ہو۔ کسٹم آفیسر مجھے ایک کمرے میں لے گیا جہاں سرخی مائل چہرے والا بھورے رنگ کا ایک جرمن آفیسر وردی میں ملبوس بڑی سی میز کے پیچھے بیٹھا ٹیلی فون پر کسی سے کوئی بات کر رہا تھا۔ گارڈ، کسٹم آفیسر اور مجھے دیکھ کر اس جرمن آفیسر نے ریسیور ہاتھ سے رکھ دیا اور جرمن زبان میں کسٹم آفیسر سے کچھ پوچھا۔ اس نے جرمن آفیسر کو یہی بتایا ہو گا کہ اس مسافر کے بریف کیس میں سے ہیروئن برآمد ہوئی ہے۔

جرمن آفیسر نے میری طرف تیز نگاہوں سے دیکھا اور انگریزی میں پوچھا۔

"تم انگریزی بول لیتے اور سمجھ لیتے ہو؟۔"

میں نے کہا۔

"ہاں۔ میں انگریزی بول اور سمجھ لیتا ہوں۔"

جرمن آفیسر میرا پاسپورٹ کھول کر دیکھنے لگا۔

"تم پہلی بار جرمنی آ رہے ہو۔ کیا تمہارا کوئی ساتھی بھی اس فلائیٹ میں آیا ہے؟"

میں نے جواب دیا۔

"نہیں۔ میں اکیلا ہوں اور ٹورسٹ ویزے پر جرمنی کی سیاحت کرنے آیا ہوں۔ آخر بات کیا ہے؟ آپ لوگوں نے مجھے کس جرم میں اپنی حراست میں لیا ہے؟۔"

میں نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔ جرمن آفیسر نے بریف کیس کھولا۔ اس میں سے تاش کا پیکٹ نکالا۔ پیکٹ میں سے تاش کے پتوں کو نکال کر انہیں اپنے سامنے میز پر پھیلا دیا اور میز کے نیچے لگا ہوا بٹن دبایا۔ مجھے پارٹیشن کی دوسری جانب گھنٹی کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دی۔ دوسرے کمرے میں سے ایک ادھیڑ عمر کا آدمی سفید لمبا کوٹ پہنے باہر نکلا اور جرمن آفیسر کے پاس گیا۔ جرمن آفیسر نے تاش کے پتوں کی طرف اشارہ کر کے انگریزی میں اس سے کہا۔

"ڈاکٹر! ذرا ان پتوں کو دیکھو۔ ان میں ہیروئن کی کتنی مقدار لگی ہوئی ہے؟"

اس جرمن ڈاکٹر نے اپنے سفید کوٹ کی جیب میں سے ایک چھوٹا سا آلہ نکالا جس کے آگے محدب عدسہ لگا ہوا تھا۔ تاش کے پتوں کو اس آلے

کی مدد سے ایک ایک کر کے دیکھنے لگا۔ پھر انگریزی میں ہی اس نے جرمن آفیسر سے کہا۔

" میرے اندازے کے مطابق ان پتوں میں لگائی گئی ہیروئن کی مقدار چالیس گرام سے کم نہیں ہے۔"

جرمن آفیسر نے تاش کے پتوں کو دوبارہ پیکٹ میں سب کے سامنے ڈال کر بریف کیس میں رکھا۔ بریف کیس کو بند کر دیا۔ مجھے کرسی پر بیٹھنے کو کہا۔ میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ کسٹم آفیسر جس نے مجھے کاؤنٹر پر چیک کیا تھا' میرے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ سفید کوٹ والا ڈاکٹر بھی وہیں بیٹھ گیا۔ جرمن آفیسر نے فون پر ایک نمبر ڈائل کر کے کسی سے جرمن زبان میں کوئی بات کی اور ریسیور رکھ کر میری طرف متوجہ ہوا۔

" مسٹر! آپ کے قبضے سے ہیروئن برآمد ہو چکی ہے۔ میں نے ایئرپورٹ سیکورٹی چیف کو بلوایا ہے۔ وہ آپ سے کچھ ضروری باتیں پوچھے گا۔ اس کے بعد آپ کو ہمارے ساتھ پولیس اسٹیشن چلنا ہو گا۔"

میں نے کافی حد تک اپنے حواس پر قابو پا لیا تھا۔ میں نے یہی رٹ لگانی شروع کر دی تھی کہ مجھے نہیں معلوم آپ کس ہیروئن کی بات کر رہے ہیں۔ میں کوئی ہیروئن اپنے ساتھ نہیں لایا۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ تاش کے کارڈز میں ہیروئن لگائی گئی ہے تو میں اس تاش کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ میں نے تاش کا پیکٹ بریف کیس میں رکھا ہی نہیں تھا۔ مگر میری اس وضاحت پر کسی نے دھیان نہ دیا۔ بلکہ ڈاکٹر' کسٹم آفیسر اور جرمن کسٹم چیف سب ایک دوسرے کی طرف کنکھیوں سے دیکھ کر مسکراتے رہے۔

اتنے میں ایک اونچا لمبا جرمن آیسر جس نے گہرے نسواری رنگ کی وردی پہن رکھی تھی، کمرے میں داخل ہوا۔

جرمن آفیسر نے اس کی طرف دیکھ کر انگریزی میں کہا۔

"چیف! یہ آدمی انڈین پاسپورٹ پر پیرس سے فرینکفرٹ آیا ہے۔ اس کے قبضے سے ہم نے ہیروئن کی بھاری مقدار برآمد کی ہے جو تاش کے پتوں کے ساتھ لگائی گئی تھی۔ ہمارے لیب ڈاکٹر نے اس کا معائنہ کرنے کے بعد اس کی مقدار چالیس گرام بتائی ہے۔ اصل مقدار کا علم لیبارٹری میں تاش کے پتوں سے ہیروئن الگ کرنے کے بعد ہی ہو سکے گا۔"

یہ شخص ایئر پورٹ سیکورٹی چیف تھا۔ اس نے میری طرف کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ پھر جرمن آفیسر سے کہا۔

"ہیروئن والی تاش کہاں ہے؟۔"

"اس بریف کیس میں ہے۔" جرمن آفیسر بولا۔

"میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور۔"

یہ کہہ کر جرمن آفیسر نے بریف کیس کو دوبارہ کھولا اور تاش کے پیکٹ کو ادھر ادھر تلاش کرنے لگا۔ بریف کیس میں میڈم نے سفر میں استعمال ہونے والی چیزیں مثلاً ٹوتھ پیسٹ، شیونگ کا سامان اور اسی طرح کی دوسری چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ میں سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔ میں پھنس چکا تھا۔ اب میرے بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ خدا ہی بہتر جانتا تھا کہ میرے ساتھ جرمن پولیس کیا سلوک کرنے والی ہے۔ ہیروئن وغیرہ کے جرم میں پکڑے جانے والوں کی ضمانت بھی نہیں ہوتی تھی۔ جرمنی کا قانون

اس بارے میں بڑا سخت تھا۔ مجھے شک ہونے لگا تھا کہ میڈم سلویا نے جان بوجھ کر ہیروئن کارڈز کے ساتھ اس طرح چپکائی تھی کہ میں پکڑا جاؤں۔ اس عورت نے مجھے اپنے انتقام کا نشانہ بنایا ہے اور اب باقی زندگی جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہی گزرے گی۔

جب دو تین منٹ گزر گئے تو میں نے چہرہ اٹھا کر اوپر کی طرف دیکھا۔ جرمن آفیسر بڑی پریشانی کے عالم میں ہاتھ چلاتا ہوا تاش کا پیکٹ ڈھونڈ رہا تھا مگر اسے کہیں نہیں مل رہا تھا۔ کسٹم آفیسر بھی اس کے قریب آکر جھک کر بریف کیس کی چیزوں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

سیکورٹی چیف نے انگریزی میں پوچھا۔

"کیا تاش کے پتے کھلے تھے؟۔"

جرمن آفیسر نے میرے بریف کیس کو میز پر الٹاتے ہوئے کہا۔

"نہیں تاش پیکٹ میں تھی۔ میں نے خود پتوں کو پیکٹ میں ڈال کر بریف کیس میں رکھا تھا۔۔۔"

کسٹم آفیسر جس نے کاؤنٹر پر میرے قبضے سے ہیروئن برآمد کی تھی بولا۔

"میرے سامنے انہوں نے تاش پیکٹ میں ڈال کر بریف کیس میں رکھی تھی۔"

"تو پھر وہ کہاں چلی گئی؟۔" سیکورٹی چیف نے پوچھا۔

"ان چیزوں میں ہی ہوگی۔ ابھی مل جاتی ہے۔" جرمن آفیسر نے بریف کیس کی ساری چیزوں کو ادھر ادھر کرتے ہوئے کہا۔

وہ سب لوگ پریشان ہو گئے تھے کہ ہیروئن والی تاش کا پیکٹ کہاں غائب ہو گیا اور میں حیران ہو رہا تھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ کیونکہ ہیروئن کی تاش والا پیکٹ جرمن آفیسر نے میرے سامنے بریف کیس میں رکھا تھا۔ پھر وہ کہاں چلا گیا۔؟

جب وہ لوگ ہیروئن والی تاش کا پیکٹ تلاش کرنے میں ناکام ہو گئے تو میرا کھویا ہوا اعتماد بحال ہو گیا میں نے بلند آواز میں کہا۔

"میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میرے پاس کوئی ہیروئن وغیرہ نہیں ہے۔"

میں نے سیکورٹی چیف کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مجھے خواہ مخواہ پریشان کیا گیا ہے۔ میری توہین کی گئی ہے۔ اگر انہوں نے میرے قبضے سے ہیروئن بر آمد کی تھی تو وہ کہاں ہے؟ میں عدالت میں جاؤں گا۔ میں آپ لوگوں کے خلاف عدالت میں جاؤں گا۔"

ان تمام لوگوں کا رویہ میرے ساتھ اب بے حد بدل گیا تھا۔ وہ مجھے بار بار پلیز خاموش رہیں! پلیز خاموش رہیں کہنے لگے۔ کیونکہ ہیروئن کا پیکٹ ایسے گم ہو گیا تھا جیسے اسے جن بھوت نے بریف کیس میں سے نکال کر غائب کر دیا ہو۔ میں خود حیران تھا کہ آخر تاش کا پیکٹ کہاں گم ہو گیا۔ میں نے کسٹم آفیسر کو پیکٹ کھول کر کارڈز کی جانچ پڑتال اور پھر انہیں بند کر کے واپس بریف کیس میں رکھتے ہوئے دیکھا تھا۔ میرا خیال تھا کہ پیکٹ ادھر ادھر گم ہو گیا ہے یا میز کے نیچے گر پڑا ہو گا۔ میں یہی کچھ سوچ سکتا تھا۔ جس وجہ سے تاش کا پیکٹ غائب ہوا تھا' وہ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔

کسٹم آفیسر نے مجھ سے معذرت پیش کرتے ہوئے انگریزی میں کہا۔

"ہم معذرت چاہتے ہیں لیکن حقیقت ہے کہ تمہارے بریف کیس سے ہیروئن والی تاش کا پیکٹ بر آمد ہوا تھا۔ اب تم نے جادوگری کے زور سے اسے گم کر دیا ہے تو ہم تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ انڈین لوگ اس قسم کی شعبدہ بازیاں عام کر لیتے ہیں۔ بہتر یہی ہے اب تم خاموشی سے چلے جاؤ۔ کیونکہ تمہیں گرفتار کرنے کے لئے ہمارے پاس جو ثبوت تھا وہ ہم کھو چکے ہیں۔"

میں خود بھی ان کے ساتھ بحث میں الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ بڑبڑاتے ہوئے میں نے بریف کیس اٹھایا۔ ان سے اپنا پاسپورٹ وصول کیا اور کمرے سے نکل کر کسٹم کاؤنٹر کے قریب سے گزرتا ہوا ایگزٹ گیٹ سے باہر آگیا۔ باہر آتے ہی میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ مگر سوال یہ تھا کہ ہیروئن والا پیکٹ گیا کہاں؟

وہاں میں دوبارہ بریف کیس کھول کر دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ میں پارکنگ میں آگیا۔ وہاں ایک طرف سبز رنگ کی گاڑی کھڑی تھی۔ گاڑی کے باہر ایک آدمی کھڑا سگریٹ پی رہا تھا۔ اس نے سیاہ چشمہ لگایا ہوا تھا۔ میں ایک طرف بریف کیس رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ سگریٹ سلگا لیا اور میڈم نے جو فوٹو دکھائی تھی اسکا اس آدمی سے موازنہ کرنے لگا۔ یہ بالکل ویسی ہی شکل کا آدمی تھا جس کے بارے میں میڈم نے بتایا تھا۔ میڈم نے مجھے ایک کوڈ لفظ بھی بتا دیا تھا جو مجھے اس کے آگے بولنا تھا۔ پھر اس کے کوڈ ورڈ کو بھی سننا تھا۔

جب مجھے ننانوے فیصد یقین ہو گیا کہ یہ میڈم کا ہی آدمی ہے تو میں اس کی طرف بڑھا۔ وہ مجھے غور سے دیکھ رہا تھا۔ میں اس کے قریب گیا تو اس نے دروازہ کھول کر بڑی ملائمت سے کہا۔

"ٹیکسی پلیز!"

یہی اسکا کوڈ ورڈ تھا۔ تب میں نے اپنا کوڈ ورڈ بولتے ہوئے کہا۔

"ٹیکسی نو لیموزین یس!"

یہ میرا کوڈ ورڈ تھا جس سے میری پہچان ہونی تھی۔ یہ الفاظ سن کر وہ آدمی مسکرایا اور انگریزی میں بولا۔

"بیٹھ جاؤ۔"

میں دروازہ کھول کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ گاڑی پارکنگ لاٹ سے نکل آئی۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ یہ آدمی اس خیال سے آیا ہے کہ میرے پاس ہیروئن کی بھاری مقدار ہو گی۔ جب اسے پتہ چلے گا کہ میرے پاس ہیروئن نہیں ہے تو میں اس کے سامنے کیا جواز پیش کروں گا؟۔ اگر کہا کہ کسٹم والوں نے ضبط کر لی ہے تو مجھ سے یہ پوچھنے میں حق بجانب ہو گا کہ کسٹم والوں نے ہیروئن ضبط کرنے کے بعد مجھے کیسے چھوڑ دیا؟۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میڈم سلویا کے اس آدمی کو کیا جواب دوں گا۔ گاڑی فرینکفرٹ کی بھیگی روشنیوں میں نہاتی ہوئی سڑکوں پر دوڑتی چلی جا رہی تھی۔ میں سوچنے لگا کہ کہیں سلویا نے مجھے بھی تو پکڑوانے کا منصوبہ تو نہیں بنایا تھا۔ ؟ یہ تو میرا خداوند کریم ہے جس نے مجھ پر کرم کیا کہ عین وقت پر نہ جانے ہیروئن کا پیکٹ کہاں غائب ہو گیا' ورنہ اس وقت میں جیل میں ہوتا۔

گاڑی سڑک سے ہٹ کر ایک چھوٹی سڑک کی طرف مڑ گئی۔ یہ ویران سی سڑک تھی۔ میرے فرینکفرٹ آنے سے پہلے یہاں بارش ہو چکی تھی۔ یہاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چھوٹے چھوٹے کاٹج نما مکان بنے ہوئے تھے۔ ان مکانوں پر آدھی رات کے بعد خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ گاڑی ان مکانوں کو بھی پیچھے چھوڑ گئی۔ اب دونوں جانب کھیت تھے جو اندھیرے میں دھندلے نظر آ رہے تھے۔ جہاں کھیت ختم ہوئے وہاں ایک عمارت تھی جو سب سے الگ کھڑی تھی۔ گاڑی اس عمارت کے دروازے کے آگے جاکر کھڑی ہو گئی۔

وہ آدمی گاڑی سے نکلا۔ اس نے چابی لگاکر دروازہ کھولا اور مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے مکان کے اندر چلا گیا۔ یہ ایک پرانے گرد آلود فرنیچر والا نیم روشن کمرہ تھا۔ میز پر گرد جمی ہوئی تھی۔ وہ آدمی میری طرف ہاتھ بڑھا کر بولا۔

"میرا نام کرسٹوفر گولڈ مین ہے۔ میڈم سلویا نے تمہیں جو تاش کا پیکٹ دیا تھا وہ مجھے دے دو۔"

میں اس کو کہنے والا تھا کہ پیکٹ ایئر پورٹ پر کہیں غائب ہو گیا ہے کہ اس نے میرے ہاتھ سے بریف کیس لے لیا۔ اس کی ایک چابی اس کے پاس بھی تھی۔ اس نے جیب سے چابی نکال کر بریف کیس کھول دیا۔ میں نے کہا۔

"بات یہ ہے مسٹر گولڈ مین...."

ابھی میں اپنا جملہ مکمل نہیں کر پایا تھا کہ میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس آدمی نے بریف کیس میں سے تاش کا پیکٹ نکال لیا تھا اور اسے کھول رہا تھا۔

یا خدا یہ کیا معمہ ہے؟۔

میری عقل جواب دے چکی تھی۔ یہ وہی پیکٹ تھا جو کسٹم آفس میں میرے دیکھتے دیکھتے بریف کیس میں سے غائب ہو گیا تھا۔ اب نہ جانے کہاں سے اس میں واپس آگیا تھا۔ وہ آدمی تاش کے پتوں کو ایک ایک کر کے غور سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے جیب سے ایک چھوٹا سا شیشہ نکال کر تاش کے پتوں کا جائزہ لیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

"بالکل نمبرون ہے۔ ہمیں میڈم سلویا سے ہمیشہ بہترین سپلائی کی توقع ہوتی ہے۔"

اس نے ہیروئن والی تاش کا پیکٹ اپنے کوٹ کی اندر والی جیب میں رکھ لیا اور بریف کیس میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"ایک ہوٹل میں تمہارا انتظام کر دیا گیا ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔"

میں اس کے ساتھ مکان سے باہر آ گیا۔ گاڑی میں بیٹھے تو اس نے پوچھا۔

"کسٹم کاؤنٹر پر تو کوئی دقت نہیں پیش آئی تھی؟"

میں نے اسے کچھ نہ بتایا۔ صرف اتنا کہا۔

"نہیں سب کچھ نارمل رہا۔"

وہ گاڑی کو بڑی سڑک کی طرف موڑتے ہوئے بولا۔

"تم مجھے تجربہ کار نوجوان لگتے ہو۔ ورنہ فرینکفرٹ ایئرپورٹ بڑا خطرناک ایئرپورٹ مشہور ہے۔ یہاں سے ہیروئن لے کر نکل جانا کسی معمولی آدمی کا کام نہیں ہے۔"

اب میں اسے کیا بتاتا کہ میرے ساتھ کیا گزری تھی اور میں کس طرح کسٹم کے عملے سے بچا ہوں۔ اس نے ایک درمیانے درجے کے موٹل میں میرے لئے ایک کمرہ بک کروا رکھا تھا۔ وہ مجھے کمرے میں چھوڑ کر صبح دس بجے آنے کا کہہ کر چلا گیا۔ میری اگلی روز شام کی فلائیٹ میں سیٹ بک تھی۔ رات کے دو بج چکے تھے۔ میں میڈم سلویا کے اپنے خلاف بنائے گئے گھناؤنے منصوبے اور تاش کے پیکٹ کے کسٹم والوں کے سامنے سے اچانک غائب ہو جانے کے بارے میں سوچنے لگا۔ کبھی خیال آتا کہ میڈم سلویا نے بلانشے کی طرح مجھے بھی مروانے کی سازش کی ہوگی۔ فرینکفرٹ ایئرپورٹ پر چیکنگ کے آلات جدید ترین تھے' اسی لئے ہیروئن کا سراغ لگ گیا۔

انہی سوچوں میں گم مجھے نیند آگئی۔

دوسرے روز میں ابھی سو رہا تھا کہ کرسٹوفر آگیا۔ کہنے لگا۔

"تم آرام کرو۔ میں تمہیں یہ کہنے آیا ہوں کہ تمہاری کمشن کی ادائیگی میڈم سلویا کرے گی۔ میرا خیال ہے تم ہمارے اصول و ضوابط سے ضرور واقف ہو گئے ہو گے۔"

میں نے کہا۔

"ہاں میں واقف ہوں۔ میں اپنی کمیشن میڈم سے لے لوں گا۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔"

وہ مجھ سے ہاتھ ملا کر واپس چلا گیا۔ میں نے کمرے کا دروازہ بند کیا اور بستر پر گر کر دوبارہ سو گیا۔

شام تک موٹل کے کمرے میں ہی رہا۔ کسٹم کاؤنٹر پر میرے اچانک پکڑے جانے سے مجھے ذہنی صدمہ پہنچا تھا' چنانچہ فرینکفرٹ کے بازاروں میں جانے سے گھبرا رہا تھا۔ سات بجے شام کی فلائیٹ تھی۔ میں ساڑھے چھ بجے ایئرپورٹ پہنچ گیا۔ جہاز میں سوار ہوا اور رات ہونے سے پہلے ہی پیرس میں تھا۔ میڈم سلویا کو میرے فرینکفرٹ سے روانہ ہونے کی خبر مسٹر کرسٹوفر نے کر دی تھی۔ چنانچہ میرے اپنے فلیٹ میں پہنچنے کے کوئی ایک گھنٹہ بعد میڈم کا فون آ گیا۔ اس نے پہلا سوال یہ کیا۔

"فرینکفرٹ ایئرپورٹ پر پریشان تو نہیں ہونا پڑا؟"۔

مجھے ایسے لگا جیسے اسے میرے خیریت سے واپس پہنچنے کی بالکل توقع نہیں تھی۔ میں نے کہا۔

"نہیں میڈم۔ کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔"

میرے ساتھ ایئرپورٹ پر جو خطرناک اور پراسرار واقعہ پیش آیا تھا' اس کے بارے میں' میں نے اسے کچھ نہ بتایا۔ میں اسے بتانا بھی نہیں چاہتا تھا۔ وہ کہنے لگی۔

"ٹھیک ہے۔ تم آرام کرو۔ کل شام کو فون کروں گی۔"

اور اس نے فون بند کر دیا۔ اب میں یہ واقعہ بلانشے کو سنانے کے لئے بے تاب تھا۔ مگر میں اسے فون نہیں کر سکتا تھا۔ میرا فون بلڈنگ کے رینٹل آفس میں ٹیپ ہوتا تھا۔ بہرحال میں کپڑے بدل کر سو گیا۔ دوسرے روز دس بجے میں بلانشے کو کسی پبلک فون بوتھ سے فون کرنے نکل پڑا۔

یقیناً میڈم کا جاسوس بھی میرے پیچھے لگ گیا ہوا تھا۔ میں بڑی بے نیازی سے سیر و سیاحت کے موڈ میں فٹ پاتھ پر چل رہا تھا۔ چوک آتا تو بڑی ہوشیاری سے مڑ کر پیچھے دیکھ لیتا۔ کم بخت یہ ایسا چھلاوہ جاسوس تھا کہ کہیں دکھائی نہیں دیتا تھا۔ لوگ آتے جاتے نظر آتے۔ ان ہی میں وہ جاسوس بھی تھا مگر میں اسے پہچان نہیں سکتا تھا۔ اب مجھے اسے جل دینے کی کوشش کرنا تھی۔ میں ایک انٹرسیکشن یعنی چوک میں آکر رک گیا۔ میں چاہتا تھا کہ کسی ایسی جگہ سے ٹیکسی لوں جہاں کوئی اور ٹیکسی قریب نہ ہو۔ تاکہ جاسوس دوسری ٹیکسی میں میرا پیچھا نہ شروع کر دے۔

گاڑیاں آجا رہی تھیں۔ ایک خالی ٹیکسی میرے قریب سے گزری تو میں نے اشارہ کر کے اسے روک لیا۔ ٹیکسی تھوڑا آگے نکل گئی تھی۔ ٹیکسی رکی اور ریورس گیئر میں واپس آنے لگی۔ اس دوران میں، میں نے سڑک پر پیچھے اچھی طرح دیکھا۔ مجھے کوئی ٹیکسی نہ نظر آئی۔ میں جلدی سے ٹیکسی میں بیٹھا اور اسے مولین روج کی طرف چلنے کو کہا۔ ٹیکسی سڑک پر دوسری گاڑیوں کے پیچھے چل دی۔

مولین روج کے پیچھے ایک گلی ہے جہاں ایک بار ہے۔ میں اس بار سے کچھ فاصلے پر اتر گیا اور فٹ پاتھ پر پیدل چلتا ہوا بار کے دروازے تک آیا۔ بار کے باہر فٹ پاتھ پر کچھ کرسیاں بچھی تھیں اور لوگ مشروبات سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ میں بار میں داخل ہو کر سیدھا فون بوتھ کی طرف گیا اور بلانشے کا نمبر ڈائل کیا۔ بلانشے میری آواز سن کر بڑی خوش ہوئی۔

"کہاں سے بول رہے ہو جیکی؟ پلیز مجھے ملنے آجاؤ۔ میں بالکل اکیلی سخت بور ہو رہی ہوں۔"

میں نے سوچا اسے یہاں بلانے کی بجائے بہتر ہے کہ میں اس کے فلیٹ پر ہی چلا جاؤں۔ جاسوس کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ وہ میرے پیچھے نہیں ہے۔ میں نے اسے کہا۔

"ٹھیک ہے میں آ رہا ہوں۔ تم سے ایک ضروری بات بھی کرنی ہے۔"

میں نے فون بند کر کے وہیں سے دوسری گاڑی پکڑی اور بلانشے کے فلیٹ پر پہنچ گیا۔ جب میں نے اسے فرینکفرٹ ایئرپورٹ پر پیش آنے والا واقعہ سنایا تو وہ حیران رہ گئی۔ کہنے لگی۔

"جیکی! تمہیں خدا نے بچالیا ہے۔ اب اگر اپنی عافیت چاہتے ہو تو میڈم سلویا کو چھوڑ دو اور غائب ہو کر میرے پاس آ جاؤ۔ ہم دونوں یہاں سے امریکہ بھاگ جاتے ہیں۔"

میں نے کہا۔

"مگر میں نے تو میڈم سے ابھی اپنی کمیشن کی رقم لینی ہے اور اس نے مجھے شام کو فون کرنے کے لئے بھی کہا ہے۔"

"جیکی پلیز! لالچ میں نہ پڑو۔ میڈم نے تمہیں بھی تباہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ وہ بڑی ظالم عورت ہے۔ اس نے جان بوجھ کر تاش کے پتوں پر کھلی ہیروئن لگوائی تھی تاکہ تم پکڑے جاؤ۔ مگر تمہاری قسمت اچھی تھی کہ تم بچ گئے۔"

میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔ میں نے بلانشے سے کہا۔

"بلانشے! مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آئی۔ ایئرپورٹ پر تو کسی وجہ سے ہیروئن والا پیکٹ ادھر سے ادھر ہو سکتا ہے مگر سوال یہ ہے کہ جب

کرسٹوفر مجھے لے کر اپنی خاص جگہ پر پہنچا تھا تو وہاں ہیروئن والا پیکٹ بریف کیس میں کیسے آ گیا تھا؟"

بلانشے نے کندھے سکیڑتے ہوئے کہا۔

"پتہ نہیں۔ کیسے آ گیا۔ لیکن اس واقعہ سے تمہیں سبق حاصل کرنا چاہیے۔ خدا کے لئے اب میڈم کے ہاں مت جانا۔"

میں نے کہا۔

"اس بار اپنی کمیشن وصول کرنے تو ضرور جاؤں گا۔ اس کے بعد اس کے ساتھ اپنا تعلق ختم کر لوں گا اور تمہارے پاس آ جاؤں گا۔ پھر تم جہاں کہو گی، چلے جائیں گے۔"

میں نے محسوس کیا کہ بلانشے میرے بارے میں زیادہ فکر مند تھی۔ میں نے اسے بڑی مشکل سے اس بات پر راضی کیا کہ میں صرف ایک بار میڈم کے پاس ضرور جاؤں گا۔ اس نے میرا ہاتھ اپنے دل پر رکھتے ہوئے کہا۔

"دیکھو میرا دل کس قدر تیزی سے دھڑک رہا ہے۔ جیکی یقین کرو مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ میڈم تمہیں بہت بڑا نقصان پہنچانے والی ہے۔ وہ جنگلی بلی جب انتقام لینے پر آتی ہے تو پھر وحشی بن جاتی ہے۔"

میں نے بلانشے کو تسلی دی کہ کچھ نہیں ہو گا۔ تم فکر مت کرو۔ مجھے ایک بار اس سے مل لینے دو۔ دوپہر تک میں بلانشے کے فلیٹ پر ہی رہا۔ وہیں دوپہر کا کھانا کھایا اور اس کے بعد اپنے فلیٹ پر واپس آ گیا۔ شام کے وقت میڈم سلویا کا وعدے کے مطابق فون آ گیا۔ کہنے لگی۔

"گاڑی بھیج رہی ہوں۔ آ کر اپنی کمیشن لے جاؤ۔"

اس وقت میرے دل نے کہا، مت جانا۔ مگر میں نے اپنے دل کی آواز پر کوئی دھیان نہ دیا۔ میڈم کی گاڑی آئی تو اس میں سوار ہو کر بنگلے پر پہنچ گیا۔ وہ آگے تیار بیٹھی تھی۔ اس نے خلاف معمول سیاہ رنگ کا لباس پہن رکھا تھا۔ کہنے لگی۔

"تمہیں میرے ساتھ ایک جگہ چلنا ہو گا۔"

میں نے پوچھا۔

"کیا کوئی مرگ ہو گئی ہے؟"

اس نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تمہیں اپنے پرانے بنگلے پر لے جا رہی ہوں۔ میں نے وہاں اپنا ہیڈ کوارٹر بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ تمہارا مشورہ لینا چاہتی ہوں۔"

میڈم نے ڈرائیور کو ساتھ نہیں لیا۔ خود گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ گاڑی رات کے نیم اندھیرے میں کسی نامعلوم مقام کی طرف روانہ ہو گئی۔ کچھ دور تک پیرس کی روشنیاں ہمارے ساتھ چلتی رہیں' اس کے بعد وہ بہت پیچھے رہ گئیں اور گاڑی شہر سے باہر غیر آباد علاقے میں آ گئی۔

میں نے میڈم سے پوچھا۔

"میڈم! تمہارا پرانا بنگلہ شہر سے اتنی دور کیوں ہے؟۔"

اس نے کہا۔

"ہم لوگ جس قسم کا ناجائز کاروبار کرتے ہیں۔ ہماری جگہیں شہر سے جتنی دور ہوں' اتنا ہی اچھا ہے۔"

سڑک بھی ویران ویران سی تھی۔ کبھی کبھار کوئی گاڑی گزرتی تھی۔ دونوں جانب اندھیرا تھا۔ اندھیرے میں مجھے کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ میڈم نے میرے گھٹنے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تمہیں ڈر لگ رہا ہے؟"

میں نے جلدی سی کہا۔

"بالکل نہیں میڈم!۔"

"گڈ!" میڈم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم بڑے بہادر لڑکے نکلے ہو۔ مجھے بہادر لڑکے پسند ہیں۔"

ہمیں پیرس سے نکلے کچھ نہیں تو ایک گھنٹہ ہو گیا ہو گا۔ میڈم کی گاڑی شاہراہ سے ہٹ کر ایسی سڑک پر جارہی تھی کہ راستے میں کوئی گاؤں یا قصبہ بھی نظر نہیں آیا تھا کہ اس کی تھوڑی بہت روشنیاں ہی نظر آجاتیں۔ صرف گاڑی کے اندر مدھم سی روشنی ہو رہی تھی۔ اس مدھم پر اسرار روشنی میں کبھی کبھی میڈم میری طرف اسطرح مسکرا کر دیکھتی کہ میرے خوف کے مارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ میرے کانوں میں بلانشے کی آواز آرہی تھی۔۔۔۔ "یہ جنگلی بلی ہے' انتقام لینے پر آتی ہے تو وحشی درندہ بن جاتی ہے۔"

پھر مجھے خیال آیا کہ ایسی بھی کون سی بات ہے۔ میڈم سلویا مجھے کھا تو نہیں جائے گی۔ زیادہ سے زیادہ اپنی تسکین کے لئے مجھے جنسی تشدد کا نشانہ ہی بنا سکتی ہے۔ وہ میں برداشت کر لوں گا۔ گاڑی پہلی اترائی اترنے لگی' پھر چڑھائی چڑھنے لگی۔ سڑک اونچی نیچی تھی۔ سڑک پر گاڑی کی روشنی پڑ رہی تھی۔ اس روشنی میں میں نے ایک جنگلی نیولی کو سڑک پار کرتے ہوئے دیکھا۔

میڈم نے جلدی سے بریک لگائے۔ گاڑی ایکدم رک گئی۔ اگر سیفٹی بیلٹ نہ باندھ رکھی ہوتی تو میرا سر یقیناً ڈیش بورڈ سے ٹکرا کر ضرور پھٹ جاتا۔ میڈم نے فرانسیسی زبان میں نیولی کو بڑی گندی گالی دی۔

میں نے میڈم کی زبان سے پہلی بار اس قسم کی گالی سنی تھی۔ اس نے دوبارہ گاڑی آگے بڑھا دی۔

میں نے پوچھا ہم کونسے جنگل میں آگئے ہیں۔ اس نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ یہ افریقہ کے جنگل نہیں ہیں۔ بلکہ پیرس کے شمال کا علاقہ ہی ہے۔ ابھی یہاں پلاننگ اور ڈویلپمنٹ وغیرہ نہیں ہوئی۔"

جب میں نے میڈم سے ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ ابھی ہمیں اور کتنی دور جانا ہے تو اس نے بڑے اطمینان سے کہا۔

"بس ہم پہنچ گئے ہیں۔"

کوئی دو ایک میل جانے کے بعد میڈم نے گاڑی دائیں جانب ایک کچی سڑک پر ڈال دی۔ سڑک کے سنگریزے گاڑی کے پہیوں کے نیچے کچلے جا رہے تھے اور ادھر ادھر اڑ رہے تھے۔ میری جانب اونچی اونچی جھاڑیاں اندھیرے میں شاں شاں کرتی پیچھے کو جا رہی تھیں۔ سڑک نے ایک موڑ کاٹا۔ مجھے ستاروں کی روشنی میں کچھ فاصلے پر ایک ٹیلے کے اوپر کھڑی ایک عمارت کا ہیولا نظر آیا۔ گاڑی اس عمارت والے ٹیلے کی طرف بڑھ رہی تھی۔

یہ کسی پرانے قلعے یا محل کا کھنڈر تھا۔

میڈم گاڑی پرانے قلعے کی ڈیوڑھی میں سے گزار کر دوسری طرف لے آئی۔ یہاں قلعے کی اونچی دیوار تھی۔ اس دیوار کے نیچے اس نے گاڑی کھڑی کر دی۔ میں نے باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔

"میڈم یہ تو کسی پرانے قلعے کا کھنڈر معلوم ہوتا ہے۔"

اس نے گاڑی کا دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

ہمارے لئے یہ جگہ بڑی موزوں ہے۔ یہاں کسی کو بھی شک نہیں پڑ سکتا۔ میں اپنے کاروبار کو وسیع کرنا چاہتی ہوں اور یہاں ہیروئن اور کوکین کو سٹاک کر کے رکھنا چاہتی ہوں۔"

ہم باتیں کرتے پرانے قلعے کے احاطے میں سے گزر کر سامنے ایک محرابی دروازے پر آ کر رک گئے۔ دروازہ بند تھا۔ میڈم نے دروازے کے ایک طرف لٹکتی ہوئی رسی کو کھینچا تو اندر سے گھنٹی کی آواز آئی۔ ایک آدمی جس کے سر کے بال جھاڑیوں کی طرح لگ رہے تھے' ہاتھ میں لالٹین لئے باہر آیا۔ اس نے لالٹین اونچی کر کے پوچھا۔

"کون ہے؟۔"

میڈم کو دیکھ کر وہ جلدی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ میڈم نے اندر داخل ہوتے ہوئے اس آدمی کو مخاطب کر کے کہا۔

"وکٹر! مہمان کے لئے کافی تیار کرو۔ ہم بھی پئیں گے۔"

اس آدمی نے حلق سے عجیب سی آواز نکالتے ہوئے کچھ کہا جو میری سمجھ میں نہ آیا۔ ڈیوڑھی کے آگے اندر پھر ایک چھوٹا صحن تھا۔ اس صحن کے آگے ایک کمرہ تھا۔ ہم کمرے میں آ گئے۔ کمرے کی دیوار پر گیس کا لیمپ روشن تھا۔ دیواروں پر بھورے رنگ کے پرانے سے بھاری پردے لگے ہوئے تھے۔ نہ کوئی کھڑکی تھی نہ روشندان۔ صوفوں پر بھی گرد جم رہی تھی۔ میڈم کہنے لگی۔

"یہاں میں کبھی کبھار آتی ہوں۔ ابھی کافی پینے کے بعد میں تمہیں وہ تہہ خانہ دکھاتی ہوں جہاں میں نے کوکین اور ہیروئن کو سٹاک کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ یہ جگہ ایسی ہے کسی کو شبہ بھی نہیں ہو سکتا۔"

میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"میڈم معاف کرنا۔ مجھے یہ جگہ جنوں بھوتوں کا مسکن لگتی ہے۔"

میڈم نے سر کو پیچھے کر کے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ وہ میرے قریب ہی کرسی پر بیٹھی تھی۔

"اس وقت تو ہم دونوں بھوت ہی یہاں بیٹھے ہیں۔"

اتنے میں پریشان بالوں والا نوکر کالے رنگ کے طشت میں کافی کے دو مگ لے کر آ گیا۔ یہ آدمی اگرچہ پکی عمر کا تھا مگر جسم کافی تنومند اور مضبوط لگتا تھا۔ وہ گرد آلود میز پر کافی رکھ کر چلا گیا۔ میڈم نے کافی کا مگ اٹھا کر مجھے دیا۔ خود کافی کا دوسرا مگ اٹھا کر چسکیاں لینے لگی۔ میں نے کافی کا پہلا گھونٹ پیا تو وہ مجھے پھیکا سا لگا۔ میں نے کہا۔

"یہ کافی زیادہ سٹرانگ نہیں ہے۔"

میڈم میری طرف مسلسل دیکھ رہی تھی۔ کہنے لگی۔

"وکٹر کو میں نے کئی بار سمجھایا ہے مگر وہ ہمیشہ کافی کم ڈالتا ہے۔ خیر اس کے بعد میں کافی تمہیں خود بنا کر دوں گی۔"

میں کافی پینے لگا۔ میڈم کی نگاہیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ میں دل میں حیران ہو رہا تھا کہ وہ آخر میرے چہرے پر کیا لکھا پڑھنے کی کوشش کر رہی ہے۔ وہاں اس قدر خاموشی تھی کہ مجھے محسوس ہو رہا تھا جیسے میں کسی قبر میں آ گیا ہوں۔ وہ بلا نشے کی باتیں کرنے لگی۔

"میں جانتی ہوں تو اس بدکار عورت سے محبت کرتے ہو۔ تم نے میری محبت کی قدر نہیں کی۔ تم مجھ سے چھپ چھپ کر بلانشے سے ملنے اس کے پاس جاتے رہے۔"

میں نے کہا۔

"میڈم تمہیں کسی نے غلط بتایا ہے۔ اب میں اس سے بالکل نہیں ملتا۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم کل بھی اس سے ملنے اس کے نئے فلیٹ پر گئے تھے۔"

میں تو شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ اس عورت کے جاسوس نے سب کچھ بتا دیا تھا۔ وہ کم بخت میرا تعاقب کر رہا تھا۔ میں جواب میں کچھ کہنے لگا تو میری زبان نے ساتھ نہ دیا۔ میں نے میڈم کی طرف دیکھا تو مجھے اس کے دو دو تین تین چہرے نظر آنے لگے۔ میں نے کافی کا مگ میز پر رکھا تو میرا ہاتھ تھر تھر کانپ رہا تھا۔

میڈم مجھ پر جھک گئی۔

"اب میں تمہیں ہمیشہ کے لئے بلانشے کے پاس پہنچا دوں گی۔ تم دونوں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔" میں میڈم کی بھوری آنکھوں سے انتقام کی چنگاریاں سی نکلتی دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنا کافی کا مگ میز پر رکھا اور کہنے لگی۔

"میں تمہیں جہاں لے جا رہی ہوں وہاں بلانشے پہلے سے ہی تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ میں نے تم دونوں کو قیامت تک کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ کر دیا ہے............"

وہ اس کے بعد بھی کچھ کہتی رہی لیکن مجھے اس کے بعد صرف اس کے ہونٹ ہلتے نظر آئے۔ اس کی آواز مجھے سنائی دینی بند ہو گئی تھی۔ مجھے اپنا جسم پتھر ہوتا محسوس ہونے لگا۔ صرف میرا دماغ کام کر رہا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ میڈم نے کافی میں مجھے کوئی چیز ملا کر دی ہے اور اب میرا اللہ ہی حافظ ہے۔ اس کے بعد مجھ پر ایسی حالت طاری ہو گئی کہ جسم بالکل بے جان ہو گیا ہے۔ مگر آنکھیں دیکھ رہی تھیں اور دماغ زندہ تھا۔ میں نے اپنا ہاتھ ہلانے کی کوشش بھی کی مگر نہ ہلا سکا۔ میڈم کمرے سے باہر نکل گئی۔ ایکدم سے میری آنکھوں کے سامنے ماضی کے گزرے ہوئے تمام واقعات فلم کی طرح چلنے لگے۔ میں خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگا۔ مگر اب شاید کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ شاید میرے لئے توبہ کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد میڈم آئی تو اس کے ساتھ ملازم وکٹر بھی تھا۔ وکٹر نے مجھے صوفے پر سے اٹھا کر اپنے کاندھے پر بوری کی طرح ڈالا اور کمرے سے نکل کر ایک نیم روشن راہداری کی ڈھلان اترنے لگا۔ یہ راہداری قلعے کے اندر ہی اندر نیچے کسی تہہ خانے میں چلی گئی تھی۔ میڈم اس کے ساتھ تھی۔ راہ داری کی ڈھلان ختم ہوئی تو ایک تہہ خانہ آ گیا۔ تہہ خانے کا دروازہ بند تھا۔ وکٹر نے دروازے پر لگی ہوئے ایک لوہے کی سلاخ گھمائی۔ دروازہ کھولا اور مجھے اندر لے گیا۔ اس نے مجھے تہہ خانے کے فرش پر ڈال دیا۔ میں نے دیکھا کہ تہہ خانے کی چھت کے ساتھ لوہے کی زنجیر سے ایک لیمپ لٹک رہا تھا۔ لیمپ روشن تھا۔ تہہ خانے کی دیواریں پتھر کی تھیں۔ میں اپنی گردن بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔ صرف کھلی آنکھوں سے چھت کو دیکھ رہا تھا۔

خدا جانے یہ میرے ساتھ کیا کرنے والے تھے۔

انہوں نے میرے بازوؤں کے نیچے رسی ڈالی اور مجھے کھینچ کر فرش کے درمیان لے آئے۔ تب مجھے پتہ چلا کہ تہہ خانے کے درمیان میں ایک کنواں سا بنا ہوا ہے۔ انہوں نے مجھے رسی سے پکڑ کر کنویں میں لٹکایا اور پھر رسی کو ڈھیل دے کر نیچے کنویں میں اتار دیا۔ اوپر چھت کے ساتھ جو لیمپ لٹک رہا تھا اس کی روشنی کنویں میں پڑ رہی تھی۔ ابھی میری ٹانگیں کنویں سے سات آٹھ فٹ اوپر ہی تھیں کہ اوپر سے رسی کھینچ لی گئی۔ میں دھب سے نیچے گر پڑا۔ میرا خیال تھا کہ کنویں میں پانی ہو گا مگر وہاں پانی کی بجائے کوڑا کرکٹ اور گھاس پھونس تھا۔ میں ان پر پہلو کے بل گرا۔ چونکہ میرا جسم پتھر بن چکا تھا میں جس پہلو پر گرا تھا' اسی پہلو پر پڑا رہا۔ میری آنکھیں کھلی تھیں۔ اوپر لٹکتے لیمپ کی دھندلی روشنی میں مجھے کنویں کی دیوار کے ساتھ ایک اور انسانی جسم منہ کے بل پڑا ہوا نظر آیا۔ میں اس جسم کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا۔ میں نے بلانشے کو پہچان لیا تھا۔ تب مجھے خیال آیا کہ میڈم کیوں کہہ رہی تھی کہ میں تمہیں ہمیشہ کے لئے بلانشے کے پاس پہنچا رہی ہوں۔

اس مکار قاتل عورت نے بلانشے کو دن کے وقت کسی طرح اغوا کر لیا تھا اور مجھ سے پہلے بے ہوش کر کے تہہ خانے کے اندھے کنویں میں پھینک دیا تھا۔ مجھے اوپر سے کسی کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ میرے کان بالکل بند تھے۔ میں صرف دیکھ سکتا تھا۔ بلانشے لاش کی طرح اوندھی پڑی تھی۔ میں نے دل میں کہا۔ یا اللہ! میں کس مصیبت میں پڑ گیا ہوں۔ میری خطائیں معاف کرنا۔ میرے گناہ بخش دے۔ میں اب دل میں گناہ کا خیال کبھی دل میں نہیں لاؤں گا۔ میں ایک ایسے پتھر کے بت کی طرح کنویں کی تہہ میں گھاس پھونس کے ڈھیر پر پہلو کے بل پڑا تھا جو صرف دیکھ سکتا تھا اور سوچ سکتا

تھا لیکن نہ سن سکتا تھا' نہ بول سکتا تھا اور نہ کوئی حرکت کر سکتا تھا۔ میں نے آنکھیں اوپر کر کے کنویں کی دیوار کو دیکھا۔ یہ دیوار گولائی کی صورت میں کوئی بیس پچیس فٹ اوپر تک چلی گئی تھی۔ میں بلا نشے کو دیکھنے لگا۔ وہ بھی میری طرح بے حس و حرکت پڑی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ بھی دیکھ رہی ہو۔ مگر وہ نہ اپنا جسم ہلا سکتی تھی نہ میں اسے آواز دے سکتا تھا۔ نہ وہ میری آواز سن سکتی تھی۔ اس وقت میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ میں دل ہی دل میں گڑگڑا کر خدا سے اپنے گناہوں کی معافیاں مانگنے لگا۔ رو رہا تھا اور خدا کے حضور گڑگڑا رہا تھا۔ نہ جانے کتنی دیر تک میری یہی حالت رہی۔ پھر میری آنکھوں کے آنسو بھی خشک ہو گئے۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔

اچانک مجھے ایک عجیب سی خوشبو کا احساس ہوا۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے دیکھا کہ کنوئیں میں اوپر سے لے کر نیچے تک دیوار کے ساتھ سفید سی روشنی کا ایک ستون سا بنا ہوا تھا۔ خوشبو ایسی تھی کہ میں نے پہلے کبھی نہیں سونگھی تھی۔ میں آنکھیں کھولے روشنی کے ستون کو تک رہا تھا۔ میرے دیکھتے دیکھتے روشنی کا ستون اوپر سے سمٹتا ہوا نیچے کنوئیں کی تہہ میں آ کر ایک گولے کی شکل اختیار کر گیا۔ پھر اس روشنی کے گولے میں سے ایک براق لباس والی عورت کا ہیولا سا نمودار ہوا۔ میں نے اسے پہچان لیا۔

یہ سعیدہ کی والدہ سلطانہ اختر کی روح تھی۔ میں سلطانہ کی روح کو عالم بے بسی میں تک رہا تھا۔ سلطانہ کی روح جیسے فضا میں تیرتی ہوئی بغیر قدم اٹھائے میرے پاس آئی۔ اس نے اپنا سفید ہاتھ آہستہ سے میری پیشانی پر رکھ دیا۔ ہاتھ کے رکھتے ہی مجھے اپنے جسم میں ایک گرم لہر دوڑتی محسوس ہوئی۔ دوسرے لمحے میرے بے جان جسم میں زندگی کی توانائی واپس آ گئی۔

سلطانہ کی روح نے میرا نام لے کر کہا:

"خدا نے تمہارے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ میں خدا کے حکم سے تمہاری مدد کے لئے آئی ہوں۔ اٹھ کر بیٹھ جاؤ۔"

میں واقعی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں سن بھی سکتا تھا۔ محسوس بھی کر سکتا تھا اور بول بھی سکتا تھا۔ میں نے سلطانہ کی روح سے کہا:

"سلطانہ بہن! میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھ گناہ گار کی خطائیں معاف کر دیں۔ اور تمہارا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ تم میری مدد کو یہاں آئی۔"

سلطانہ کی روح نے دھیمی اور پرسکون آواز میں کہا:

"میں نے بھی اللہ کے حضور تمہاری بخشش کی دعا کی تھی۔ کیونکہ تم نے میری بیٹی کو غلط ماحول سے نکال کر میرے ماں باپ کے پاس پہنچا دیا تھا۔"

میں نے اسے کہا کہ وہ کسی طرح بلانشے کو بھی ہوش میں لائے۔

سلطانہ کی روح نے بلانشے کی پیشانی پر بھی اپنا سفید نورانی ہاتھ لگایا تو اسے بھی ہوش آگیا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور میری طرف دیکھ کر سہمی ہوئی آواز میں بولی:

"تم۔۔۔ کیا تم بھی یہاں موجود تھے؟"

میں نے بلانشے کو سارا واقعہ سنایا کہ کس طرح میڈم دھوکے سے مجھے یہاں لائی۔ پھر کس طرح اس نے مجھے کافی میں کوئی چیز ملا کر پلائی اور اس کے بعد جب میں بے جان ہو گیا تو مجھے اس کنوئیں میں پھینک دیا گیا۔ بلانشے نے کہا:

"آہ جیکی! مجھے تم سے محبت کرنے کی سزا ملی ہے۔ میں اپنے فلیٹ میں اکیلی تھی کہ میڈم کے تین آدمی آئے۔ انہوں نے مجھے آتے ہی دبوچ لیا

اور پھر کوئی انجکشن لگایا اور میں بے ہوش ہو گئی۔ جب ہوش آیا تو میڈم سلویا کے اس پرانے کھنڈر والے کمرے میں صوفے پر پڑی تھی۔ میرا جسم پتھر بن گیا ہوا تھا۔ میں دیکھ سکتی تھی، نہ بول سکتی تھی۔ نہ کچھ سن سکتی تھی۔ پھر میڈم نے اپنے نوکر وکٹر کے ساتھ مل کر مجھے رسی کے ذریعے اس اندھے کنوئیں میں پھینک دیا۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے ہوش آگیا۔ تمہیں بھی ہوش آگیا۔"

میں نے فوراً محسوس کر لیا کہ بلانشے کو وہاں سلطانہ کی روح کی موجودگی کا احساس نہیں ہے۔ حالانکہ سلطانہ کی روح اپنی پوری شکل و شباہت کے ساتھ کنوئیں میں ہمارے قریب ہی کھڑی تھی اور اس کے گرد روشنی کا ہالہ بنا ہوا تھا۔ تب سلطانہ کی روح نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا:

"یہ عورت نہ مجھے دیکھ سکتی ہے نہ میری آواز ہی سن سکتی ہے۔"

میں نے جواب میں سلطانہ کی روح سے کہا:

"میں نے اس حقیقت کو محسوس کر لیا ہے سلطانہ بہن!"

بلانشے نے مجھے حیرانی سے دیکھ کر پوچھا:

"یہ تم اپنی زبان میں کس سے مخاطب تھے؟"

میں نے سلطانہ کی روح سے اردو میں بات کی تھی۔ اور میں نے منہ سلطانہ کی روح کی طرف کر کے بات کی تھی جو میری دائیں جانب کھڑی تھی۔ میں فیصلہ نہ کر سکا کہ مجھے بلانشے کو سلطانہ کی روح کے بارے میں بتانا چاہئے یا نہیں بتانا چاہئے۔ اس مسئلے کو سلطانہ نے خود ہی حل کر دیا۔ کہنے لگی:

"تم اپنی دوست کو بے شک میرے بارے میں بتادو۔"

میں نے بلانشے کو بتادیا کہ میری ایک ہمدرد بہن کی روح یہاں موجود ہے اور میں اس سے باتیں کر رہا ہوں اور اسی روح نے تمہیں اور مجھے

خدا کے حکم سے دوبارہ زندگی دی ہے ورنہ ہم اسی کنوئیں میں پڑے پڑے مرجاتے۔

بلانشے نے پہلے تو یہ سمجھا کہ میں اس سے مذاق کر رہا ہوں۔ کیونکہ اسے سلطانہ کی روح بالکل نظر نہیں آ رہی تھی۔ ویسے بھی یورپ کے لوگ اس قسم کی باتوں کا اعتبار نہیں کرتے۔ وہ مادیت پرست ذہن رکھتے ہیں اور جب تک کسی چیز کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں' اس کی موجودگی کا کبھی یقین نہیں کرتے۔ اور یہ بات بھی تھی کہ اسے سلطانہ کی روح کی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ میں نے سلطانہ کی روح سے کہا:

"سلطانہ بہن! ہمیں کسی طرح یہاں سے باہر نکالو۔"

سلطانہ کی روح نے اپنی اسی پرسکون آواز میں کہا:

"میں اسی لئے یہاں بھیجی گئی ہوں۔ میں کنوئیں کے اوپر جاکر رسی پھینکتی ہوں۔ تم دونوں رسی کے ذریعے اوپر آجانا۔"

میں نے یونہی کہہ دیا۔

"سلطانہ بہن! میں نے تو روحوں کے بارے میں بڑی حیرت انگیز باتیں سنی ہوئی ہیں کہ وہ آدمی کو غائب کر کے کہیں سے کہیں پہنچادیتی ہیں۔ اور تم ہو کہ ہمیں عام انسانوں کی طرح اوپر سے رسی پھینک کر باہر نکالنے لگی ہو۔"

سلطانہ کی روح پر ایک لمحے کے لئے خاموشی چھاگئی۔ اس کا نورانی چہرہ جس قدر بھی مجھے دکھائی دے رہا تھا بے حد سنجیدہ تھا۔ اس نے گہری آواز میں کہا۔

"میں تمہیں یہ بتانے نہیں آئی ہوں کہ روح کے اندر کتنی طاقت ہوتی ہے اور وہ کسی انسان کو غائب کر سکتی ہے یا نہیں۔ لیکن ایک بات تمہارے علم میں اضافہ کرنے کے لئے ضرور بتادوں گی کہ روحیں عالم بالا سے زمین پر صرف خداوند کریم کے حکم سے آتی ہیں اور انہیں روح کے بارے میں بتانے کی کوئی اجازت نہیں ہوتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ روح کے اندر طاقت بھی اللہ تعالیٰ کے تابع ہوتی ہے۔ لہٰذا مجھے اتنی اجازت نہیں دی گئی کہ میں از خود تمہیں یہاں سے اٹھاکر کنویں سے باہر لے جاؤں۔ یہ کام تمہیں خود کرنا پڑے گا کیونکہ تم پورے انسانی ہوش و حواس کے ساتھ زندہ ہو۔ مجھے تمہارے اختیارات میں دخل دینے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہنا چاہتی اور تم سے کوئی سوال نہیں سننا چاہتی۔"

میں نے فوراً معذرت پیش کرتے ہوئے کہا۔

"سلطانہ بہن! مجھے معاف کر دینا۔ میں نے ایسا سوال کر دیا جو مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ تم جیسا کہو گی، میں اور بلانشے ویسا ہی کریں گے۔"

سلطانہ کی روح اپنی روشنی کو لے کر کنویں سے باہر چلی گئی۔ بلانشے گھاس پھونس پر بیٹھی اتنی دیر سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اگرچہ اس کا مادہ پرست ذہن کسی روح کی موجودگی اور اس کے ساتھ باتیں کرنے کے عمل پر یقین نہیں کرتا تھا لیکن اس نے ایک کرامت دیکھ لی تھی کہ وہ موت کے آغوش میں بے جان پتھر بنا کر پھینک دی گئی تھی اور پھر اچانک وہ اپنی تمام توانائیوں کے ساتھ زندہ ہو گئی تھی، اس لئے وہ تنقید یا اعتراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔ بس مجھے سلطانہ کی روح سے، جو اسے نظر نہیں آ رہی تھی، باتیں

کرتے دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔ جب سلطانہ کی روح کنویں سے باہر چلی گئی تو میں نے بلانشے کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

"بلانشے! ہم کنویں سے باہر نکل رہے ہیں۔"

"وہ کیسے؟ کیا تمہاری بہن کی روح ہمیں یہاں سے باہر نکالے گی؟۔"

بلانشے نے پوچھا۔ میں نے جواب دیا۔

"وہ نہیں نکالے گی۔ ہمیں خود باہر نکلنا ہو گا۔"

بلانشے نے چھت کے ساتھ لٹکتے ہوئے لیمپ کی دھندلی روشنی میں کنویں کی بیس پچیس فٹ اونچی دیوار کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھا۔

"مگر اتنی اونچی دیوار ہم چڑھیں گے کیسے؟۔"

میں نے اسے بتایا کہ ابھی اوپر سے نیچے رسی لٹکائی جائے گی۔ ہم رسی کو پکڑ کر چڑھیں گے۔ اتنی دیر میں اوپر سے رسی نیچے آن گری۔ رسی کا ایک سرا کنویں سے باہر ہی تھی۔ میں نے رسی کو پکڑ کر کھینچا۔ کنویں کے باہر رسی کسی مضبوط چیز سے بندھی ہوئی تھی۔

میں نے بلانشے سے کہا۔

"بلانشے پہلے تم اوپر چڑھو۔"

یورپ کی عورتیں ہماری عورتوں کی طرح کمزور دل اور مشکل وقت میں گھبرا کر بیٹھ جانے والی نہیں ہوتیں۔ یورپ کی عورتیں خاص طور پر لڑکیاں ہر وقت کسی نہ کسی طرح کے ایڈونچر کے لئے تیار ہوتی ہیں۔ بلانشے نے دونوں ہاتھوں سے رسی کو پکڑ کر اپنے دونوں پاؤں کنویں کی دیوار کے ساتھ لٹکائے اور آہستہ آہستہ اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ جب وہ کنویں سے باہر

نکل گئی تو میں رسی پکڑ کر اوپر چڑھنے لگا۔ میں بھی دو چار منٹ کے بعد کنویں سے باہر تھا۔

میں نے باہر آتے ہی چاروں طرف متلاشی نگاہوں سے دیکھا۔ مجھے سلطانہ کی روح کہیں دکھائی نہ دی۔ میں نے اسے آواز دی تو وہ بولی۔

"اب تمہیں اپنا برا بھلا سوچ کر خود ہی سب کچھ کرنا ہو گا۔ اب تم اپنے ہر عمل کے خود ہی ذمہ دار ہو گے۔ مجھے تمہاری اتنی مدد کرنے کا ہی اختیار دیا گیا تھا۔"

میں نے کہا۔

"لیکن اچھی بہن تہہ خانے کے دروازے پر تو باہر سے لوہے کی سلاخ لگی ہوئی ہے۔ ہم اسے کیسے کھولیں گے؟"

سلطانہ کی روح نے کہا۔

"میں نے وہ سلاخ ہٹادی ہے۔ تم دروازہ کھولو گے تو وہ کھل جائے گا۔ اب میں جاتی ہوں۔"

بلانشے نے مجھے خاموش دیکھ کر کہا۔

"کیا ہوا؟ تم روح سے کیا باتیں کر رہے تھے؟"

میں نے اسے روح کی ساری باتیں بیان کر دیں۔ وہ خوشی سے بولی۔

"خدا کا شکر ہے۔ چلو یہاں سے نکل چلتے ہیں۔"

ہم راہ داری سے ہوتے ہوئے تہہ خانے کے دروازے پر آ گئے۔ دروازہ بند تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے ذرا سا دھکا لگایا تو وہ کھل گیا۔ ہم جلدی سے دروازے سے باہر نکل گئے۔ باہر ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ اتنا اندھیرا تھا کہ قلعے کے احاطے میں ہمیں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ بلانشے اور میں

دروازے کے آگے کو جو پتھر کا چھجہ نکلا ہوا تھا اس کے نیچے کھڑے تھے۔ بلا نشے نے کہا۔

"ہمیں ابھی قلعے کے بڑے دروازے میں سے نکلنا ہے۔ کہیں اسے اندر سے تالا نہ لگا ہو۔"

میں نے کہا:۔"یہ تو وہاں چل کر ہی معلوم ہو گا۔"

احاطے کے ایک کونے میں دھندلی سی روشنی بارش کی رم جھم میں ٹمٹماتی نظر آ رہی تھی۔ ہم نے بارش میں دوڑ کر احاطے کو پار کیا۔ روشنی ایک دیوار کی کھڑکی میں سے باہر آ رہی تھی۔ کھڑکی کے پٹ کھلے تھے۔ جب ہم جھک کر کھڑکی کے نیچے سے گزرے تو ہمیں اندر کسی عورت کی باتیں کرنے کی آواز آئی۔ بلا نشے نے مجھے بازو سے پکڑ کر روک لیا۔ آواز مجھے بھی آ رہی تھی۔ میں نے آواز پہچان لی۔ یہ میڈم سلویا کی آواز تھی۔ وہ فرانسیسی زبان میں کسی کو کہہ رہی تھی۔

"نہیں تم میرے ساتھ جاؤ گے۔ میں اکیلی نہیں جاؤں گی۔"

اب میں فرنچ زبان سے اتنا ناواقف نہیں رہا تھا۔ اس کے جواب میں کسی مرد کی آواز آئی۔ اس مرد نے کہا۔

"یس مادام! میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔"

آواز کے بھدے پن سے میں سمجھ گیا کہ یہ میڈم کے پر اسرار ملازم وکٹر کی آواز ہے۔ پھر کسی بھاری شے کے میز پر رکھنے کی آواز آئی۔ میڈم کہہ رہی تھی۔

"وکٹر! تم اس ڈبے کو اٹھا کر میرے ساتھ جاؤ گے۔ میرا خیال ہے باہر بارش رک گئی ہے۔ چلو ہم ابھی تہہ خانے میں جاکر دونوں کی لاشوں کو جلا کر راکھ کر آتے ہیں۔"

یہ سن کر بلانشے نے میرے کان کے قریب منہ لاکر آہستہ سے کہا۔

"میں اس عورت کو سبق سکھانا چاہتی ہوں۔ میرے ساتھ آؤ۔ جلدی۔۔۔"

وہ مجھے کھینچتی ہوئی دوبارہ واپس تہہ خانے کے دروازے کی طرف دوڑی۔ ہم نے ایک بار پھر ہلکی بارش میں احاطے کو عبور کیا اور آہنی دروازے کے پاس آ گئے۔ جاتی دفعہ ہم دروازے کی سلاخ لگا گئے تھے۔

میں نے بلانشے سے کہا۔

"تم کیا کر رہی ہو؟ کیا کرنا چاہتی ہو؟۔"

بلانشے نے مجھے جھڑکتے ہوئے کہا۔

"خاموش رہو۔ اس طرف اندھیرے میں ہو جاؤ۔ میڈم اور وکٹر آ رہے ہیں۔"

احاطے میں ہمیں دو انسانی سائے تہہ خانے کی طرف بڑھتے نظر آئے۔ ہم جلدی سے ایک طرف اندھیرے میں چھپ گئے۔ دونوں سائے قریب آئے تو میں نے دیکھا میڈم نے بارش سے بچاؤ کے لئے برساتی پہنی ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے پیچھے اس کا ملازم وکٹر تھا جس نے پلاسٹک کی ایک بڑی سی بوتل اٹھائی ہوئی تھی۔ بلانشے نے آگے بڑھ کر دروازے کی سلاخ ایک طرف ہٹائی اور تہہ خانے میں داخل ہو گئی۔ وکٹر بھی بوتل اٹھائے اس کے

پیچھے اندر چلا گیا۔ دروازہ کھلا ہی رہا۔ جب دونوں اندر چلے گئے اور ایک منٹ ہو گیا تو بلانشے بولی۔

''اب اندر چلو۔''

میں نے کہا۔

''یہ تم کیا کر رہی ہو بلانشے؟''

وہ بولی۔

''میں جو کچھ کہوں گی وہی کچھ تمہیں کرنا ہو گا۔ ہم اپنے قاتلوں سے اپنے قتل کا بدلہ لے رہے ہیں۔ میرے ساتھ آؤ۔''

ہم بڑی احتیاط سے قدم اٹھاتے اندر داخل ہو گئے۔ آگے ڈھلان تھی۔ راہداری نیم تاریک تھی۔ ہم دیوار کے ساتھ لگ کر آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہے تھے۔ آگے اصلی تہہ خانے کا دروازہ تھا جو چوپٹ کھلا تھا۔ چونکہ اس تہہ خانے کی چھت کے ساتھ لگا ہوا لیمپ روشن تھا' اس لئے ہمیں اندر کا منظر بڑا صاف نظر آ رہا تھا۔ ہم نے دیکھا وکٹر اور میڈم سلویا تہہ خانے کے کنویں میں جھک جھک کر دیکھ رہے ہیں۔ میڈم کی گھبرائی ہوئی آواز آئی۔

''وکٹر تم دیکھو۔ مجھے نیچے دونوں میں سے ایک بھی نظر نہیں آ رہا۔''

پلاسٹک کی بڑی بوتل ان کے قریب پڑی تھی۔ دونوں جھک کر کنویں میں دیکھنے لگے۔ اس وقت بلانشے پر جیسے وحشت کا دورہ پڑا۔ وہ میرے پاس ہی کھڑی تھی۔ میڈم اور بلانشے کا فاصلہ وہاں سے زیادہ سے زیادہ بیس فٹ کا ہو گا۔ بلانشے بجلی کی طرح دوڑی۔ دوڑتے ہوئے وہ ایک سیکنڈ میں وکٹر اور میڈم سلویا کے پاس پہنچی اور دونوں کو کنویں میں دھکا دے دیا۔ یہ کام اس نے اتنی تیزی سی کیا کہ میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا کہ یہ کیا کرنے کے لئے

بھاگی جارہی ہے اور کیا کر رہی ہے۔ کنویں میں گرتے ہی دونوں کی چیخیں بلند ہوئیں جو کنویں میں گرنے کے بعد کراہوں میں تبدیل ہو گئیں۔ بلانشے جیسے دیوانی ہو گئی تھی۔ اس نے پلاسٹک کی بوتل اٹھا کر کھولی اور اس کے اندر جو کچھ بھی تھا کنویں کے اندر پھینک دیا۔ تہہ خانے میں پٹرول کی بو پھیل گئی۔ شیشے کی بوتل میں پٹرول تھا۔ میڈم سلویا کنویں میں پڑے ہمارے بے جان جسموں پر پٹرول چھڑک کر انہیں سپرد آتش کرنے کے لئے وہاں آئی تھی۔ اس دوران بلانشے نے اپنی پتلون کی جیب میں سے لائیٹر نکال کر جلا لیا۔ زمین پر پڑے ہوئے کچھ کاغذ وغیرہ اٹھا کر انہیں آگ لگائی اور جلتے ہوئے کاغذ کنویں میں پھینک دیئے۔ دو سیکنڈ بعد کنویں میں ایک ہلکا سا دھماکا ہوا اور کنواں آگ سے روشن ہو گیا۔ میڈم سلویا اور وکٹر کی چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔ بلانشے دوڑ کر میرے پاس آئی اور بولی۔

"میں نے قاتلوں سے اپنے قتل کا بدلہ لے لیا ہے۔ اگر تمہاری بہن کی نیک روح ہماری مدد نہ کرتی تو اس وقت کنویں میں ہمارے جسم جل رہے ہوتے۔ چلو اب ہمارا یہاں کوئی کام نہیں۔"

ہم سب دروازے کھلے چھوڑ کر باہر احاطے میں نکل آئے۔ بارش اسی طرح ہو رہی تھی۔ بلانشے کہنے لگی۔

"قلعے کے دروازے کے باہر میڈم کی گاڑی ضرور کھڑی ہو گی۔"

ہم اندھیرے میں دیکھ دیکھ کر چلتے قلعے کے بڑے دروازے والی ڈیوڑھی میں آگئے۔ یہاں اندر ڈیوڑھی میں دیوار کے ساتھ لگا ہوا لیمپ جل رہا تھا۔ بلانشے نے بڑے دروازے کے نیچے لگا ہوا ایک چھوٹا سا دروازہ کھولا اور ہم قلعے سے باہر نکل آئے۔ کچھ فاصلے پر کھنڈر کی پرانی دیوار کے پاس

میڈم سلویا کی گاڑی بارش میں بھیگ رہی تھی۔ ہم نے گاڑی کے پاس جا کر دیکھا۔ گاڑی کے دروازے لاک تھے۔ بلانشے نے کہا۔

"تم یہاں ایک طرف کھڑے ہو جاؤ۔ میں اندر جا کر چابی تلاش کرتی ہوں۔ میڈم نے اسے پرس میں رکھا ہو گا۔"

میں نے کہا:۔ "تمہیں کیسے پتہ چلے گا کمرہ کہاں ہے؟"

وہ بولی: "میں ایک بار پہلے بھی یہاں آ چکی ہوں۔ تم فکر نہ کرو۔"

وہ بارش میں دوڑتی ہوئی قلعے کے دروازے میں سے اندر چلی گئی۔ بارش ہلکی لیکن مسلسل ہو رہی تھی۔ میں دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ میرا خیال ہے اس وقت رات کے اڑھائی بج رہے تھے۔ اندھیری رات اور بارش میں قلعہ کا سیاہ ہیولا کسی بہت بڑے عفریت کی طرح لگ رہا تھا۔ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ بلانشے دوڑتی ہوئی واپس آ گئی۔

"چابی مل گئی ہے۔"

ہم گاڑی میں بیٹھ گئے۔ بلانشے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس نے انجن سٹارٹ کیا اور گاڑی آہستہ آہستہ آسیب زدہ قلعے کے کھنڈر میں سے نکل کر بڑی سڑک کی طرف جاتی کچی سڑک پر آ گئی۔ میں نے بلانشے سے اپنے ضمیر کی خلش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"بلانشے کہیں ہم سے دو انسانوں کا خون تو نہیں ہو گیا؟۔"

بلانشے اب بڑی تیز گاڑی چلا رہی تھی۔ اس نے ہیڈ لائٹوں کی روشنی میں بارش میں بھیگتی کچی سڑک کا موڑ کاٹا اور گاڑی کو بڑی سڑک پر لاتے ہوئی کہا۔

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اگر وہ ہم دونوں کو جلا کر بھسم کر دیتی تو یہ بہتر تھا؟ اور پھر تم نے تو کچھ نہیں کیا۔ تم نے کسی کا خون نہیں کیا۔ اگر کسی کا خون ہوا بھی ہے تو اس کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے۔ تمہارا ضمیر کس واسطے ملامت کر رہا ہے؟"

میں کیا جواب دیتا۔ ایک لحاظ سے بلانشے نے ٹھیک کہا تھا۔ میڈم سلویا نے تو ہمیں ہلاک کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اور اگر سلطانہ کی روح عین وقت پر خدا کے حکم پر وہاں نہ پہنچتی تو اس وقت تک تو کنویں کے اندر ہماری لاشوں کے جلے ہوئے پنجر ہی پڑے ہوتے۔ جب ہماری گاڑی پیرس جانے والی شاہراہ پر آئی تو بلانشے نے کہا۔

"ہمیں میڈم سلویا کی گاڑی یہیں کہیں پھینک دینی چاہیے۔ اسے اپنے ساتھ شہر میں لے جانا خطرے کا باعث بن سکتا ہے۔"

"اسے کہاں پھینکیں؟۔" میں نے پوچھا۔

بلانشے گاڑی کی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اس وقت ایک ہائی وے کے ایک ٹیلے کا موڑ کاٹ رہی تھی۔ بلانشے نے کہا۔

"مجھے یاد ہے۔ یہیں کہیں ایک پرانا تالاب ہے۔ ہم گاڑی اس تالاب میں ڈبو دیں گے۔"

اسکا اندازہ درست نکلا۔ کوئی دو فرلانگ کے فاصلے پر ہماری بائیں جانب درختوں اور کھیتوں کے بیچ میں ایک سیاہ رنگ کا سپاٹ نظر آیا۔ بلانشے نے اسکے قریب جاکر گاڑی روک دی۔ گاڑی کی روشنیاں بجھا دی گئیں۔

"یہ ولدلی تالاب بڑا پرانا اور گہرا ہے۔ اس میں ڈوبی ہوئی گاڑی کا کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔ اگر کبھی پتہ بھی چل گیا تو ہم پر کسی کو شک نہیں ہو گا۔
"

ہم گاڑی کو دھکیل کر تالاب کے کنارے تک لے گئے۔ گاڑی کو بڑی مشکل سے ہم کنارے کے اوپر لائے اور پھر اسی تالاب میں دھکیل دیا۔ گاڑی تالاب کے گدلے پانی میں چھپاکے کی آواز کے ساتھ گری اور آہستہ آہستہ اندھیرے میں ڈوب گئی۔ پھر اسے تالاب نے نگل لیا۔ تالاب کے گدلے پانی کی سطح دوبارہ پر سکون ہو گئی۔

"اب ہم ہائی وے پر کوئی ٹیکسی وغیرہ پکڑتے ہیں۔"

ٹیلے کی وٹ سے نکل کر ہم ہائی وے کی ایک جانب بیلٹ لائن پر پیرس شہر کی طرف چل پڑے۔ اس وقت بارش رک چکی تھی اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد ایک خالی ٹیکسی نظر آئی۔ ہم نے اسے ہاتھ دے کر روکا۔ اس میں بیٹھے اور شہر کے سپر مارکیٹ والے چوک میں آکر ٹیکسی چھوڑ دی۔ یہ بلانشے کی حکمت عملی تھی۔ یہاں سے ہم نے دوسری ٹیکسی پکڑی اور بلانشے کے فلیٹ میں آگئے۔

اس وقت پو پھٹ رہی تھی اور پیرس کے آسمان پر چھائے ہوئے بادلوں میں صبح کاذب کی پھیکی پھیکی سی روشنی پھوٹنا شروع ہو گئی تھی۔ میں اپنے فلیٹ پر اس لئے نہ آیا کہ میڈم کے جاسوس کی وہاں موجودگی ضروری تھی اور میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ مجھے رات کے پچھلے پہر وہاں ٹیکسی وغیرہ سے اترتے دیکھے۔ بلانشے نے کمرے میں داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر دیا اور گیلے کپڑے اتارنے لگی۔

"تم بھی گیلے کپڑے اتار دو۔
میں نے کہا: "اتار کر پہنوں گا کیا؟"
بلانشے ہنس کر کہنے لگی۔
"میرے کپڑے پہن لو۔ تھوڑی سی رات تو رہ گئی ہے۔ تب تک کپڑے سوکھ جائیں گے۔"
اس کے بعد ہم سو گئے۔ جب اٹھے تو دن کے دو بج رہے تھے۔ بلانشے نے جلدی جلدی کھانا تیار کیا۔ کہنے لگی۔
"اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟"
میں نے کہا:۔" میرا تو خیال ہے کہ ہمیں اس شہر سے فرار ہو جانا چاہیے۔ کیونکہ میڈم کی گمشدگی کی خبر اخباروں میں ضرور چھپے گی تو پولیس ہم سے پوچھ گچھ کرے گی۔"
بلانشے نے کہا۔
"کیوں؟ ہم سے کیوں پوچھ گچھ کرے گی؟ پولیس کو معلوم ہے کہ میڈم سلویا کا تعلق ناجائز منشیات کے ایک بہت بڑے گینگ سے تھا۔ وہ کوئی اونچے خاندان کی کوئی شریف خاتون تو نہیں تھی اور جس گینگ سے اس کا تعلق تھا' وہاں اس قسم کے حادثے ہوتے رہتے ہیں۔ ہم سے کسی نے پوچھا بھی تو کہہ دیں گے کہ ہمیں خود معلوم نہیں کہ میڈم کہاں چلی گئی ہے۔ اور پھر تمہیں تو یہاں کوئی جانتا بھی نہیں۔ تم کیوں فکر کرتے ہو؟۔"
کھانے کی میز پر بلانشے کہنے لگی۔

"ہم دس پندرہ دن پیرس میں ہی رہیں گے۔ اگر ایکدم غائب ہو گئے تو پولیس کو مجھ پر شک پڑ سکتا ہے۔ اس کے بعد ہم اسی شہر میں اپنا کاروبار شروع کریں گے۔ کیا خیال ہے تمہارا؟۔"

میں نے کہا۔

"نہیں بلانشے۔ اب میں اس دھندے میں نہیں پڑوں گا۔ اگر مجھے پیرس میں رہنا ہی پڑا تو میں اپنے پیسوں سے نوادرات کی کوئی دکان کھول لوں گا۔"

بلانشے ہنس پڑی۔

"چلو سوچیں گے۔ ابھی ہم کسی سے نہیں ملیں گے۔ بس خاموش رہیں گے اور ایک دوسرے سے بھی بہت کم ملیں گے۔"

میں شام کے وقت بلانشے کے فلیٹ سے چل پڑا۔

اپنے فلیٹ میں آکر نیم گرم پانی سے غسل کیا اور کافی بنا کر صوفے پر بیٹھ کر سوچنے لگا کہ واقعی مجھے اب کیا کرنا چاہیے۔ مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ اس بارے میں سلطانہ کی روح سے مشورہ لیا جائے۔ وہ تو مستقبل میں بھی جھانک کر دیکھ سکتی ہے۔ وہ مجھے بڑا اچھا مشورہ دے گی۔ میں نے یہ خیال آتے ہی لباس تبدیل کیا اور اپنی اپارٹمنٹ بلڈنگ سے نکل کر شارل کے قبرستان کی طرف چل پڑا۔ دریائے سین کے دوسرے کنارے والے بس سٹاپ سے میں پرانے پیرس کو جانے والی بس میں سوار ہو گیا۔ شارل والا قبرستان اسی طرح خاموش اور اداس اداس تھا۔ میں قبرستان کی دیوار کے ساتھ چلتا ہوا دوسرے گیٹ سے قبروں کے درمیان آ گیا۔ سلطانہ اختر کی قبر قبرستان کے آخری ویران کونے میں تھی۔ میں نے قبر پر آکر فاتحہ پڑھی اور

سلطانہ کی روح کے لئے مغفرت کی دعا مانگی۔ میں وہیں ایک طرف بیٹھ گیا۔ مجھے یقین تھا کہ سلطانہ کی روح کو میرا پتہ یقیناً چل گیا ہو گا۔

ایسا ہی ہوا۔ مجھے وہاں بیٹھے بمشکل تین چار منٹ گزرے ہوں گے کہ درختوں کے نیچے سفیدی سی نمودار ہوئی۔ پھر مجھے وہی خوشبو محسوس ہوئی جو سلطانہ کی روح کے ساتھ آیا کرتی تھی۔ سفید روشنی آہستہ آہستہ میرے قریب آ گئی۔ میں سلطانہ کی روح کی تعظیم کے لئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے اسے سلام کیا۔ سلطانہ کی روح نے میرے سلام کا جواب دیا اور خاموش رہی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ چاہتی ہے کہ میں اپنے وہاں آنے کا مقصد بیان کروں۔ میں نے کہا:۔

"سلطانہ بہن! میں تم سے ایک مشورہ لینے آیا ہوں۔"

روح کی دھیمی سی آواز آئی۔

"کہو۔"

میں نے کہا۔

"مجھے تم سے یہ مشورہ لینا ہے کہ میں پیرس میں رہ کر کوئی کاروبار شروع کروں یا واپس چلا جاؤں؟۔"

سلطانہ کی روح کچھ دیر خاموش رہی اور پھر بولی۔

"اسکا فیصلہ تمہیں خود کرنا ہو گا۔ میں تمہارے ارادے میں دخل نہیں دوں گی۔ کوئی اور بات؟"

میں سمجھ گیا کہ سلطانہ کی روح واپس جانا چاہتی ہے۔ ایک سوال بار بار میرے ذہن میں آ رہا تھا اور گزشتہ رات میڈم سلویا کے پرانے قلعے

والے تہہ خانے میں یہ سوال سلطانہ کی روح سے کرنا بھول گیا تھا۔ چنانچہ میں نے سلطانہ کی روح سے پوچھا۔

"سلطانہ بہن مجھے صرف اتنا بتا دو کہ ایئرپورٹ پر کسٹم آفیسروں کے سامنے میرے بریف کیس میں سے ہیروئن والی تاش کا پیکٹ کیسے غائب ہو گیا تھا؟۔"

اس وقت مجھے سفید روشنی میں سلطانہ کی روح کا دھندلا خاکہ ہی نظر آ رہا تھا۔ میرا سوال سن کر وہ کچھ سیکنڈ خاموش رہی۔ پھر کہا۔

"اس پیکٹ کو میں نے غائب کیا تھا۔ میں تمہیں شریفانہ زندگی گزارنے کا ایک موقع دینا چاہتی تھی۔ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا تھا۔ تمہارا کیا فرض ہے یہ تم جانو۔۔۔۔ میں جاتی ہوں۔"

اور اس کے ساتھ ہی سلطانہ کی روح کا ہیولا سفید روشنی کے ساتھ غائب ہو گیا۔ سلطانہ کی روح کے چلے جانے کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ وہ اپنی پاکیزہ روشنی کی ایک شعاع میرے دل میں اتار گئی ہے۔ مجھے اپنا آپ ہلکا پھلکا اور انتہائی صاف محسوس ہونے لگا۔ میرے دل سے برائی اور گناہ کے تمام احساس اور ارادے غائب ہو گئے تھے۔ یہ ایک ایسا انقلاب تھا جس کی مجھے توقع نہیں تھی۔ مگر یہ انقلاب برپا ہو چکا تھا۔ یہ ایک طرح سے میری روح کا انقلاب فرانس تھا۔ میرے اندر حرص اور ہوس کے جو بت تھے وہ سارے منہ کے بل گر کر پاش پاش ہو چکے تھے۔ میں نے اسی وقت واپس پاکستان جانے کا فیصلہ کر لیا۔ جب میں شارل کے پرانے قبرستان سے نکل رہا تھا تو مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے خوشبو اپنے پھول کی طرف واپس جا رہی ہو۔

☆☆☆☆☆☆